انوارات صفدر

ازقلم: حضرت مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

ناشر: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

اصول حدیث، اصول مناظرہ ودیگر بیسیوں اہم اصولوں وفوائد پر مشتمل کتاب
جس کے مطالعہ سے مناظرانہ قوت استدلال پیدا ہو سکتی ہے

شائقین فن مناظرہ کیلئے بیش بہا تحفہ

مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

ناشر

87۔جنوبی لاہور روڈ سرگودھا فون 048-3881487

نام کتاب: انوارات صفدر

مئولف: مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی

کمپوزنگ: محمد مسلم فاروقی، محمد عمران صفدر

ڈیزائننگ: ملک اعجاز حسین

ناشر: مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

(۱) مکتبہ قاسمیہ اُردو بازار، لاہور

(۲) مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۳) مکتبہ حقانیہ، ملتان

(۴) مکتبہ مجیدیہ، ملتان

(۵) ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

(۶) قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی

(۷) مکتبہ عمر فاروق نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی

(۸) اظہر اسلامک کیسٹ سنٹر، رحیم یار خان

(۹) مکتبہ فاروقیہ محلّہ جنگی، پشاور

(۱۰) دارالکتب صدر پلازہ محلّہ جنگی، پشاور

فہرست مضامین

جلداول

جزواول

اللہ تعالیٰ نے علم شہادت کے لئے انسان کو حواس خمسہ عطا فرمائے۔ مبصرات کا علم آنکھ سے تعلق رکھتا ہے، مسموعات کا کان سے تعلق رکھتا ہے، مشموعات کا تعلق ناک سے ہے، اذواق کا زبان سے تعلق ہے۔ لیکن یہ تمام علوم دماغ میں جا کر جمع ہو جاتے ہیں۔ دماغ میں جوان کا خاکہ بنتا ہے اسی خاکہ کو مناطقہ کی اصطلاح میں علم کہتے ہیں۔ اگر وہ علم حکم سے خالی ہو تو تصور کہلاتا ہے، اور اگر ایجاب یا سلب کا حکم ہو تو تصدیق کہلاتا ہے۔ تصور دوسروں کو سمجھانے کے لئے تعریف کی ضرورت ہوتی ہے، اور تصدیق دوسرے کو منوانے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو پورا علم مناظرہ دو باتوں میں بند ہے۔ ایک صحیح تعریف دوسرا صحیح دلیل۔

قرآن پاک اور پہلی کتابوں میں فرق

قرآن پاک اور پہلی کتابوں کی حیثیت ایسی ہے کہ جس طرح آنکھ صرف دیکھ سکتی ہے سن نہیں سکتی۔ ان کتابوں میں ایک علم تھا۔ تورات میں لاء یعنی قانون، زبور میں مناجات یعنی دعا، اور انجیل میں اخلاقیات کے رستے۔ لیکن قرآن پاک نہ صرف ان کا جامع اور محافظ ہے بلکہ ان کی تکمیل بھی کرتا ہے، اس لئے قرآن پر ایمان لانا سب کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ اور قرآن کا انکار سب کتابوں کا انکار ہے۔

آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء میں فرق

اسی طرح سابقہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے کسی خاص خاص شعبہ کا نمونہ بنایا۔ مثلاً ایوب علیہ السلام کی زندگی صبر کا نمونہ ہے، داؤد علیہ السلام کی زندگی جہاد کا نمونہ ہے، مگر حضور علیہ السلام ﷺ کو جمیع شعبوں کے لئے نمونہ بنایا گیا۔ اسی لئے شاعر نے کہا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند کہ تو تنہا داری

و احسن منک لم تر قط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرءً من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

محدثین اور فقہاء میں فرق

جو فرق حواس اور دماغ میں ہے ایسا ہی فرق محدثین اور فقہاء میں ہوتا ہے۔ آنکھ کروڑوں جزئیات دیکھ سکتی ہے، کان لاکھوں مسموعات سن سکتا ہے، لیکن یہ حواس مدرک الکلیات نہیں ہوتے۔ البتہ دماغ ان حواس ہی کی وجہ سے مدرک الکلیات ہوتا ہے۔ محدث الفاظ شناس رسول ﷺ ہوتا ہے، جبکہ مجتہد مزاج شناس رسول ہوتا ہے۔ محدث صرف جزئیات کا علم رکھتا ہے، جبکہ مجتہد ان جزئیات کو کلیات میں پرو دیتا ہے۔ اس لئے آپ کو احادیث میں یہ تو ملے گا کہ حضرت ﷺ نے کلّی فرمائی، چہرہ دھویا، مگر مجتہد دل و دماغِ رسول ﷺ سے معلوم کرے گا کہ یہ کام آپ ﷺ نے سنت سمجھ کر کیا اور یہ کام فرض۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو حدیث کی بڑی سے بڑی کتاب میں نماز کے مکمل احکام نہیں ملیں گے، جبکہ فقہ کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں تمام احادیث کی تفاسیر ملیں گی۔

نوٹ

دماغ کی حیثیت جسم میں وہی ہوتی ہے جو کائنات میں لوح محفوظ کی ہے۔ جس طرح ہر زندگی کا ما کان و ما یکون اس میں موجود ہے یہی حالت دماغ کی ہے کہ اس میں خاکہ موجود ہوتا ہے۔ محدثین نے خود بھی یہی بتایا ہے کہ ہم پنساری ہیں اور فقہاء طبیب ہیں۔ پنساری کا کام صرف دوائیوں کے نام جاننا اور انہیں محفوظ کرنا ہے، اور طبیب کا کام ان کے خواص جاننا ہے۔

احکام تکوینیہ اور تشریعیہ کے درمیان فرق

احکام تکوینیہ اور احکام شریعیہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ انسان کا فعل دو قسم پر ہے۔ ایک

وہ ہے کہ جس میں اس کام کو روکنے کے لئے ہمارے اختیار کا دخل ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہوتا ہے جس کے روکنے کا ہمیں اختیار نہ ہو۔ مذکورہ تفسیر اول کو احکام تشریعیہ کہتے ہیں اور تفسیر ثانی کو احکام تکوینیہ کہتے ہیں۔اور حضور ﷺ کو احکام تشریعیہ کا علم کلی عطا کیا گیا ہے۔اور احکام تکوینیہ میں سے چند ایک کا علم نبی ﷺ کو دیا گیا ہے، نہ کہ کلی علم۔جیسا کہ بکری حلال ہے یا حرام، یہ مسئلہ شرعی ہے لیکن پوری دنیا میں کتنی بکریاں ہیں ان پر کتنے بال ہیں اور ان کی مینگنیاں کتنی ہیں یہ علم تکوینی ہے۔

اختلاف تین قسم پر ہے

(۱) کفر اور اسلام کا اختلاف

(۲) سنت اور بدعت کا اختلاف

(۳) اجتہادی اختلاف

ہمارا سب سے پہلا اختلاف کافروں کے ساتھ ہے، یہ ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ ایمان کی تعریف یہ ہے کہ تمام ضروریات دین کو ماننا۔ضروریات دین ان عقائد کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت ﷺ سے اتنے تواتر سے ثابت ہیں کہ علماء تو علماء عام مسلمان بھی ان کو جانتے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں میں بسنے والے کافر بھی جانتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کی قدرت کو مانتے ہیں قرآن پاک کو آخری کتاب مانتے ہیں، حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں ، وغیرہ۔ایسے عقائد کو ضروریات دین کہا جاتا ہے ان سب کا ماننا ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے یا اس کی باطل تاویل کرنا بھی کفر ہے۔

نقلی دلیل

اس تعریف کے صحیح ہونے کی نقلی دلیل یہ ہے کہ شیطان نے ساری زندگی اطاعت کی لیکن ایک حکم کا انکار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

﴿کان من الکٰفرین﴾.(القرآن).

ایسے ہی مسیلمہ کذاب نے صرف مسئلہ ختم نبوت کا انکار کیا جو ایک حکم تھا تو کافر ہو گیا، اسی طرح منکرین زکوٰۃ نے قرآن کی اس آیت،

﴿خذ من اموالهم صدقة﴾

میں باطل تاویل کی کہ یہ حکم صرف نبی ﷺ کے ساتھ تھا اور کسی کو نہیں۔ لہذا حضور ﷺ کے بعد ہم زکوٰۃ نہیں دیتے۔

عقلی دلیل

رومال کے پاک ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس پر کوئی نجاست نہ ہو لیکن ناپاک ہونے کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ تمام نجاستیں لگی ہوئی ہوں تب ہی ناپاک ہوگا۔ بلکہ ایک قسم سے بھی (یعنی نجاست) ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح مسلمان ہونے کے لئے تمام احکام کو ماننا ضروری ہے، لیکن کافر ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی آدمی تمام احکام کا انکار کرے تب ہی کافر ہوگا، بلکہ صرف ایک حکم سے انکار بھی کفر کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے۔ اور خط مستقیم بھی ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ ٹیڑھے خط کئی ہوتے ہیں۔ یعنی سیدھی حالت ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ تھوڑی سی بھی ٹیڑھی حالت کو مستقیم نہیں کہتے۔ اسی طرح صراط مستقیم میں تمام احکام کو ماننا ضروری ہے اور اس سے تھوڑا سا ہٹنا اور انکار کرنا کفر ہے۔ یعنی اسلام ایک ہی ہے جس طرح خط مستقیم سیدھی حالت صرف ایک ہی ہوتی ہے۔

جسٹس منیر کا واقعہ:

جب قادیانیوں کے خلاف مہم چلی تو سب لوگ کافر کافر کا نعرہ لگاتے تھے۔ ایک جج تھا جس کا نام منیر تھا وہ جس کو پکڑتا تھا اس سے پوچھتا تھا کہ تم قادیانیوں کو کافر کیوں کہتے ہو اس کی کیا وجہ ہے وہ کہتا کہ بس وہ کافر ہیں۔ جب وہ پوچھتا کہ کفر کی تعریف کرو تو وہ خاموش ہو جاتا اسی طرح کئی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد منیر نے اخبار میں بیان دیا کہ ان علماء کو کفر کی تعریف تک نہیں آتی اور کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا ادریس کاندھلویؒ صاحب نے جج سے

کہا کہ آپ مجھے عدالت میں طلب کریں میں آپ کو کفر کی تعریف بتاؤں گا۔ جب ان کو بلایا تو انہوں نے یہی تعریف کی کہ تمام ضروریات دین کو ماننا دین ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار یا باطل تاویل کرنا کفر ہے۔ تو جج نے کہا کہ دوسرے علماء اس کی تعریف کیوں نہیں کر سکتے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا جو چیز جتنی عام ہو جاتی ہے اتنی ہی اس کی تعریف مشکل ہو جاتی ہے۔ تو جج نے کہا کہ وہ کیسے؟۔ حضرتؒ نے فرمایا آپ کو گلاس کی تعریف آتی ہے؟۔ اس نے کہا ہاں۔ تو حضرتؒ نے فرمایا بتاؤ کہ گلاس کسے کہتے ہیں؟۔ اس نے کہا کہ جس میں پانی پیا جاتا ہے۔ تو حضرتؒ نے چلو کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ پانی تو اس سے بھی پیا جاتا ہے، پھر اس نے کہا کہ وہ لمبا ہوتا ہے، تو پھر حضرتؒ نے فرمایا بوتل بھی تو لمبی ہوتی ہے۔ پھر وہ بھی گلاس ہے، اس نے کہا کہ نہیں۔ بہرحال وہ تعریف نہ کر سکا۔ حضرتؒ نے فرمایا میں اخبار میں شائع کر دوں گا کہ ایسے آدمی کو جج بنا دیا گیا ہے جس کو گلاس کا بھی پتا نہیں گلاس کو نہیں جانتا۔ تو اس نے کہا کہ جانتا تو ہوں لیکن تعریف نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی ایک دو مثالیں اور دیں اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہمارے علمائے کرام بھی کفر کو جانتے ہیں لیکن تعریف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جو چیز عام ہو جاتی ہے اس کی تعریف کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔

تاویل باطل کی مثال:

تاویل باطل یہ ہے کہ الفاظ کا ایسا معنی بیان کرنا جو پوری امت کے خلاف ہو۔ مثلاً قادیانی ختم نبوت کی آیت کا انکار تو نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی دیواروں پر لکھتے ہیں کہ پاک محمد مصطفےٰ ﷺ نبیوں کے سردار ہیں اور خاتم النبیین ہیں، مگر معنی یہ کرتے ہیں کہ خاتم مہر کو کہتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک جتنے نبی آئے وہ اللہ نے بنائے، اب اللہ نے وہ مہر حضور ﷺ کو دے دی ہے۔ جس کو چاہیں اس پر مہر لگا دیں (نبی بنا دیں) مرزا قادیانی (علیہ اللعنۃ) نے اپنی کتاب حقیقت الوحی میں لکھا ہے کہ،

میرا ایمان ہے کہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کی روحانی توجہ نبی

تراش تھی۔

تاویل باطل یہی ہے کہ لفظ خاتم النبیین ہے مگر اس کی تاویل باطل کر دی۔

حضرت اوکاڑویؒ کا خواب:

میں نے (حضرت اقدس استاذیم مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑویؒ) خواب دیکھا جو مختصراً اس طرح ہے کہ ایک چوک میں ایک کنواں ہے جس کے چاروں طرف سے گندا پانی نکل رہا ہے، لوگ گندے پانی کی وجہ سے رستے پر چل نہیں سکتے۔ میں اس کنویں میں اترا پانی کالا ہونے کی وجہ سے سوراخ معلوم ہو رہے تھے، اوپر دیکھا تو حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ امین کا ہاتھ پکڑ کر سوراخ پر رکھ دو، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر سوراخ والی جگہ پر رکھ دیا تو وہ پانی فوراً بند ہو گیا۔ میرا تبادلہ ایک علاقے میں ہوا تھا جہاں چار قادیانی درس دیتے تھے ان سے مناظرہ ہوا تو وہ چاروں مان گئے اور مسلمان ہو گئے۔ حضرت لاہوریؒ کے ایک خلیفہ تھے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ پھر میں نے خواب بتایا تو تعبیر بتائی۔

تاویل باطل کی دوسری مثال

نماز پڑھنا فرض ہے اور ضروریات میں سے ہے اگر کوئی نماز کا انکار نہ کرے لیکن اس کی باطل تاویل کرے کہ صلوٰۃ کا معنی **تحریک الصلوین** ہے، یعنی لغوی معنی مراد لے جو پوری امت کے خلاف ہے تو یہ آدمی بھی کافر ہے۔

قطعیات

بعض وہ عقائد ہیں جو ضروریات دین کی طرح اتنے متواتر تو نہیں کہ عوام تک کو اس میں شریک سمجھا جائے لیکن علماء کو وہ قطعی طور پر پہنچ چکے ہیں، ان باتوں کو قطعیات کہا جاتا ہے۔ اس میں لزوم کفر ہوتا ہے، ان باتوں میں سے اگر کوئی کسی بات کا انکار کرے تو پہلے اسے سمجھایا جائے گا

کہ یہ قطعی بات ہے اس کا انکار کفر ہے اگر پھر بھی وہ اس بات کا التزام کرے تو اسے کافر کہا جائے گا۔ اس بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ لزوم کفر نہیں بلکہ التزام کفر کفر ہے۔ یعنی سمجھنے سے پہلے اس بات پر جمنا کفر نہیں لیکن سمجھانے کے باوجود اس بات کو پکڑے رکھنا کفر ہے۔

قطعیت بالوجہ

بعض فرائض ایسے ہیں کہ ایک مجتہد کے ہاں اس کی قطعیت ثابت ہوگئی ہے اور دوسرے مجتہد کے ہاں قطعیت ثابت نہیں ہوئی۔ اس کا کفر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً چوتھائی سر کا مسح کرنا، احناف کے ہاں فرض ہے، لیکن شوافع اس کو نہیں مانتے۔ تو اس طرح کی فرضیت کے انکار کو کفر نہیں کہتے۔ کیونکہ یہ فرضیت بالوجہ ہے نہ کہ من کل الوجوہ ہے۔

سنت اور بدعت کا اختلاف

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بعض عقائد میں اختلاف ہوا ہے جس کی پیش گوئی حضور اقدس ﷺ نے خود فرمائی تھی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا بہتر دوزخی ہوں گے۔ نجات پانے والے کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا

ما انا علیه واصحابی (ترمذی)

هی الجماعة (ابو داؤد)

هم اهل السنة والجماعة

(کتاب الملل والنحل ص ۱ ج ۱)

ان اختلافات میں ہم اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت اور مخالف فرقوں کو اہل بدعت کہتے ہیں۔ البتہ ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ عقائد ضروریات اہل سنت میں سے ہیں۔ نہ کہ ضروریات دین میں سے۔ مثلاً حیات النبی کا عقیدہ۔ تمام ضروریات اہل سنت والجماعت کو ماننا اس سے انسان فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ان ضروریات اہل سنت والجماعت میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا یا اس کی باطل تاویل کرنا انسان کو اہل سنت سے خارج

کر دیتا ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ میں معراج کا قائل ہوں، لیکن ساتھ یہ بھی کہے کہ معراج صرف روحانی مکاشفہ تھا۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر معراج پر نہیں گیا۔ یا کوئی یوں کہے کہ کہ میں قبر کے عذاب وثواب کا قائل ہوں لیکن اس قبر میں ثواب وعقاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح کرامات کا انکار کرنا وغیرہ۔ ایسا شخص اہل سنت میں نہیں رہتا۔

اجتہادی اختلاف

یہ بنیادی اختلاف نہیں ہوتا اس لئے اس کو فروعی اختلاف کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے اور دوسرا تورات پڑھ رہا ہے تو یہ بنیادی اختلاف ہے۔ کیونکہ دونوں کتابیں الگ الگ ہیں۔ لیکن اگر دو آدمی الگ الگ قرأتوں میں قرآن ہی تلاوت کر رہے ہیں تو یہ دونوں قرآن ہی کے قاری ہیں۔ اسی طرح اجتہادی اختلاف والے دونوں اہل سنت ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ایک شخص بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو یہ بنیادی اختلاف ہے۔ لیکن چار آدمی بیت اللہ کی چاروں طرف میں نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ جہت کا اختلاف ہے۔ نماز ہو جائے گی۔ (و لکل وجھة ھو مولیھا) اس کو اختلاف جہت کہتے ہیں۔ جیسے قرآن کی سات قرأتیں متواتر ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے متواتر طریقے بھی چار ہیں جنکو مذاہب اربعہ کہا جاتا ہے۔ یہ اختلاف صحابہ میں بھی تھا اور آئمہ میں رہا ہے۔ اس کو اجتہادی اختلاف کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ عمل چاروں کا مقبول ہے اور مطابق حدیث شریف کے ایک اجر کا تو چاروں کو یقین ہے اور دوسرے اجر کے چاروں امیدوار ہیں۔

ضروری نوٹ

قرآن پاک میں بہت سی آیات آئی ہیں جن میں تفرقے کی برائی کا ذکر ہے، آجکل ان آیات کا بہت غلط استعمال ہو رہا ہے۔ تو ان ساری آیتوں کو لکھ کر یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ تفریق اور اختلاف بری چیز ہے۔ جو آدمی یا جو فرقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا منکر ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کو بیان کر کے

یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ غلط ہیں، اور جو حدیث کا منکر ہے وہ حدیث کے اختلافات کو بیان کر کے حدیث کو غلط کہہ دیتا ہے۔ اور جو آئمہ اربعہؒ کا منکر ہے وہ ان کے اختلافات کو بیان کر کے ان کو غلط کہہ دیتا ہے، اور جو تصوف کا منکر ہے صوفیاءؒ کے اختلافات کو بیان کر کے ان کو غلط کہہ دیتا ہے۔ یہ سب لوگ قرآن کا نام لے کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں بلکہ ﴿**یحرفون الکلم عن مواضعه**﴾ کا مصداق بنتے ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں بھی تفرق کی برائی آئی ہے وہاں ساتھ دین کا لفظ بھی ہوگا یا **بینہ** کا لفظ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ ان آیات کا تعلق یا تو ضروریات دین کے ساتھ ہے یا ضروریات اہل سنت کے ساتھ۔ اجتہادی اختلافات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً۔ ملتان میں قبلہ کے بارے میں پوری وضاحت ہے کہ قبلہ مغرب کی طرف ہے، سینکڑوں مساجد سے یہی نظر آیا ہے اور لاکھوں لوگ محراب بنا رہے ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے باوجودیکہ کوئی بتانے والا ہو تو یہ مردود ہے کیونکہ بتانے والا موجود ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اندھیرے میں نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی بتانے والا نہیں ہے اور وہ تحری کر کے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز مقبول ہے۔ صحابہ کرام ؓ اور صوفیاء عظامؒ اور آئمہ مجتہدینؒ و محدثینؒ کے اختلافات اس نوعیت کے ہیں اس لئے یہاں ان آیات کو منطبق نہیں کیا جا سکتا۔

دین عند اللہ اسلام ہے

اسلام ہی دین حق ہے، اس میں شک نہیں کہ ہر دین والا اپنے دین کو ہی حق کہتا ہے لیکن سب دین یقیناً حق نہیں ہیں۔ دلائل کی روشنی میں صرف دین اسلام ہی حق ہے۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا "جب روس میں خدا کا انکار کرنے والے پیدا ہوئے تو مصر

میں میٹنگ ہوئی کہ اس میں سب دینوں والے اکٹھے ہوں جو کسی نہ کسی نام سے خدا کو مانتے ہیں خواہ اللہ کہہ کر مانتے ہوں، خواہ بھگوان یا God کہہ کر مانتے ہوں خواہ پرمیشور کہہ کر مانتے ہوں یا پرمادحہ کہتے ہوں۔

چنانچہ تمام دینوں کے نمائندے وہاں جمع ہوئے، مقصد یہ تھا کہ سب مل کر خدا کے منکرین کا مقابلہ کریں۔ ایک آدمی نے کہا کہ پہلے ایک آدمی کو صدر مقرر کر لیا جائے تا کہ اس کی اجازت سے بات شروع ہو اور ایک شخص کی بات سب سنیں۔ چنانچہ ایک شخص کو صدر بنا لیا گیا۔ صدر نے کہا کہ میں چند باتیں صاف طور پر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سب لوگ روس کے دہریوں کے خلاف اکٹھے ہوئے ہیں، لیکن تم سب کے دین ہی الگ الگ ہیں تو یہ تمہارا اتحاد کب تک رہے گا؟ آج نہیں تو کل ختم ہو جائے گا۔ اس لئے پہلے آپس میں کیوں نہ سوچ لیں کہ ہمارے دینوں میں سے کون سا دین حق اور سچ ہے۔ اس سلسلہ میں میرے چار اصول ہیں اس پر سب حضرات غور کریں۔

(۱) آپ سب مانتے ہیں کہ ساری دنیا کا خدا ایک ہی ہے اور ساری دنیا والے اس کے بندے ہیں، پہلے زمانہ میں جب وسائل موجود نہ تھے تو ایک نبی کی تعلیمات کا ساری دنیا میں پہنچ جانا مشکل تھا اس لئے ان زمانوں میں تو عقل یہی مانتی ہے کہ مشرق میں ایک نبی اور مغرب میں دوسرا نبی ہوتا کہ سب بندوں کو خدا کے احکام پہنچ سکیں۔ لیکن پریس ریڈیو اور ہوائی جہاز وغیرہ نے ساری دنیا کو ایک شہر کی صورت دے دی ہے اب خبر چند سیکنڈوں میں ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے، اس لئے اب الگ الگ نبیوں کی ضرورت نہیں اب تو چاہئے کہ ساری دنیا کے لوگ ایک ہی شریعت کے مطابق ایک ہی خدا کی بندگی کریں۔ اب اگر امتیوں پر چھوڑی جائے تو ہر امتی یہ کہے گا کہ میرے نبیؑ کی شریعت ساری دنیا میں پھیلے۔ اس لئے بحث ہی لمبی ہوگی اور شاید کوئی نتیجہ بھی نہ نکلے۔ اس لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ پتا چلایا جائے کہ کون سا نبی ایسا ہے کہ جس نے یہ اعلان کیا ہو کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں۔ اس سے سارے یہودی عاجز ہو گئے۔

کیونکہ تورات میں صرف اتنا ہے کہ حضرت موسٰیؑ بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔تو صدر مجلس نے کہا کہ جب خود حضرت موسٰی علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں،اب اگر یہودی یہ چاہیں کہ ساری دنیا موسٰیؑ کی اتباع کرے تو یہ مدعی سست اور گواہ چست والی بات ہوگی۔

اس کے بعد صدر مجلس نے عیسائیوں سے کہا کہ تم ان چاروں انجیلوں میں سے ایک فقرہ ایسا نکال دو کہ جس میں حضرت عیسٰیؑ نے یہ دعوٰی فرمایا ہو کہ مجھے اللہ تعالٰی نے ساری دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے تو عیسائی بھی یہ نہ دکھا سکے، بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ انجیل میں یہ تو ہے کہ ایک عورت حضرت عیسٰیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا اے داؤد علیہ السلام کے فرزند میں بیمار ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالٰی مجھے صحت عطا فرمائیں۔لیکن وہ عورت چونکہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھی تو حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا اے عورت دور ہٹ جا میں بچوں کی روٹی کتوں کو ڈالنے نہیں آیا اور میں اپنی پاک تعلیم کے موتی خنزیروں کے آگے پھینکنے نہیں آیا، میں تو صرف اور صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے علاوہ جتنے عیسائی ہیں وہ سب کتے اور خنزیر ہیں اور وہ بھیڑیں ہیں۔تو اب صدر صاحب نے فرمایا کہ جب عیسٰیؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں تو عیسائیوں کا یہ چاہنا کہ ساری دنیا میں عیسٰیؑ کی تعلیم پھیلے تو اس کی مثال بھی مدعی سست اور گواہ چست والی ہوگی۔الغرض کسی دین والا بھی یہ بات ثابت نہ کرسکا کہ ان کا نبی ساری دنیا کے لئے نبی ہے۔آخر میں

صدر صاحب نے مسلمان عالم سے پوچھا کہ کیا آپ کے نبی ﷺ نے یہ دعوٰی کیا تھا کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں تو اس پر مسلمان عالم نے قرآن ہاتھ میں لیا اور کہا کہ قرآن میں اللہ تعالٰی نے جس طرح اپنے آپ کو رب العلمین فرمایا ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کو بھی رحمۃ للعلمین فرمایا ہے۔تو جس طرح اللہ پاک تمام کائنات کے رب ہیں ایسے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تمام کائنات کے نبی ہیں،اور جس طرح قرآن نے اللہ تعالٰی کے بارے میں رب الناس فرمایا ہے کہ ساری نسل انسانی کا خدا صرف ایک ہے (رب العٰلمین) تو اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے

بارے میں فرمایا کہ کافة للناس بشیراً و نذیراً. تو پھر صدرِ مجلس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ کسی دین والا کھڑا ہو اور اپنے نبی کے بارے میں اپنی الہامی کتاب میں سے یہ دکھا دے کہ انہوں نے یہ دعوٰی کیا ہو کہ میں ساری دنیا کا نبی ہوں۔ لیکن بار بار اعلان کرنے کے باوجود ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی آخر میں صدرِ مجلس نے کھڑے ہو کر کہا کہ معلوم ہوا کہ سارے نبیوں میں صرف ایک ہی نبی ایسے ہیں جنہوں نے عالمگیر نبی ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ اگر ایسے دو نبی مل جاتے تو سلیکشن یا الیکشن کی ضرورت پڑتی لیکن اب سیٹ ہی ایک ہے اور امیدوار بھی ایک ہی ہے تو اب فیصلہ ہو گیا کہ عالمگیر نبی صرف اور صرف ایک ہی ہے اور وہ محمد ﷺ ہیں۔

(۲) صدرِ مجلس نے کہا اب اسلام کے خلاف کسی دین کو لب کشائی کا حق ہی نہیں رہا، لیکن میں بات کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ آج کل کے لوگ اپنے آپ کو بڑے دانشور اور ایجوکیٹڈ کہتے ہیں اور وہ بغیر دلیل کے بات نہیں مانتے۔ نبیوں کے ماننے والے اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرماتے ہیں اور یہی معجزات ان کی دلیل نبوت ہوتی ہیں، اب اگر میں یہ کہوں کہ سب لوگ اپنے اپنے نبیوں کے معجزات سنائیں تو وقت ہی بہت خرچ ہوگا اور فیصلہ بھی مشکل ہوگا، کہ ان معجزات میں سے کس کا معجزہ زیادہ شان والا ہے۔ اس لئے میں یوں نہیں کرتا، میرا سوال یہ ہے کہ کوئی امتی اپنے نبی کا ایسا معجزہ پیش کرے جو آج ہی دنیا کو دکھایا جا سکتا ہو۔ اور آج ہی ساری دنیا اس کے سامنے عاجز ہو۔ تو یہودیوں سے پوچھا گیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کا کوئی معجزہ ایسا دکھاؤ کہ آج ہی دنیا اس کے سامنے عاجز ہو، تو کوئی بھی نہ بول سکا۔ پھر عیسائیوں سے یہی پوچھا گیا، لیکن سب کے سب ایسے ہی بیٹھے تھے کہ جیسے صمٌّ بکمٌ والی آیت ان کے لئے ہی نازل ہوئی ہے۔

آخر ہر طرف خاموشی دیکھ کر مسلمان عالم کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا اس نے کہا کہ میرے نبی ﷺ کا معجزہ آج بھی موجود ہے۔ اور صرف آج تک ہی نہیں بلکہ قیامت تک اس کے مقابلے سے دنیا عاجز رہے گی۔ مسلمان عالم نے فرمایا کہ ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ خدا کا

کام وہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا مل کر وہ کام نہ کر سکے۔ جیسے آنکھ کا بنانا، کہ ساری دنیا مل کر اس آنکھ جیسی آنکھ نہیں بنا سکتی، وغیرہ۔ بالکل یہی پہچان خداوند قدوس کے پاک کلام کی ہے کہ ساری دنیا بلکہ ساری مخلوق مل کر بھی اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔ تو یہاں بھی کوئی حضور ﷺ کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو سکا۔ اور یہ بات سب پر واضح ہوگئی کہ پہلے وہ نبی جس کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے تھے برحق تھے، لیکن آج ان کا کوئی معجزہ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ جس سے پتا چلا کہ ان کی نبوت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ آج اس نبی کی نبوت کا زمانہ ہے جس کی نبوت کا معجزہ قرآن پاک سورج کی طرح ہر جگہ پر سامنے موجود ہے۔ لیکن جس طرح ساری دنیا خدا کے سورج کی طرح سورج بنانے سے عاجز ہے اسی طرح ساری دنیا خدا کے قرآن کی ایک سورت لانے سے عاجز ہے۔ تو یہاں بھی نہ الیکشن کی ضرورت رہی نہ سلیکشن کی۔

(۳) ہم نے وہ پیغمبر تلاش کر لیا کہ جس کا دعوٰی تھا کہ میں عالمگیر نبی ہوں اور اس دعوٰی میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اور وہ ہی ایک نبی ایسا ہے جس کی دلیلِ نبوت آج بھی دنیا میں موجود ہے۔

اب تیسرا سوال یہ ہے کہ جبکہ پیغمبر کو اس لئے مانا کہ ان کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو کون کون سے نبی ہیں جن کی مکمل تعلیمات آج بھی دنیا میں موجود ہوں اور محفوظ ہوں۔ صدر نے پوچھا کہ یہودی تورات کھول کر بتائیں کہ حضرت موسٰی علیہ السلام سجدہ میں کون سی تسبیح پڑھا کرتے تھے، لیکن یہ کہیں مذکور نہیں کہ سجدہ میں کون سی تسبیح پڑھتے تھے۔ عیسائیوں سے کہا گیا کہ آپ اپنی انجیل کھول کر دکھائیں کہ جب عیسٰی علیہ السلام خدا کے سامنے سجدہ کرتے تھے تو کون سی تسبیح پڑھتے تھے؟ لیکن وہ بھی نہ بتا سکے۔ جب کہ ہم تو پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں کہ آج اگر حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام محفوظ ہے تو قرآن ہی کی برکت سے محفوظ ہے ورنہ کتنے نبی گذرے جن کا نام قرآن میں نہیں آیا اور دنیا ان کا نام تک بھول چکی ہے۔ ان انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی فقرہ اصل زبان سے تواتر اور شہرت سے تو کجا خبر واحد سے بھی ثابت نہیں،

بلکہ اس سے بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ان زبانوں کو دنیا میں مردہ کر دیا جن زبانوں میں تورات، انجیل نازل ہوئیں تھیں۔ ان میں سے کوئی زبان بھی آج بطور زندہ زبان کسی ملک میں بولی نہیں جارہی۔ اب خدا کے مارے ہوؤں کو ساری دنیا مل کر زندہ نہیں کر سکتی۔ جب مسلمان عالم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے نبی کی تعلیمات محفوظ ہیں تو اس نے کہا کہ آپ عبادت کی بات کر رہے ہیں ہمارے نبی کی تو آج تک عادات بھی محفوظ ہیں، کہ جوتا پہنتے وقت کونسا جوتا پہلے اور کونسا بعد میں پہنتے۔ اور کھانا کیسے کھاتے، وغیرہ۔ اور مسلمان عالم نے کہا کہ الحمد للہ ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات کا ایک نکتہ بھی ہم سے اوجھل نہیں۔ آپ ﷺ کی ہر بات بلکہ ہر ہر عادت بھی محفوظ ہے۔ پھر انہوں نے نماز کی شرائط وارکان، مستحبات، سنن ایک ایک بات تفصیل سے بتائی۔ اور سارے دینوں والے اپنے نبی کی تعلیمات بتانے سے عاجز رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس ایک نبی کی تابعداری ممکن ہے جن کی تعلیمات محفوظ ہیں اور جن کی تعلیمات محفوظ نہیں ان کی تابعداری ہو ہی نہیں سکتی۔

امام ابو حنیفہؒ نے سنت کو مکمل طریقے سے محفوظ کیا

پھر مسلمان عالم سے پوچھا گیا کہ آپ کے نبی کی تعلیمات کی تشریح اور تفصیل کسی کتاب میں موجود ہے۔ کیا آپ کے نبی ﷺ نے کوئی مکمل کتاب لکھی ہے۔ تو مسلمان عالم نے جواب دیا کہ ہمارے نبی امّی تھے وہ لکھ نہیں سکتے تھے۔ تو پھر پوچھا کہ آپ کے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی جس میں نبی ﷺ کی تعلیمات کی تشریح محفوظ کی ہو، تو مسلمان عالم نے جواب دیا کہ صحابہ ؓ کی زندگیاں تو تبلیغ اور جہاد میں خرچ ہوئیں اس لئے ان کو تو کوئی موقع ہی نہیں ملا کہ وہ کوئی کتاب لکھ دیتے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ پھر کون بزرگ ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کے طریقے اور سنت کو مکمل طور پر مدون کیا، کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا سر آج تمام دینوں کے مقابلے میں بلند ہے۔ تو مسلمان نے کہا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ تو اس بات کو سن کر ایک یہودی رونے لگا۔

ایک یہودی کی حسرت.........کاش؟

اس یہودی نے روتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کاش تو ایک ابوحنیفہ موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بھی پیدا کر دیتا تو ہمیں یہ ذلت اور رسوائی نہ دیکھنا پڑتی۔ یہی بات ایک عیسائی پادری نے بھی کہی۔

صدر مجلس نے کہا کہ رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ضرورت صرف اور صرف محمد ﷺ کی امت میں تھی کیونکہ اس شریعت کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک باقی رکھنا تھا اور پہلی شریعتیں چونکہ ہمیشہ کے لئے آئی ہی نہیں تھیں اس لئے ان میں ابوحنیفہؒ کی ضرورت نہ تھی۔

(۴) اب صدر مجلس نے یہ کہا کہ مسئلہ تو ان تینوں سوالوں سے حل ہو گیا اور واضح ہو گیا۔ لیکن تھوڑا سا خدشہ باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب لوگ ایک نبی پر ایمان لے آتے ہیں جب تک اس نبی کا زمانہ باقی رہتا وہ مومن اور خدا کے فرمانبردار کہلاتے ہیں لیکن اس کے بعد میں جب کوئی دوسرے نبی آجائیں تو اگر یہ ان پر ایمان نہ لائیں تو کافر قرار دیئے جاتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جس نبی پر ایمان لائے ہیں ان کے بعد دوسرا نبی آجائے، ہم اس کو پہچان نہ سکیں اور اس طرح کافر قرار پا جائیں۔ جیسے یہودی اور عیسائی یہ خدشہ ظاہر کرتے ہیں۔ دل سے یہ خدشہ تب ہی نکلتا ہے کہ جب ایسے نبی پر ایمان لایا جائے کہ جس نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ میں خدا کا آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو سب دینوں والے اپنے نبی کا اعلان دکھائیں کہ کیا حضرت موسیٰؑ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں آخری نبی ہوں۔ آخر یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں مبعوث ہوئے لیکن یہ اعلان صرف اور صرف ایک ہی نبی نے کیا۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (الحدیث)

اور کسی نبی نے یہ اعلان نہیں کیا۔ صدر مجلس نے کہا کہ اب اس کے بارے میں کوئی خدشہ باقی نہیں رہا کہ کہ دین حق صرف اور صرف اسلام ہی ہے اور نجات اس میں بند اور منحصر ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا، خاتم النبیین نہیں فرمایا آنحضرت ﷺ کے بارے میں فرمایا!

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین(القرآن)

حضور ﷺ کی شادیاں بھی ہوئیں، اولاد بھی ہوئی، ذکور بھی اناث بھی۔ آپ ﷺ کی صاحبزادیاں جوان بھی ہوئیں شادیاں بھی ہوئیں۔ لیکن آپ ﷺ کا کوئی صاحبزادہ اس عمر کو نہیں پہنچا کہ اس کو رجل کہا جا سکے۔ تو یہاں تمام مردوں سے جسمانی ابوت کی نفی کی گئی۔ پھر حرف لکن جو حرف استدراک ہے لاکر رسول اللہ کے لفظ سے ابوت روحانی کا اثبات کر دیا۔ اب اس بات کو واضح کیا گیا کہ جب آپ ﷺ روحانی باپ ہیں تو آپ ﷺ کی روحانی اولاد یعنی آپ کی امت رسالت اور نبوت میں آپ کی وارث ہوگی یا نہیں؟۔ تو خاتم النبیین کے لفظ سے یہ بتا دیا کہ آپ ﷺ کی امت میں سے کسی کو نبوت کا درجہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمانا

لو کان بعدی نبی لکان عمر (ترمذی)

تو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی بنتے تو یقیناً امتی نبی بنتے، یعنی نبوت کی وراثت کی نفی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ

انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ (بخاری)

حضرت موسیٰؑ صاحب شریعت نبی تھے اور حضرت ھارونؑ ان کے تابع تھے تو دو طرح سے نبی امتی کی نفی کی گئی، ایک تو حضرت علیؓ امتی ہیں پھر ان سے ھارونؑ جیسی نبوت کی نفی کی گئی اصیت امری امر ثابت ہوتا ہے کہ ھارونؑ موسیٰؑ کے تابعدار تھے پھر آپ ﷺ نے یوں فرمایا

سیکون فی امتی ثلثون کذابون (ترمذی باب خاتم النبیین)

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے نبی کہلوانے والوں کو کذاب اور دجال فرمایا ختم نبوت

عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے اور اس بارے میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

حضرت امام ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص مثلاً زید نے دعوٰی نبوت کیا، بکر نے اس کو نبی تو نہیں مانا مگر یہ کہا کہ اگر تو نبی ہے تو معجزہ دکھا۔ تو امام صاحب نے فرمایا یہ دونوں کافر ہیں۔ سائل نے کہا کہ شاید آپ نے بات غور سے نہیں سنی۔ بکر نے نبی اس کو بالکل نہیں مانا تو وہ کیسے کافر ہو گیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا میں نے پوری بات غور سے سن کر جواب دیا ہے۔ اس کا معجزہ مانگنا دلیل ہے کہ وہ ختم نبوت کا قائل نہیں اور جو ختم نبوت کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ (بحوالہ مصر سے چھپنے والا ایک رسالہ)

اہل سنت والجماعت

جس طرح تمام دینوں میں صرف دین اسلام ہی سچا مذہب ہے، اس طرح تمام مسلمان کہلوانے والے فرقوں میں صرف اور صرف اہل سنت والجماعت ہی سچا فرقہ ہے، اور فرقہ ناجیہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پہلی امت بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھی اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا۔

ما انا علیه و اصحابی.

تفسیر قرطبی میں زیر آیت ان ھذا صراطی مستقیماً (الآیۃ) لکھا ہے کہ پہلی امتیں بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھیں، لیکن اس امت میں ایک فرقہ ان سے زائد ہوگا۔ کیونکہ وہاں جب بھی ضرورت ہوتی ایک نبی بھیجا جاتا لیکن حضورﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے مسائل دینیہ کی تفصیل وتشریح کے لئے بعض امتیوں کو قوۃ اجتہادیہ عطا کی گئی۔ اس لئے اس میں ایک گمراہ فرقہ کا اضافہ بھی ہوگا۔ جو مجتہدین کا منکر ہے۔ اہل سنت کی صداقت پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں لیکن اس سلسلہ میں چار باتیں کافی ہو جائیں گی۔

اہل سنت والجماعت کی صداقت پر چار اہم باتیں

(۱) سب مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس کی

حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الآیۃ)

اوراس میں شک نہیں کہ قرآن پاک کی حفاظت سینہ بسینہ اہل سنت سے ہوئی ہے۔سب سے پہلے جامع القرآن حضرت ابوبکرؓ ہیں لیکن اس جمع میں ساتوں لغات ملی جلی تھیں، پھر سیدنا عثمان غنیؓ نے صرف لغت قریش پر قرآن مرتب کروایا اور ہزاروں نسخے پوری دنیا میں پھیلائے اس کے بعد جن سات قاریوں کے ذریعے پوری دنیا میں قرآن پڑھا جارہا ہے وہ بھی ساتوں کے ساتوں اہل سنت والجماعت ہیں۔حضرت علیؓ بھی یہ خدمت سرانجام دے سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت حضرت عثمان غنیؓ سے لی، کیونکہ اگر حضرت علیؓ قرآن جمع فرماتے تو امت میں جھگڑا پڑ جاتا۔سنی کہتے قرآن سنیوں نے جمع کیا ہے،شیعہ کہتے کہ قرآن شیعوں نے جمع کیا ہے۔اب ہم شیعوں سے کہتے ہیں کہ تم کہہ دو کہ حضرت عثمان شیعہ تھے،ہم مان لیں گے کہ واقعی قرآن شیعوں نے جمع کیا ہے۔لیکن شیعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ سنی تھے۔جس سے یہ بات اتفاقی طور پر ثابت ہوگئی کہ جامع القرآن سنی ہیں۔یہ بات بھی یاد رہے کہ جب اہل سنت والجماعت سچے ثابت ہوگئے تو وہ جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی صداقت کے قائل ہیں ایسے ہی حضرت علیؓ کی صداقت کے قائل ہیں۔قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ اہل السنّت والجماعت کے ہاتھوں پورا ہوا جو کہ اہل سنت والجماعت کی صداقت کی قطعی دلیل ہے۔

(۲) بیت المقدس یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور دیوان عام۔اس کی فتح کی پیش گوئی قرآن و سنت میں کی گئی۔سورت انبیاء کے آخر میں جس زمین کی وراثت کا ذکر ہے وہ یہی زمین ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے بھی بیت المقدس کی فتح کی پیش گویاں کیں کہ بیت المقدس حضرت عمرؓ کے ہاتھوں فتح ہوگا۔اس سے جس طرح نبی ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا،اسی طرح فاروق اعظمؓ کی صداقت بھی ظاہر ہوگئی۔اوراس پر اتفاق ہے کہ حضرت عمرؓ اہل سنت والجماعت میں سے ہیں۔تو معلوم

ہوا کہ بیت المقدس کو فتح کرنے والے اہل سنت والجماعت ہیں بیت المقدس پر وارثانہ قبضہ ہمیشہ مسلمانوں کا رہا، اس وقت غاصبانہ قبضہ یہود کا ہے اس کا ذکر بھی احادیث میں موجود ہے۔

(۳) بیت اللہ شریف میں قبل از اسلام تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے لیکن بیت اللہ کی فتح کے بعد یہ آیت نازل ہوگئی،

ان اولیاء هم الا المتقون (الآیة)

الحمدللہ خانہ کعبہ کی تولیت ہمیشہ اہل سنت والجماعت کے پاس رہی اور سب سے زیادہ حنفیوں کے پاس رہی۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عباسی خلافت تقریباً پانچویں صدی تک رہی، اس وقت تک سب قاضی اور مفتی حنفی رہے۔ پھر نو سو سال تک خوارزمیوں کی خلافت رہی یہ بھی سب حنفی تھے، اس کے بعد عثمانی خلافت رہی یہ بھی سب حنفی تھے۔ آج کل سعودی حنبلی ہیں۔ ساتویں صدی سے حرمین شریفین میں چار قاضی مقرر ہوئے تھے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ ساتویں صدی سے حرم پاک میں چار مصلے، قائم ہوئے ۱۳۶۲ھ میں ایک مصلّٰی باقی رہا اور تین مصلّے ڈھا دیئے گئے۔

(۴) رسول اقدس ﷺ کا مزار اقدس مدینہ منورہ میں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہے اللہ تعالٰی تو اپنے حبیب ﷺ کو منافقوں کی مسجد میں بھی نہیں جانے دیتے، اگر سنی منافق ہوتے تو اللہ تعالٰی اپنے پاک نبی ﷺ کو سنیوں کے گھر میں آرام نہ کرنے دیتے۔ ہم کسی سے لڑتے نہیں اور شیعوں کو پہلا حق دیتے ہیں کہ تم کہہ دو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شیعہ تھیں مگر وہ صرف یہی کہتے ہیں کہ عائشہؓ صرف سنیوں کی ماں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ قیامت تک سنیوں کے گھر میں آرام فرما ہیں۔ اور یہ سنیوں کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ پھر آپ ﷺ کے روضہ اقدس کے قریب مزار اور بھی ہیں، مزار عمر فاروقؓ، مزار ابوبکر صدیقؓ۔ تو گویا خدا کے نبی ﷺ تا قیامت سنیوں کے درمیان آرام فرما ہیں اور قیامت کے دن ان سنیوں کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔

ہدایت کی دو بنیادیں

اجتهاد اور تقلید۔

جس طرح سارے حساب کا خلاصہ دو قاعدے ہیں جمع وتفریق۔ضرب کوئی نیا قاعدہ نہیں بلکہ متواتر جمع کو ضرب کہتے ہیں۔تقسیم کوئی مستقل قاعدہ نہیں بلکہ متواتر تفریق کو تقسیم کہتے ہیں۔اسی طرح ہدایت کی دو بنیادیں ہیں۔اجتہاد اور تقلید۔

اللہ رب لم یزل ارشاد فرماتے ہیں

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید.(الآیة)

اس میں دو ہی درجے ہیں یا خود انسان صاحب بصیرت ہو یا صاحب بصیرت کی بات سن کر عمل کرے۔قبر میں فرشتہ جب پٹائی کرے گا تو اس وقت یہ کہے گا **لا دریت ولا تلیت** کہ نہ تو خود مجتہد تھا کہ اجتہادی بصیرت سے کتاب وسنت پر عمل کرتا اور نہ مقلد تھا کہ کہ مجتہد کی اجتہادی بصیرت کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرتا،اس لئے قیامت تک اس کی پٹائی ہوتی رہے گی۔ قبر سے اٹھنے کے بعد ان الفاظ میں اعتراف جرم کریں گے۔

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (الآیة)

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ راہ نجات ان دو ہی میں منحصر ہے یا خود دین کی پوری سمجھ ہو یا سمجھ والوں سے سمجھ کر دین پر عمل کریں۔تیسرا کوئی راستہ نجات کا نہیں۔

صاحب عقل پیشوا ہوتا ہے اور سن کر چلنے والا مقلد اور تابعدار ہوتا ہے تو عقل یہی کہتی ہے کہ ان کا ذکر پہلے ہوتا۔ **لو کنا نعقل او نسمع** چنانچہ اکثریت نجات پانے والوں کی مقلدین کی ہے۔مجتہدین بہت کم ہیں اس لئے اکثریت کے اعتبار سے **نسمع** کو مقدم کیا۔

غیر مقلدین کے اعتراض کا دندان شکن جواب:

عام طور پر غیر مقلدین اس قسم کے سوالات کیا کرتے ہیں کہ قرآن میں دکھاؤ کہ خاص ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔ آپ ان سے پوچھیں کہ پہلا نمبر قرآن کا ہے تو پہلے ساتوں قاریوں کے نام آپ قرآن سے دکھائیں کہ قاری حفص کی قرآت پر قرآن جائز ہے؟۔

دوسرا نمبر حدیث کا ہے اس لئے آپ حدیث میں دکھائیں کہ بخاری **اصح الکتب بعد کتاب اللہ** ہے۔ سنن اربعہ دوسرے درجہ کی کتابیں ہیں، اور حدیث کی باقی کتابیں تیسرے درجہ کی ہیں۔ اصل مسئلہ یوں ہے کہ جس طرح قرآن کریم میں حکم ہے کہ مؤمن نماز پڑھے، لیکن قیامت تک آنے والے مومنوں کا نام درج نہیں۔ اب یہ حکم قرآن سے دکھایا جائے کہ نماز مومن پر فرض ہے اور زید کا مومن ہونا مشاہدہ سے معلوم ہوگا۔ اس لئے یقیناً اس پر نماز فرض ہوگی۔

اسی طرح حصول علم کا حکم قرآن وحدیث میں ہے لیکن کوئی اگر ضد کرے کہ استاد کا نام قرآن سے دکھاؤ تو وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔ جو استاد بھی اسے میسر ہو اس سے علم حاصل کرلے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم پورا کر دیا۔

نماز با جماعت میں امام کی تابعداری کے بارہ میں بہت تاکید آئی ہے اور امام مسجد کی تابعداری کی بجائے مخالفت کرنے والا چھوٹا گدھا اور امام اعظم کی مخالفت کرنے والا بڑا گدھا۔ اور امام کی مخالفت کرنے والے غیر مقلد کو گدھا، کتا، خنزیر تک کہا گیا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہوگا کہ ایک مسجد کے امام کی مخالفت کرنے والا چھوٹا گدھا ہوگا اور امام اعظم کی مخالفت کرنے والا بڑا گدھا ہوگا۔

اب کوئی جماعت کی تاکید پڑھ کر یہ ضد کرے کہ امام کا نام قرآن وحدیث سے دکھاؤ کہ اس کے پیچھے میں نماز پڑھوں۔ بات وہی ہے کہ امام کی تابعداری کا حکم قرآن پاک میں ہے لیکن یہ امام امامت کا اہل ہے یا نہیں یہ مشاہدہ سے معلوم ہوگا۔

اسی طرح بیمار کے لئے حکم ہے کہ وہ علاج کروائے، اسی طرح اگر کوئی ضد کر بیٹھے کہ ڈاکٹر

کا نام جب تک قرآن وحدیث سے نہ دکھاؤ گے تو میں علاج نہ کرواؤں گا۔ یہ حماقت ہے۔اسی طرح قرآن پاک میں حکم خداوندی ہے

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (الآية)

یہاں قرآن پاک نے یہ تفسیر فرمادی کہ کچھ اہل ذکر ہیں جن کو دین خوب یاد ہے،اب نہ جاننے والوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ ان سے سوال کریں کہ یہ حکم قرآن سے ثابت ہے اور آئمہ اربعہ کا مجتہد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے۔اب جس امام کا مذہب جس ملک میں رائج ہوگا اس پر عمل کرنے سے اس آیت پر عمل ہو جائے گا۔ہم بھی غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ آیت تو تم پیش کرتے ہو

اطيعوا الله واطيعوا الرسول

اور کتاب دکھاتے ہو صحیح بخاری حالانکہ چاہیئے تھا کہ وہ صحیح محمدی لاکر دکھائیں۔

تو گویا ہدایت کے دو ہی طریقے ہیں (۱) یا قوت اجتہاد ہو (۲) یا تقلید کا ہار گلے میں پہنے۔

گمراہی کی دو بنیادیں۔

بدعت و الحاد۔

جس طرح ہدایت کی بنیادیں دو ہیں اسی طرح گمراہی کی بھی دو بنیادیں ہیں۔

(۱) بدعت (۲) الحاد

ابن قیم کے الفاظ میں شہوات اور شبہات کو گمراہی کہتے ہیں۔

بدعت۔غیر دین کو دین سمجھنا۔

الحاد۔یہ ہے کہ ثابت شدہ مسائل کا انکار کر دینا۔

بدعت کی مثال

بدعت کی مثال خودرو جڑی بوٹیوں کی ہے۔ جیسے گندم تو زمیندار لے گیا اور بو آیا، لیکن کھیت میں صرف گندم ہی نہیں ہوئی بلکہ کئی خودرو جڑی بوٹیاں بھی اگ آئیں۔ یہ جڑی بوٹیاں ہر علاقے کی الگ الگ ہوتی ہیں۔ جو جڑی بوٹیاں سندھ میں اگتی ہیں پنجاب والے ان کا نام بھی نہیں جانتے، لیکن گندم ہر علاقے میں ایک ہی ہوتی ہے۔ علمائے دیوبند سنت کی فصل کی حفاظت کرتے ہیں اور جڑی بوٹیاں اکھاڑ اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ جب کہ رضا خانی جڑی بوٹیوں کی پوری پوری حفاظت کرتے ہیں سنت کی فصل رہے یا نہ رہے۔

الحاد کی مثال

الحاد کی مثال کیڑوں کی سی ہے جو فصل کو تباہ اور خراب کرتے ہیں۔ کوئی کیڑا پھلوں کو، کوئی ٹہنیوں کو، کوئی جڑوں کو خراب کرتا ہے۔ کسی کیڑے کا نام مودودی ہے، کسی کا نام طاہر القادری ہے، کسی کا نام کیپٹن عثمانی ہے اور کسی کا نام اشاعت التوحید والسنّت ہے۔ یہ لوگ دین کے ثابت شدہ مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ کسی نے فقہ کا انکار کر دیا، کسی نے حدیث کا انکار کر دیا، کسی نے معراج کا انکار کر دیا اور کسی نے حیاۃ النبی ﷺ کا انکار کر دیا۔

علاج

ان دونوں بیماریوں کا علاج فقہ کو ماننا ہے۔ بدعتی سے یہ پوچھو کہ تمہارا یہ عمل اور عقیدہ فقہ کی کتابوں میں ہے؟۔ اگر وہ فقہ کا مفتٰی بہ قول پیش کر دے تو وہ مسئلہ دین کا ہوگا۔ اور اگر فقہ سے نہ دکھا سکے اور کہے کہ قرآن سے یہ مسئلہ ثابت ہے تو یقین کریں کہ وہ قرآن کا نام لے کر جھوٹ بول رہا ہے۔ اور اگر وہ بدعت کی تائید کے لئے حدیث پیش کرے تو یقین کریں کہ وہ دھوکا دے رہا ہے، کیونکہ قرآن وسنت کی وہ تشریح قبول ہے جو مجتہدین سے ہوگی۔

مثال

اسی طرح ملحد جس مسئلہ کا انکار کر رہا ہے، فقہ میں نظر دوڑائیں اگر فقہاء نے اس مسئلہ کو قرآن سے ثابت کیا ہے تو وہ قرآن کے مسئلہ کا انکار کر رہا ہے۔ اگر فقہاء نے اس مسئلہ کو سنت سے ثابت کیا ہے تو وہ سنت کا انکار کر رہا ہے۔ اگر فقہاء نے اس کو اجماع سے ثابت کیا ہے تو وہ اجماع کا انکار کر رہا ہے۔ اور اگر اس کو قیاس سے ثابت کیا ہے تو وہ قیاس کا انکار کر رہا ہے۔

بدعت کا علاج ثانی

آپ بریلوی سے پوچھیں کہ نماز کی آخری التحیات میں جو درود پڑھا جاتا ہے اس کا فقہ حنفی میں کیا حکم ہے وہ فوراً بتائے گا کہ سنت ہے۔ آپ فقہ حنفی کی دو کتابیں پوچھیں گے وہ ستر دکھائے گا۔ پھر پوچھیں کہ ہم جو کھڑے ہو کر جنازہ میں درود پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟۔ وہ فوراً سنت کہے گا اور فقہ حنفی سے اس کا حوالہ دکھائے گا۔

اب پوچھیں کہ آذان سے قبل جو درود پڑھا جاتا ہے اس کا فقہ حنفی میں کیا حکم ہے۔ اب وہ فقہ حنفی کی طرف نہیں آئے گا کبھی قرآن پڑھ کر سنائے گا اور کبھی حدیث میں فضائل سنائے گا جس سے پتا چلا کہ اگر یہ مسئلہ قرآن وسنت میں ہوتا تو فقہاء کرام کی نظر سے نہ چھپتا۔ پتا چلا کہ یہ قرآن و حدیث پر جھوٹ بول کر لوگوں کے ذہن خراب کر رہا ہے۔

ہمارا مکمل تعارف

اہل سنت والجماعت کے چار ہی مذہب ہیں۔ حنبلی، مالکی، شافعی، حنفی۔ ہمارا مکمل تعارف اہل سنت والجماعت حنفی ہے۔ اہل سنت میں نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے جن سے دین کی تکمیل نصیب ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (الآیۃ)

والجماعت میں ہماری نسبت صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کی طرف ہے جن کے ذریعے سے دین کو تمکین اور مضبوطی حاصل ہوئی۔ جو کہتا ہے کہ صحابہ ؓ نے نبی ﷺ کا دین بدلا ہے وہ بڑا رافضی ہے اور جو کہتا ہے کہ آئمہ نے نبی ﷺ کا دین بدلا ہے وہ چھوٹا رافضی ہے۔ اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں اپنے امام کی طرف نسبت ہے۔ جن کے ذریعے دین کی تدوین حاصل ہوئی۔ یہ ہمارا نام ہے اور مکمل تعارف ہے۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت چار دلائل کو مانتے ہیں۔ لفظ سنت میں دو چیزیں آ گئیں (۱) علم قرآن (۲) نمونہ رسول ﷺ۔ اور **والجماعت** میں اجماع آ گیا۔ حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی میں قیاس آ گیا۔ ہمارا یہ نام ہماری متصل سند بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے نبی ﷺ کی سنت کا مشاہدہ کیا اور مشاہدہ سے سنت لی اور ہمارے امام ابو حنیفہؒ نے صحابہ ؓ کی زیارت کی۔

غیر مقلدین کی مثال منسوخ نوٹ کی سی ہے۔ بریلویوں کی مثال جعلی نوٹ کی ہے۔ چالو نوٹ اور رائج نوٹ کی مثال اہل سنت والجماعت حنفی دیوبندی ہیں۔

اہل سنت کی مثال لوکل روڈ کی سی ہے اور والجماعت کی مثال جی ٹی روڈ کی ہے۔ اور منزل مقصود محمدی ایک ہی ہے۔ سب کا شہر ایک ہی ہے۔ آگے اپنے اپنے علاقے اور بستی میں جانے کے لوکل روڈ ہیں اور پھر وہ لوکل روڈ جی ٹی روڈ پر مل جاتے ہیں۔ اور پھر جی ٹی روڈ سیدھا منزل مقصود ایک شہر (سنت محمدی) تک پہنچ جاتا ہے۔

دائرہ اجتہاد و تقلید۔

تقلید چونکہ اجتہادی مسائل سے ہے اس اجتہاد کے دائرہ کا پتا چلنے سے تقلید کی ضرورت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ رسول اقدس ﷺ نے ۹ ھجری میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرمایا تو پوچھا کہ اے معاذ ؓ تم فیصلہ کس طرح کرو گے؟۔ انہوں نے عرض کیا بکتاب اللہ آپ ﷺ نے فرمایا **فان لم تجد فیه** عرض کیا **بسنة رسول الله** فرمایا **فان لم تجد فیه** عرض کیا **اجتهد برأئی** تو آپ ﷺ نے فرمایا

الحمدلله الذی وفق رسول رسول الله بما یرضٰی به رسول الله (ابو داؤد، ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ اور حکم کتاب وسنت میں صراحةً نہ ملے وہاں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کی وضاحت یوں ہے کہ مسائل فرعیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)منصوصہ۔ (۲)غیر منصوصہ۔

پھر منصوصہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)متعارضہ (۲)غیر متعارضہ۔

پھر غیر متعارضہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)محکمہ (۲)محتملہ۔

(۱) مسائل منصوصہ غیر متعارضہ محکمہ میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ ہی تقلید کی ضرورت ہے۔مثال۔جیسے پانچوں نمازوں کی فرضیت،نصاب زکوٰۃ وغیرہ۔

(۲) مسائل منصوصہ متعارضہ میں رفع تعارض کر کے مجتہد راجح نص پر عمل کرتا ہے اور مقلد بھی اس کی راہنمائی میں راجح نص پر عمل کرتا ہے۔

مثال

ترک قرأت خلف الامام،ترک رفع یدین وغیرہ۔

(۳) مسائل منصوصہ محتملہ میں مجتہد اپنے اجتہاد سے راجح احتمال کی تلاش کرتا ہے اور اس نص کے راجح احتمال پر عمل کرتا ہے۔اور مقلد بھی اس کی راہنمائی میں اس نص کے راجح احتمال پر عمل کرتا ہے۔

مثال

احکام فرض،سنت،واجب وغیرہ۔

(۴) مسائل غیر منصوصہ میں مجتہد منصوص مسائل میں کوئی علت تلاش کرتا ہے وہ ہی علت

جن غیر منصوص مسائل میں پائی جائے وہی حکم اس میں جاری کر دیتا ہے۔اور مقلد مجتہد کی راہنمائی میں اسی حکم پر عمل کرتا ہے،جس کی بنیاد کتاب وسنت کی علت پر رکھی گئی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد اپنے اجتہاد کی بصیرت سے کتاب وسنت کے منصوص اور علت سے ثابت شدہ مسائل پر عمل کرتا ہےاور مقلد بھی اس کی راہنمائی میں کتاب وسنت ہی کے مسائل پر عمل کرتا ہے۔اس لئے ان اجتہادی مسائل میں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور جو اجتہاد کی اہلیت نہ رکھے اس پر تقلید واجب ہے۔اس لئے اس کو مقلد کہتے ہیں۔اور جو نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھےاور نہ کسی مجتہد کی تقلید کرے اسے غیر مقلد کہتے ہیں،اوراس پر تعزیر واجب ہے۔

سوالات مع جوابات

سوال۔تقلید کن مسائل میں ہے؟۔

جواب۔مسائل اجتہادیہ میں۔

سوال۔تقلید کون کرے؟۔

جواب۔غیر مجتہد۔

سوال۔تقلید کس کی کرے؟۔

جواب۔مجتہد کی۔

ایسے مجتہد کی تقلید کرنی چاہئے جس کے اصول وفروع مکمل مدوّن ہوں اور متواتر ہوں۔ جس طرح ساتوں قرأتیں۔

طائفہ منصورہ کی نشانیاں

طائفہ منصورہ کی تین نشانیاں ہیں۔

(۱)ہمیشہ رہنا۔ (۲)فقہ نافذ کرنا۔ (۳)جہاد کرنا۔

یہ تینوں نشانیاں غیر مقلدین میں مفقود ہیں۔

تقلید کی تعریف۔

اتباع الرجل غیرہ فیما سمعه بقول او فی فعله علٰی زعم انه محقق بلا نظر فی الدلیل فکان المقلد جعل قول الغیر او فعله قلادة فی عنقه و کذا فی شرح مختصر المنار. (نورالانوار ص ۲۲۰، حاشیه نمبر ۱۸)

تقلیداور اتباع میں کوئی فرق نہیں

تقلید کی تعریف جو(نورالانوار کے حوالے سے مذکور ہوئی) لفظ اتباع ہی سے شروع ہوتی ہے۔مجتہد کی تابعداری کو تقلید کہنا یہ عرف ہے۔قرآن میں حکم ہے **وأمر بالعرف**. لغت میں تقلید اتباع، پیروی سب ہم معنٰی ہیں۔

ضرورت تقلید

سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ مخاطب کو احساس دلایا جائے کہ تقلید کتنی ضروری ہے۔اس کے بغیر نہ تو نماز پڑھ سکتا ہے نہ کسی حدیث کو مان سکتا ہے کیونکہ حدیث کو ماننے میں تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱) راویوں کا ثقہ اورضعیف ہونا معلوم ہو،اس میں ہم بالکل امتیوں کے محتاج ہیں۔ کیونکہ کسی ایک راوی کو بھی اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے ثقہ یا ضعیف نہیں کہا ہے۔

(۲) مراد حدیث، کہ اس حدیث میں جو قول یا فعل ذکر ہے وہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے۔ان احکام میں بھی ہم مجتہدین کے محتاج ہیں۔

(۳) اگر احادیث میں تعارض آجائے تو اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے ہم مجتہد کے مقلد ہیں، یہ ایک مغالطہ ہے کہ کتاب وسنت میں تمام احکام موجود ہیں اتنی بات تو صحیح ہے کہ تمام مسائل ہیں، لیکن بعض تفصیلاً اور اکثر تعلیلاً ہیں۔مثلاً کتے کا جھوٹا ناپاک ہے یہ صراحۃً مذکور ہے۔

لیکن گیدڑ چیتا، لومڑی شیر وغیرہ کے بارے میں کوئی نص نہیں البتہ اس حدیث سے ایک علت تلاش کر لی گئی وہ علت سبعیت ہے (درندگی)۔ اب تمام درندوں کا حکم اس علت سے ثابت ہوگیا۔ مکھی اگر پینے کی چیز میں گر جائے تو اس کا حکم صریح نص میں موجود ہے۔ لیکن مجتہد نے اس حدیث سے ایک علت بھی تلاش کر لی کہ ہر وہ جانور جس کی رگوں میں دم مسفوح یعنی دوڑنے والا خون نہیں ہے اس کا حکم مکھی جیسا ہی ہے۔ اس علت سے چیونٹی، جگنو، مچھر وغیرہ کا حکم معلوم ہوگیا۔ علت کا اخراج ہر آدمی کے بس کی بات نہیں۔ جو علت کا استنباط کر سکتا ہے اس کو مجتہد کہتے ہیں اور جو خود اجتہاد نہیں کر سکتا وہ اس مجتہد کی راہنمائی میں کتاب وسنت کے اس حکم پر عمل کرتا ہے جو مجتہد نے علت کے ذریعے تلاش کیا۔

آج کل اکثر مسلمان ایسے ہیں کہ ان سے اگر کوئی کافر اسلام کی صداقت کے دلائل پوچھے تو وہ نہیں بتا سکتے۔ اور وہ محض تقلیدی طور پر مسلمان ہیں۔ اکثر نام نہاد اہل حدیث بھی ایسے ہی ہیں تو اگر تقلید شرک ہے تو وہ اہل حدیث ہو کر بھی مشرک ہی رہے۔

آیات اتباع

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰبا ء نا اولو کان اٰباء ھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون

(آیت نمبر ۱۷۰ البقرہ)

واذا قیل لھم تعالوا الٰی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰباء نا او لو کان اٰباء ھم لا یعلمون شیئاً و لایھتدون.

(المائدہ آیت نمبر ۱۰۴)

ان آیات میں ان کے بے علم بے عقل اور بے ہدایت ہونے کی وجہ سے ان کی پیروی سے روکا گیا ہے جبکہ مجتہدین ایسے نہیں۔ تشبیہ تب ثابت ہوگی کہ جب مجتہدین کو ایسا ثابت کرو۔

خدا تعالٰی کی اتباع

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء قلیلاً ما تذکرون.

(الاعراف، آیت نمبر ۲۰)

یہاں اللہ تعالٰی کا اتباع کا حکم ہے اور بغیر مطالبہ دلیل ہے۔

رسول ﷺ کی اتباع

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله.

(ال عمران آیت نمبر ۳۱)

یہاں نبی ﷺ کی اتباع کا حکم بھی بلا مطالبہ دلیل ہے۔

اجماع کی اتباع

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدٰی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّٰی و نصله جهنم و سائت مصیراً.

(نساء آیت نمبر ۱۱۵)

اس میں اجماع کے منکر کو جہنمی کہا ہے اہل حدیث نہیں۔

منیب الی اللہ کی اتباع

واتبع سبیل من اناب الیّ.

(سورۃ لقمان، آیت نمبر ۱۵)

منیب کا معنی ہے رجوع کرنے والا۔ مجتہد بھی غیر منصوص جزئی کو لے کر منصوصہ جزئی کی طرف رجوع کرتا ہے، اس لئے اس کی اتباع کا حکم ہے۔

تابعی مجتہد ہو

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه.

(توبہ آیت نمبر ۱۰۰)

تقلید کا فائدہ

والذين اٰمنوا واتبعتهم زريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم وما التناهم من عملهم من شیء.

(الطّور آیت ۲۱)

ذریت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ذریت ولادۃ (۲) ذریت استفادہ۔

کن کی تقلید ممنوع ہے

تقلید آباء۔

واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا عليه آبائنا ولو كان آبائهم لا يعقلون شيئاً ولا يهتدون.

واذا قيل لهم تعالوا الٰى ما انزل الله والٰى الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا عليه آباء نا.

ان آیات کے اندر جن آباء کی تقلید سے روکا گیا ہے تو ان کی وجہ باپ ہونا نہیں ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام اس بات پر فخر نہ کرتے۔

واتبعت ملة آبائی ابراهيم واسحٰق و يعقوب.

خلاصہ ان کا یہ نکلا کہ اگر آباء اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا رستہ بتانے والے ہوں تو ان کی

تقلید واجب ہے اور اگر آباء اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ہٹانے والے ہوں تو ان کی تقلید حرام ہے۔

یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی تقلید سے روکا ہے وہاں یہ قید لگائی ہے کہ وہ باپ دادا بے دین ہوں تو بے دینی میں ان کی تقلید نہ کرو۔ بے عقل ہوں تو بے عقلی میں ان کی تقلید نہ کرو۔ ان آیات کو آئمہ اربعہ کی تقلید میں پیش کرنا گویا آئمہ اربعہ کو گمراہ بے عقل اور جاہل ماننا ہے۔

ایک لاجواب مثال

اس قید کی مثال یوں ہے جیسے زید کہتا ہے کہ جھوٹے خدا کو نہ مانو، یا جھوٹے نبی کو نہ مانوا۔ تو اس میں نہ ماننے کا حکم جھوٹ پر ہے نہ کہ خدا اور نبی ہونے پر۔ اگر کوئی شخص آگے یوں نقل کرے کہ زید کہتا ہے کہ خدا اور نبی کو نہ مانو تو اس نے بہت بڑا دھوکہ دیا کہ نہ ماننے کا حکم خدا اور نبی کی طرف پھیر دیا۔

غیر مقلدین کی مثال:

غیر مقلدین قرآن کی آدھی آیت پڑھتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی **لا تقربوا الصلوٰۃ** پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ نماز کے قریب بھی جانا منع ہے۔ اسی طرح کسی سے ایک آدمی نے دریافت کیا کہ قرآن پاک میں تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ بہت سے احکام ہیں تجھے قرآن میں سب سے زیادہ پیارا کونسا ہے۔ تو کہا **کلوا واشربوا** اس نے کہا کہ آگے **ولا تسرفوا** بھی ہے۔ تو غصہ میں کہنے لگا کہ سارے قرآن پر تیرا باپ بھی عمل نہیں کرسکتا۔

نوٹ

غیر مقلدین جب خود تقلید کا رد کرنا چاہتے ہیں تو اتباع کا معنی تقلید کر لیتے ہیں، اور جب ہم آیت اتباع پیش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تقلید یہ ہے کہ کسی کی بات کو بے دلیل ماننا اور اتباع

کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی بات ماننا۔ یہ ان کا دھوکہ ہے۔ ابوجہل کہتا تھا بل نتبع ما وجدنا اٰباء نا. تو کیا ابوجہل کے باپ دادا قرآن اور بخاری سناتے تھے؟۔ واتبعوا امر فرعون تو کیا فرعون قرآن وحدیث سناتا تھا؟۔ واتبعوا الشھوات. تو کیا شہوات کسی قرآن کی سورۃ کا نام ہے؟، یا بخاری کا کوئی باب ہے؟۔ قرآن میں ہے ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن یہ قرآن میں چار جگہ ہے۔۲۰۸-۲، ۱۴۲-۶، ۱۲۱-۲۴، یتبعون اھوائھم ۵۰-۲۸، ان یتبعون الا الظن ۔ ۱۱۶-۶، ۶۶-۱۰، ۲۳-۵۳، ۲۷-۵۳۔

نوٹ

قرآن میں اہل کتاب کا لفظ تین جگہ آیا ہے، اہل نار کا ۶۴ دفعہ آیا ہے لیکن اہل حدیث کا ایک دفعہ بھی نہیں آیا۔

آیات اطاعت

یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ.

جلالین ص ۷۹ کے حاشیہ پر اور تفسیر کبیر نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں چاروں دلیلوں کا ذکر ہے۔ اطیعو اللہ میں کتاب اللہ آئی، اطیعوا الرسول میں سنت رسول آئی، اور اولی الامر میں اجماع، فان تنازعتم میں قیاس۔

اولی الامر کی تشریح

اولی الامر کی تشریح خود اللہ رب ذوالمنن نے الذین یستنبطون میں کی ہے۔ فان تنازعتم میں اولی الامر کے اختلاف اور تنازع کا ذکر آ گیا ہے۔ یقیناً مجتہدین جو مسائل استنباط کریں گے تو یقیناً کسی پر تو سب کا اتفاق ہوگا۔ اس کو اجماع کہتے ہیں اگر اجماع نہ ہوا، ہر ایک نے الگ الگ علت سے کتاب وسنت کی غیر منصوص مسئلے کو رد کیا اس کو

قیاس کہا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ قیاس نہیں کرتے وہ اولی الامر یعنی مجتہد کی تقلید کریں گے۔ اولی الامر اسم جنس ہے۔ جس کا اطلاق سب پر بھی ہوتا ہے اور ایک پر بھی ہوتا ہے۔ اب ایک مسئلہ سارے مجتہدین سے پوچھنا یہ ویسے ہی محالات میں سے ہے۔ اس لئے عمل تقلید شخصی پر ہی ہوگا۔

اولی الامر حاکم کو بھی کہتے ہیں اور حاکم ہر علاقے میں ایک ہی ہوتا ہے، تو ہر علاقے والے اپنے حاکم کی ہی اطاعت کرتے ہیں، نہ یہ کہ ملتان کے رہنے والے جدہ کے ڈی۔سی کی اطاعت کریں۔ جب مجتہد حاکم ہے تو مقلدین رعایا قرار پائے گی اور غیر مقلدین باغی۔

دور نبوت میں حاکم کون؟

دور نبوت میں حاکم اسی کو بنایا جاتا تھا جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو وہ خود ہی مسئلے کا استنباط کرتا تھا، اور خود ہی اس کو نافذ کرتا تھا۔ جب حکومت غیر مجتہدین کے ہاتھوں میں چلی گئی تو اب استنباط میں اولی الامر مجتہد کہلایا اور نفاذ میں حاکم۔ تو چونکہ اصل مسئلہ حاکم مجتہد کا محتاج نکلا تو گویا اس مسئلے میں حاکم کا بھی اولی الامر نکلا۔ اور قاعدہ **المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل** سے کامل الامر مجتہد ہوگا البتہ قوت نافذہ کی وجہ سے حاکم بھی اولی الامر کہلائے گا۔ جب تک وہ مجتہد کے تابع رہے گا۔

نوٹ

ہر وہ شخص جو مجتہد ہونے کا دعوٰی کردے اس کو مجتہد نہیں مانا جائے گا۔ ہاں اگر اس کا مجتہد ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ جیسے آئمہ اربعہ کا مجتہد ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ تو ان کو مجتہد مانا جائے گا۔ اور جس علاقہ میں جس امام کا مذہب متواتر ہوگا اسی پر عمل کیا جائے گا۔

یاد رہے

جس طرح آئمہ اربعہ کے مجتہد ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، اسی طرح مودودی، ڈاکٹر اسرار، امین اصلاحی کے ملحد ہونے پر بھی اہل علم حضرات کا اتفاق ہے۔ **اولو الامر** ماتحت احکام

کو کہتے ہیں اور ماتحت احکام حاکموں کے احکام ان کے ذاتی احکام نہیں ہوتے بلکہ قانون سے مستنبط ہوتے ہیں۔

مثال

چاروں دلیلوں کی مثال یوں سمجھیں جیسے ہمارے ملک میں ایک آئین ہے جس کو متن قانون کہتے ہی، اس طرح کا آئین قرآن ہے۔ اور سنت کی حیثیت ایسی ہے کہ قانون ساز اسمبلی خود آئین کے کسی اجمال کی تشریح کر دے تو اس کے خلاف کسی اور کی تشریح نہیں سنی جائے گی۔ اس لئے قرآن کی جو تشریح سنت میں آجائے گی اس کے خلاف کبھی کسی کی بات نہیں سنی جائے گی۔ آئمہ اربعہ کی حیثیت قانون ساز کی نہیں کیونکہ قانون ساز ادارہ قومی اسمبلی ہے۔ البتہ مجتہد کی حیثیت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی طرح ہوتی ہے، اس کو ملک کے آئین کا اتنا ماہر سمجھا جاتا ہے کہ وہ جو قانون کی تشریح کرے اس کو قانون سمجھا جائے گا۔ اور قانونی کتابوں P.L.D اور جتنے ماتحت جج ہوتے ہیں وہ اپنے فیصلوں میں .P.L.D کے پابند ہوتے ہیں۔ اسی طرح آئمہ اربعہ کے فیصلوں کو امت نے محفوظ کرلیا ہے۔ مفتی حضرات ماتحت ججوں کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے وہ کذا فی الدر مختار و کذا قال ابو حنیفه وغیرہ کے حوالوں سے فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اگر چیف جسٹس حضرات کا فل بنچ بیٹھ جائے اور کسی تشریح پر ان کا اتفاق ہوجائے تو ملکی اصطلاح میں اس کو سپریم کورٹ کا فیصلہ کہتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اجماع امت کا فیصلہ۔ غیر مقلدین کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی توہین عدالت کا مرتکب ہو، کبھی ہائی کورٹ کی توہین کرے اور کبھی سپریم کورٹ کی۔

نوٹ۔ ارشاد حضرت شاہ ولی اللہؒ

حضرت شاہ ولی اللہؒ عقد الجید میں فرماتے ہیں کہ جو قیاس شرعی کا منکر ہو وہ اسلامی حکومت میں نہ قاضی بن سکتا ہے نہ گواہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کا ووٹ کینسل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حرمین شریفین کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک بھی قاضی غیر مقلد نہیں بنا، بلکہ چودہ سو سالہ تاریخ سے کسی غیر مقلد کا قاضی اور گواہ ہونا تو کجا کوئی یہ بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ فلاں سال فلاں وقت میں مکے یا مدینے کا خاکروب غیر مقلد تھا۔

کن کی اطاعت ممنوع ہے

ان اللہ لعن الکٰفرین و اعد لھم سعیراً خالدین فیھا ابداً لا یجزون ولیاً و لا نصیراً ، یو م تقلب وجوھھم فی النار. یقولون یلیتنا اطعنا سادتنا و کبراء نا فا ضلونا السبیلا. ۳۳. ۶۴ تا ۶۸ .

اقسام الناس۔

قرآن نے لوگوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

لوگوں کی قسم اول۔

ایک وہ جن کو کبھی **اھل ذکر** فرمایا کبھی **اولوا الالباب** فرمایا اور کبھی **اولوا الابصار** فرمایا، کبھی فقہاء اور کبھی **اھل استنباط** فرمایا اور کبھی **راسخون فی العلم** کا لقب ان کو دیا۔ اور فرمایا **فاعتبروا یا اولی الابصار.** اے بصیرت والو تم قیاس کیا کرو۔ علامہ سیوطی نے الاقلیل میں عبرت کا معنی قیاس تحریر فرمایا ہے۔ **الاعتبار ھو القیاس.** صحیح بخاری کے حاشیہ پر بھی یہ ہی لکھا ہے۔ **باب من شبّہ.** تو ان حضرات کو جس طرح نماز روزہ کا حکم ہے اسی طرح ان کو اعتبار (قیاس) کرنے کا بھی حکم ہے۔ نورالانوار میں قیاس کی دلیل **فاعتبروا یا اولی الابصار** ذکر فرمائی ہے۔

لوگوں کی قسم ثانی۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود قیاس نہیں کر سکتے ان کو حکم دیا

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، ان ہی لوگوں کو مقلدین کہا جاتا ہے۔

قسم ثالث۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہیں اور نہ ہی تقلید کرتے ہیں، ان کے بارہ میں یہ فرمایا کہ

صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون.

اولٰئک کالانعام بل ھم اضل.

حکم کے بارہ میں قرآن پاک میں مختلف درجے ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں حکم کے بارے میں مختلف درجے ہیں۔ **ان الحکم الاّ للّٰہ** ۔اس سے کتاب اللہ مراد ہے۔ **فلا وربک لا یؤمنون ...... الخ.** یہاں سے سنت مراد ہے۔ **انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدیً وّ نور ...... والربانیون.** بخاری شریف ص ١٦۔پر ابن عباس سے مروی ہے **الربانی ھو الفقیہ.** اگر جمیع ربانیین کا اتفاق ہو جائے تو اس کو اجماع کہتے ہیں، اور اگر الگ الگ رائے ہو تو اس کو قیاس کہتے ہیں۔اسی طرح حدیث میں آیا ہے **العلم ثلاثۃٌ.** مشکوٰۃ، ترمذی، ابن ماجہ، وغیرہ میں ہے **آیۃٌ محکمۃٌ ، سنۃٌ قائمۃٌ وفریضۃٌ عادلۃٌ.** فریضہ عادلہ مجتہدین کے فتاوٰی ہیں اگر اتفاق ہو جائے تو اجماع ورنہ قیاس۔

اقسام المسائل

کتاب وسنت کامل ہے اس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے لیکن بعض مسائل تنصیصاً ہیں یعنی نص سے ثابت ہیں عبارت اور ترجمہ میں مذکور ہیں اور اکثر مسائل تعلیلاً ہیں۔یعنی عبارت

اور ترجمہ میں مذکور نہیں ہیں۔اب ان علتوں کا استخراج ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ جو علت استخراج کرسکتا ہے اس کو مجتہد کہتے ہیں اور اس علت سے جو مسائل نکلیں ان پر عمل کرنے سے مقلد بن جاتا ہے۔

ہم منصوص مسائل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محتاج ہیں اور تابعدار ہیں۔اور اجتہادی مسائل میں جو علتوں کے استنباط سے ظاہر ہوں ان میں مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسائل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) منصوص (۲) مجتہد فیہ۔

منصوص میں رسول ﷺ کی طرف رجوع ہے اس لئے ہم سنّی کہلاتے ہیں اور مجتہد فیہ مسائل میں ہم اہل اجتہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں اس لئے ان مسائل میں ہم حنفی کہلاتے ہیں۔منصوص مسائل میں رجوع نبیوں کی طرف ہے اور مجتہد فیہ میں ربانیین کی طرف۔قرآن پاک نے لوگوں کی تقسیم فرمادی کچھ فقہاء ہیں اور کچھ غیر فقہاء ہیں۔قرآن وسنت کے سمجھنے میں فقیہ کا فہم حجت ہے سفیہ یعنی غیر مقلد کا فہم حجت نہیں ہے۔انہیں فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

یحیٰ بن معین دس لاکھ احادیث کے حافظ تھے اور حنفی تھے غیر مقلد نہیں تھے امام محمد کے شاگرد تھے، اور امام بخاری کے استاد تھے۔غیر مقلد ایسے بے غیرت ہیں کہ بخاری، بخاری تو کہتے ہیں لیکن بخاری کے استاد کو نہیں مانتے جو اپنے دادا کو نہ مانے وہ حرام زادہ ہوتا ہے۔

فلولا نفر من کل فرقة

سورۃ توبہ بڑی سورتوں میں سے ہے، قرآن کے نزول کے اعتبار سے بڑی سورۃ اور آخری سورۃ ہے۔اب قرآن پاک کی تکمیل ہو رہی ہے صحابہ کرامؓ حضرت ﷺ سے قرآن سمجھ رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ حضرت ﷺ سے دور رہتے ہیں یا حضرت ﷺ کے بعد قیامت تک آئیں گے ان کو کتاب وسنت کون سمجھائے گا۔اس بارہ میں یہ

آیت نازل ہوئی کہ کتاب وسنت میں فہم فقیہ حجت ہے۔زیادہ سے زیادہ یہی شبہ ہوسکتا ہے کہ فقیہ کتنا بھی بڑا ہوجائے مگر وہ معصوم تو نہیں ہوسکتا،اس کا جواب بھی ارشاد فرمادیا گیا۔کہ مجتہد ثواب کو پہنچے تو دو اجر اور اگر خطا بھی ہوجائے تو پھر بھی وہ مطعون نہیں ہوتا بلکہ ماٗ جور ہی ہوتا ہے۔اور اسے ایک اجر ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بہت سی صفات سے نوازا لیکن بنیادی صفات دو ہی تھیں،باقی سب صفات ان کے پھل اور پھول تھے بنیادی صفت بشیر و نذیر ہونا ہی ہے۔اب نبوت تو ختم ہوچکی لیکن صفت نذیر میں نبیوں کے وارث فقہاء ہیں جس کا ذکر **لینذروا قوماً** میں آیا ہے۔

ارشاد سرخسیؒ۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

الحمدللہ الذی جعل ولایۃ الانزال للفقھاء بعد الانبیاء.

اور فقہاء ذرہ ذرہ بات سے ڈراتے ہیں کہ یہ حرام ہے یہ واجب ہے اس کا ترک فرض کا ترک ہے۔

اور صفت بشیر میں انبیاء کے وارث صوفیاء کرام ہیں۔سورۃ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون. الذین آمنوا و کانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ. .... الأخ.

اور حضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ نبوت میں سے اب کچھ بھی نہیں بچا سوائے مبشرات کے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت اللہ کے نبی ﷺ کی مکمل وارث جماعت ہے۔کیونکہ چاروں فقہی مذاہب بھی اہل سنت والجماعت ہیں اور چاروں تصوف کے سلسلے بھی

اہل سنت والجماعت ہیں۔

اسلاف نے دین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ **تعمیل الظاهر والباطن** ظاہر کی تعمیل فقہی احکام سے ہوتی ہے اور باطن کی تعمیر صوفیاء کی جوتیاں سیدھا کرنے سے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ ہمیں تو ایک علم صحیح کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ اس پر عمل کرنے کی ہمت قوی ہو۔ علم صحیح فقہاء سے ملتا ہے، اور ہمت قوی اللہ والوں کے تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ غیر مقلد پورے دین کے دشمن ہیں کیونکہ ان کے دو ہی کام ہیں یا فقہاء کو بھونکنا، یا صوفیاء کو۔ اس آیت کے اولین مخاطب صحابہ کرام ؓ تھے کہ جن کی مادری زبان عربی تھی انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر فرقے اور ہر قوم میں ایک یا چند فقیہ بنیں اور پھر وہ اپنی ساری قوم کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے ڈرائیں۔ اور خدا اور رسول کی نافرمانی سے بچائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ قرآن وحدیث کے ترجمہ کو نہیں کہتے کیونکہ سب صحابہ ؓ قرآن وحدیث کے الفاظ سن کر اس کا مطلب ہم سے زیادہ اچھا سمجھ لیتے تھے۔ اس لئے فقہ خاص گہرائی کا نام ہے کہ کتاب وسنت کی تہہ سے مسائل کا استنباط کرے۔

فقیہ کون ہوسکتا ہے

فقیہ کس کو مانا جائے گا؟۔ اس میں معیار ایک ہی ہوتا ہے۔ جیسے ہم کسی کو ڈاکٹر مانتے ہیں جس کو اہل فن ڈاکٹر مانیں۔ رستم کو پہلوانوں کا امام اس لئے مانتے ہیں کہ پہلوان اس کو اپنا بڑا مانتے ہیں۔ امام بخاریؒ کو ہم بہت بڑا محدث اس لئے مانتے ہیں کہ اہل فن محدثین نے ان کی بڑائی کو تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح ہم آئمہ اربعہ کو مجتہد اور فقیہ مانتے ہیں کیونکہ اہل فن فقہاء ان کی فقہی برتری کے قائل ہیں۔ یہ نہیں کہ چند نااہل مودودی کو مجتہد مان لیں کہ یہی کہا جائے گا۔

کہ عیسیٰ نتواں گشت
بہ تصدیق خرے چند

معلوم ہوا کہ عربی دان بھی فقیہ نہیں ہوتا، فقاہت کے لئے خاص علمی گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

پھر اس آیت کریمہ میں اپنی قوم کے فقیہ کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ فقیہ اس قوم میں رہتا ہے۔ اس کا تقوٰی طہارت، اس کی علمی گہرائی اور علمی جدوجہد کا سب لوگ سالہا سال سے مشاہدہ کرتے آرہے ہیں۔ اس سے جو عظمت ان کے دل میں آتی ہے وہ صرف سنی سنائی باتوں سے ختم نہیں ہوتی یہی اعتماد تقلید کی بنیاد ہے۔

دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے کہ جب قوم کا مفتی فتوٰی دے گا اور پوری قوم اس پر عمل شروع کر دے گی تو وہ فتوٰی علمی اور عملی طور پر متواتر ہو جائے گا۔ اور قوم کو پورا یقین ہوگا کہ یہی مفتی صاحب کا فتوٰی ہے اور یہی ان کا مقصود تھا۔ اگر دوسرے علاقے کے مفتی کا فتوٰی آئے گا تو اس میں پہلے لانے والا راوی زیر بحث آئے گا کہ قابل اعتماد ہے یا نہیں اور اس کے بعد بھی وہ درجہء ظن میں رہے گا نہ کہ درجہ یقین میں۔

اس لئے چاروں آئمہ کی عظمت تواتر کے ساتھ سب کے دلوں میں موجود ہے لیکن تقلید اس کی کی جائے گی جس کا مذہب عملاً وہاں متواتر ہے۔ جس طرح ہم عقیدتاً ساتوں قرأتوں کو صحیح مانیں گے لیکن تلاوت صرف اس کی کریں گے جو ہمارے ہاں تلاوۃً متواتر ہوگی۔

مثال

اس لئے مفتی اس کو مانیں گے جس کو اہل علم مفتی تسلیم کریں گے۔ جیسے ایک بادشاہ ایک حجام پر غصے ہوا کہ اس کی داڑھی نہیں مونڈی گئی باشاہ سو گیا اور حجام ڈر رہا تھا کہ قتل کر دے گا تو حجام نے حالت نوم میں ہی بادشاہ کی داڑھی مونڈ لی اور بادشاہ کو پتا بھی نہ چلا جب سو کر اٹھا اور حجام کو بلایا اور کہا کہ تو نے میری داڑھی کیوں نہیں مونڈی، تو حجام نے کہا بادشاہ سلامت داڑھی مونڈ دی ہے بادشاہ نے آئینہ اٹھایا اور چہرہ دیکھا تو واقعۃً حجام سچ کہہ رہا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کس وقت مونڈی؟۔ حجام نے جواب دیا کہ جب آپ آرام کر رہے تھے۔ تو حجام کے

اس کارنامے پر بادشاہ نے اس کو استاد کا لقب دیا۔ جب حجام جمع ہو کر اس حجام کی بیوی کو مبارک باد دینے گئے کہ بادشاہ نے آپ کے خاوند کو استاد کا لقب دیا ہے، تو بیوی نے کہا کہ مبارک اس وقت ہوگی جب آپ کاریگر اس کی تعریف کریں اور استاد مانیں۔ بادشاہ کے لقب دینے سے کیا ؟۔ اس کو تو فن کا کوئی پتا ہی نہیں۔ یہ غیر مقلد ہر ایرے غیرے کو فقیہ مان لیتے ہیں حالانکہ فقیہ وہ ہوتا ہے جس کو اہل فقاہت فقیہ تسلیم کریں۔ مذکورہ بالا مثال کے پیش نظر غیر مقلدین کے پاس حجام کی بیوی جتنی بھی عقل نہیں ہے۔

لطیفہ

ایک غیر مقلد نے کہا کہ امام صاحب کو سترہ احادیث یاد تھیں تو زمیندار نے جواب دیا کہ شکر کرو اگر سترہ یاد تھیں تو پندھرویں صدی میں آ کر نکلے ہو اگر اٹھارہ یاد ہوتیں تو قیامت تک نہ نکل سکتے۔

غیر مقلدین سے چند سوالات

(۱) اس طرح ان سے سوال کریں کہ یہ عام غیر مقلد قرآن کی تلاوت میں یا اذکار نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں ان پر اعراب کی دلیل ان کو یاد ہے؟۔ اگر نہیں تو کیا یہ جائز ہے؟۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی ایک ایک زبر بھی بغیر دلیل کے نہیں ہے لیکن بادلیل باتوں پر بلا مطالبہ دلیل عمل کر لیا جائے بلکہ جتنا فرض ہے وہ فرض ہے، جتنا واجب ہے وہ واجب ہے، جتنا سنت ہے وہ سنت ہے۔

(۲) کیا آئمہ اربعہ کو تم منیب الی اللہ مانتے ہو یا بے علم، بے عقل ، بے ہدایتے ؟۔

(۳) کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ مشرکین اپنے آباء کی تقلید شخصی کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ غیر مقلدین کی طرح تقلید غیر شخصی کرتے تھے۔ اگر وہ تقلید شخصی کرتے تو ان کی نسبتیں کیا ہیں۔ قرآن وحدیث سے ثابت کریں۔

(۴) آپ بھی ایک آیت یا حدیث پیش کریں کہ اجماع کو ماننے والا دوزخی ہے اور

اجماع کا منکر اہل حدیث ہے۔

(۵) کیا آپ مشرکین کے آباء کو مجتہدین مانتے ہیں؟۔ اگر مانتے ہیں تو ان کی فقہ اور اصول فقہ کے نام بتائیں۔

(۶) مشرکین عقائد کفریہ میں اپنے آباء کی تقلید کرتے تھے یا مسائل اجتہادیہ میں؟۔ کیا آپ مانتے ہیں کہ مشرکین کے آباء کو بھی خطاء پر ایک اجر ملتا تھا؟۔

انتباہ

یادرہے کہ ہم نہ آئمہ اربعہ کو خدا مانتے ہیں نہ رسول البتہ وہ **واسطہ فی البیان** یا **واسطہ فی التفھیم** ہیں، وہ اللہ اور رسول ﷺ کی بات ہم کو سمجھاتے ہیں ہم ان کو شارع نہیں مانتے بلکہ شارح مانتے ہیں۔

جیسے **فاقرؤ** میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے تو ہم اس قرأت پر تلاوت کریں گے جس کی تلاوت یہاں متواتر ہوگی اسی طرح منیب کی اتباع کا حکم ہے۔ تو جس مجتہد کی فقہ یہاں متواتر ہوگی ہم اس کی تقلید کریں گے۔

تقلید شخصی

واتبع ملة ابراھیم حنیفاً

(ال عمران آیت نمبر ۱۲۵)

تقلید شخصی میں بھی انسان یک رخ ہو جاتا ہے جبکہ غیر شخصی میں **ذو الوجھین** اور **کالشاۃ العائرہ بین الغنمین** ہوتا ہے۔

نوٹ

غیر مقلدین ایک دھوکہ دیا کرتے ہیں کہ اتباع کہتے ہیں بادلیل بات ماننے کو اور تقلید کہتے ہیں بے دلیل بات ماننے کو۔ ان کی یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔ **فاتبعوا امر فرعون**

(ھود آیت ۹۷) یتبعون الشھوات. بل نتبع ما وجدنا علیه آباء نا. خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن پاک میں ان لوگوں کی تقلید سے روکا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکاتے ہیں اور ان لوگوں کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ بتلاتے ہیں۔

آیات اطاعت

(۱) ان اللہ لعن الکٰفرین واعدلھم سعیراً خٰلدین فیھا ابداً لا یجدون ولیاً ولا نصیراً یوم تقلب وجوھھم فی النار یقولون یا لیتنا اطعنا اللہ واطعنا الرسولا وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبرائنا فاضلّونا السبیلا.

(الاحزاب آیت ۹۸ تک)

(۲) یا یھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول.

(نساء آیت ۵۹)

(۳) ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم (آیت ۸۳)

اللہ تعالیٰ نے اجتہاد اور فقہ کو استنباط فرمایا ہے اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح انسانی زندگی کے لئے پانی ضروری ہے اتنی ہی اسلامی زندگی کے لئے فقہ ضروری ہے دوسری یہ بات سمجھا دی کہ اگر ایک آدمی کنواں بناتا ہے تو پانی کنویں سے ظاہر ہوا ہے تو

یہ مستری اس پانی کا خالق نہیں ہے بلکہ مظہر ہے۔ اسی طرح مجتہد کتاب وسنت کے پوشیدہ مسائل کو ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کا اعلان ہوتا ہے کہ القیاس مظھر لا مثبت. اس لئے غیر مقلدین کا جھوٹ بولنا کہ فقہ اماموں کی بنائی ہوئی ہے، خودساختہ ہے ایسے ہی جھوٹ ہے جیسے کوئی کہے کہ کنویں کا پانی مستری کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسے ہر شخص کا یہ یقین ہے کہ کنویں سے جو

پانی آرہا ہے اس کے ایک ایک قطرہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے ہم پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں نہ کہ جس نے کنواں بنایا ہے۔اب کوئی یہ کہے کہ پانی کنویں سے لینا تو جائز ہے لیکن ساری عمر ایک ہی کنویں سے لینا شرک ہے۔تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی اس کنویں کا پانی استعمال کرتا ہے جو اس کے علاقہ میں ہے۔تو جس طرح ایک ہی کنویں سے ساری زندگی پانی استعمال کرنا تقلید شخصی کی مثال ہے جو کہ کسی کے ہاں بھی نہ شرک ہے نہ حرام ہے۔تو کنواں لگانے والا جس طرح خدا کے پیدا کئے ہوئے پانی کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح مجتہد بھی خدا کے حکم کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ مجتہد کا اعلان ہوتا ہے کہ القیاس مظہر لا مثبت۔تو جس طرح یہ کہنا حماقت ہے کہ فلاں شخص خدا کے پانی کو چھوڑ کر کنویں کے پانی سے وضو کرتا ہے اسی طرح یہ بھی حماقت ہے کہ فلاں نبی کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل کرتا ہے۔

اولی الامر ہر حاکم کو کہتے ہیں یہاں مجتہد کو اولی الامر کہا گیا ہے تا کہ لوگ پہچان لیں کہ ان کی تابعداری کرنے والے رعایا ہیں اور تابعداری سے نکلنے والے باغی ہیں۔جس طرح آدمی اپنے علاقہ کے کنویں کا پانی استعمال کرتا ہے، اپنے علاقے کے حاکم کی پیروی کرتا ہے، اسی طرح جس علاقے میں جس مجتہد کا مذہب متواتر ہوگا وہ ہی گویا اس علاقہ کا اولی الامر ہوگا۔اس کے مقلدین رعایا ہیں اور غیر مقلدین باغی ہیں۔

مغالطہ

غیر مقلدین یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حنفی کہتے ہیں کہ مجتہد کے سوا کوئی کتاب وسنت کو نہیں سمجھ سکتا حالانکہ حنفیوں نے یہ کہیں نہیں لکھا۔ہمارے ہاں مجتہد اور غیر مجتہد میں مابہ الامتیاز قوت اجتہاد یہ ہے کہ مجتہد کتاب وسنت سے پہلے علت تلاش کریگا اور پھر اس علت کا انطباق جزئیات پر کرے گا۔

تاریخ تقلید

تقلید اسلام میں پہلے دن سے ہی جاری ہے آپ ﷺ کے مبارک زمانہ میں فروعی مسائل

کے حل کے لئے تین طریقے ہوتے تھے۔

(۱) ذات اقدس ﷺ کہ جو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ براہ راست آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھتے تھے۔

(۲) اجتہاد۔ جو لوگ آپ ﷺ سے دور رہتے تھے ان کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تھا اگر وہ مجتہد ہوتے تھے تو اجتہاد کرتے تھے، جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن میں اجتہاد کیا۔

(۳) اگر وہ غیر مجتہد ہوتے تو اپنے علاقے کے مجتہد کی تقلید شخصی کرتے تھے جیسے اہل یمن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کرتے رہے۔

اور حضرت نبی پاک ﷺ کی وفات کے بعد پہلا طریقہ ختم ہو گیا اب دو ہی طریقے رہے مجتہدین اجتہاد کرتے تھے اور غیر مجتہدین اپنے علاقہ کے مجتہدین کی تقلید شخصی کرتے تھے۔ جب خیر القرون میں چاروں مذاہب مدون ہو گئے تو خیر القرون کے ختم ہونے پر علماء نے اجتہاد کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ حدیث پاک کے مطابق اب جھوٹ کا غلبہ ہونے لگا۔ تو یہ خطرہ تھا کہ جھوٹے مجتہد پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اور ہر ایک علاقے میں مستقل فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے علماء نے اتفاق کیا کہ اب اگر اجتہاد کی اجازت رہی تو نا اہل لوگوں کے اجتہادات امت کے لئے دردسر بن جائیں گے۔ کیونکہ مذاہب مکمل طور پر مدون موجود ہیں۔ اس لئے اب ان ہی میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کی جائے گی۔ اب صرف تقلید ہی باقی رہ گئی۔ غیر مقلدین کا ہر مولوی جھوٹ بولتا ہے کہ تقلید خیر القرون سے شروع ہوئی اس لئے یہ بدعت ہے۔

حالانکہ یہ شروع نہیں ہوئی باقی رہی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے دور نبوی میں جب سات لغات پر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی اس وقت بھی لغت قریش پر تلاوت ہوتی تھی اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور میں سات لغات پر تلاوت رہی اور ان میں لغت قریش یقیناً شامل تھی دور عثمانی میں سب کا اس پر اجماع ہو گیا کہ

سات لغات پر اب تلاوت کا باقی رہنا اب امت میں باعث فتنہ بن رہا ہے اور فتنہ کو شریعت پسند بالکل ہی نہیں کرتی اس لئے اب صرف لغت قریش پر تلاوت باقی رہے گی۔ اس بات کو یوں بیان کرنا کہ لغت قریش پر تلاوت دور نبوی اور شیخین کے دور میں نہیں ہوتی تھی بلکہ دور عثمانی میں شروع ہوئی۔ جیسے یہ ایک جھوٹ ہے اسی طرح یہ کہنا کہ خیر القرون میں تقلید نہیں تھی خیر القرون کے بعد شروع ہوئی اس لئے بدعت ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔ اتنا بڑا جھوٹ ہے شاید مرزا قادیانی نے بھی اتنا بڑا جھوٹ نہ بولا ہو۔

غیر مقلدین کی طرف سے تقلید کے متعلق پچاس سوالات اوران کے جوابات

تمہید

دور نبوی سے لے کر آخر خیر القرون تک اہل سنت والجماعت میں سے مجتہدین اجتہاد کرتے تھے اور غیر مجتہدین ان کی تقلید کرتے تھے۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں سے ایک نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ تقلیداً کتاب وسنت پر عمل کرتا ہو اور اپنے آپ کو غیر مقلد یا اہل حدیث کہلاتا ہو۔ حنفی فی حوالہ سو روپیہ انعام دیں گے۔ خیر القرون کے بعد اجتہاد کی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے سب اہل سنت والجماعت آئمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرتے تھے اس لئے چار ہی قسم کی کتابیں ملتی ہیں طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ، طبقات حنابلہ۔

جس طرح ملکہ وکٹوریہ کے دور سے پہلے طبقات مرزائیہ نامی کتاب کا ذکر نہیں ملتا کیونکہ مرزائیوں کا وجود ہی نہ تھا اسی طرح طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب کسی محدث یا مؤرخ کی لکھی ہوئی ملکہ وکٹوریہ کے دور سے پہلے کہیں نہیں پائی گئی۔ کیونکہ غیر مقلد فرقہ کہیں موجود نہ تھا۔

نوٹ

تقلید کی تعریف میں الدلیل کا لفظ آتا ہے اس سے وہ خاص دلیل تفصیلی مراد

ہوتی ہے جو بوقت اجتہاد مجتہد کے پیش نظر تھی اور دلیل تفصیلی اسے کہتے ہیں جو منع اور نقص سے سالم ہو۔

سوال نمبر ا۔

تقلید سے کیا مراد ہے؟۔

جواب۔

مجتہد نے جو مسئلہ قرآن وسنت سے نکالا اس سے خاص دلیل تفصیلی کا مطالبہ کئے بغیر اس با دلیل مسئلہ کو بلا مطالبہ دلیل تسلیم کر لینا اور مجتہد کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۔

کیا تقلید شخصی اصطلاحی آنحضرت ﷺ کے، آپ ﷺ کے صحابہ ؓ یا تابعین کے زمانہ میں تھی؟۔

جواب۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی پورے یمن میں تقلید شخصی ہوتی تھی۔ صحابہ تابعین و تبع تابعین کے دور میں سب لوگ اپنے شہر کے مجتہد و مفتی کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

سوال نمبر ۳۔

جو کام ان تینوں زمانوں میں نہ ہوا ہوا گر اسے بعد والے دینی امر سمجھ کر کریں تو آیت **الیوم اکملت لکم دینکم ...... الخ.** جو قرآن میں ہے وہ بتلاتی ہے کہ دین اللہ ہر طرح کامل ہو گیا پھر آئمہ دین کی رائے، قیاس کو بھی دین میں داخل کرنا اس آیت کے خلاف تو نہیں اور یہ اصطلاح شرع بدعت کیوں نہیں۔

جواب۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں غیر مقلدیت کا نام ونشان تک نہ تھااس لئے غیر مقلدین کے بدعتی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سوال نمبر۴۔

چاروں اماموں نے یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام مالکؒ نے بھی اس تقلید کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟۔ اگر فرمایا ہے تو کیا؟۔ ہم نے تو سنا ہے کہ چاروں امام تقلید کو حرام فرمایا کرتے تھے۔

جواب۔

آئمہ اربعہ سے جو متون متواتر ہیں ان میں صرف مسائل ہیں دلائل نہیں تو بلا ذکر دلائل کو جمع کروانا اور اس پر متواتر عمل ہونا یہ آئمہ اربعہ سے جواز تقلید کا متواتر ثبوت ہے۔

؎ ہر کہ شک آرد، کافر گردد

البتہ انہوں نے مجتہدین کو یہی فرمایا ہے کہ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے، تقلید حرام ہے اس حکم کو عوام پر چسپاں کرنا یحرفون الکلم عن مواضعه کی بدترین مثال ہے۔

سوال نمبر۵۔

شامی شریف جو حنفی مذہب کی معتبر ترین کتاب ہے سنا ہے کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ چاروں اماموں نے اپنا مذہب قرآن وحدیث بنایا ہے پس قرآن وحدیث پر عمل کرنا ان کی تابعداری کرنا یا قرآن وحدیث چھوڑ کر ان کے اقوال کو ماننا ان کی تقلید کرنا ہے۔

جواب۔

فقہ کے اصول بالاتفاق چار ہیں کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ مجتہد بھی ان چاروں سے مسائل لیتا ہے اور مقلد انہی مسائل پر عمل کرتا ہے جو مجتہد نے ان چاروں دلائل میں سے کسی دلیل سے لئے ہوں اس لئے جس طرح کامل اجتہاد کی بنیاد چار دلیلیں ہیں اسی طرح کامل تقلید یہی ہے

کہ مجتہد کی راہنمائی میں کتاب وسنت اجماع وقیاس پر عمل کیا جائے۔

سوال نمبر۶۔

چاروں اماموں سے پہلے بھی یہ تقلید جاری تھی یا نہیں؟۔اور تھی تو کس کی؟۔

جواب۔

چاروں اماموں سے پہلے بھی ہر قوم اپنے فقیہ کی تقلید کرتی تھی۔

لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون.

(سورۃ التوبۃ)

سوال نمبر۷۔

اگر چاروں اماموں سے پہلے بھی تقلید جاری تھی تو کس امام کی تقلید جاری تھی؟۔اور اس وقت اس امام کی تقلید فرض واجب یا مباح تھی یا نہیں؟۔اگر تھی تو کیوں؟۔اور نہیں تھی تو کیوں؟۔اور پھر منسوخ کیوں ہوئی؟۔

جواب۔

چاروں اماموں سے پہلے اپنے علاقہ یا قوم کے مجتہد کی تقلید ہوتی تھی **لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم.** اور وہ واجب تھی۔لیکن چونکہ ان کے مذاہب مدون نہ ہوئے اور نہ عمل متواتر ہوا اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کا مذہب مٹ گیا اور تقلید ختم ہوگئی۔جیسے مسجد کے امام کی وفات کے بعد اقتدا ختم ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر۸۔

چاروں اماموں سے پہلے جس امام کی تقلید جاری تھی اس امام کا نام کیا ہے؟۔اور اب بھی اس امام کی تقلید فرض واجب یا مباح ہے یا نہیں؟۔اگر نہیں تو کیوں؟۔کب منع ہوئی؟۔کس نے منع کی؟۔اور پھر کس نے اس منصب پر آئمہ اربعہ کو پہنچایا؟۔

جواب۔

آئمہ اربعہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور ان کے بعد حضرت عطاءؒ کی تقلید ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ میں اپنی اپنی خلافت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم اور زید بن ثابتؓ اور ان کے بعد فقہاء سبعہ کی تقلید ہوتی تھی۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی ان کے بعد حضرت علیؓ کی اور پھر ابراھیم نخعی کی تقلید ہوتی تھی، بصرہ میں حضرت حسن بصریؒ کی۔ ان کے مذاہب چونکہ مدون نہ ہو سکے تھے اس لئے ان کے جو مسائل عملاً متواتر تھے ان کو آئمہ اربعہ نے اپنی فقہ میں لے لیا اور جو ان سے شاذ اقوال مروی تھے ان کو ترک کر دیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بہت قاری تھے مگر انہوں نے اپنی قرأت کو مکمل طور پر مدون نہ فرمایا۔ پھر سات قراء نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی متواتر قرأتوں کو مدوّن کر لیا شاذ قرأتوں کو ترک کر دیا۔ اب ان سات قرأتوں میں تلاوت کرنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی متواتر قرأتوں پر عمل ہو رہا ہے البتہ ان سات قرأتوں کے علاوہ کوئی شاذ قرأت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہو تو اس کی تلاوت جائز نہیں کیونکہ متواتر کے خلاف **شاذ واجب الترک** ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فقہی مسائل پر آئمہ اربعہ کی تقلید میں عمل ہو رہا ہے ان متواترات کے خلاف اگر کوئی شاذ قول کسی مجتہد، صحابی یا تابعی کی طرف منسوب ہو تو اس پر عمل جائز نہیں ہے۔ کیونکہ متواتر کے خلاف شاذ واجب الترک ہے۔

سوال نمبر۹۔

اجماع کی تعریف کیا ہے؟۔ اور اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے؟۔ تقلید شخصی اصطلاحی پر کیا اجماع ہوا ہے؟۔ اگر ہوا ہے تو کب؟، کہاں، اور کن کا؟۔

جواب۔

ہم عصر مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔ اور اس پر متواتر عمل

ہونے سے اس کا متواتر ثبوت ہوتا ہے۔ جیسے اہل فن نے اجماع کرلیا کہ **کل فاعل مرفوع** اور سب جگہ اہل فن فاعل پر رفع پڑھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات اہل فن کے ہاں اجماعی ہے اسی طرح خیر القرون کے بعد ہر جگہ کسی نہ کسی جگہ امام کی تقلید شخصی پر تواتر سے عمل جاری رہا ہے یہی اس کے اجماع ہونے پر قوی دلیل ہے۔ یاد رہے کہ دور نبوی میں شرعی احکام معلوم کرنے کے تین طریقے تھے۔

(۱) ذات اقدس ﷺ۔ جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ حضرت ﷺ سے دریافت کرتے تھے۔

(۲) جو لوگ حضرت ﷺ سے دور ہوتے تھے وہ اگر مجتہد ہوتے تھے تو وہ اجتہاد کرتے تھے جیسے اہل یمن حضرت معاذ بن جبل ؓ کی تقلید کرتے تھے۔

(۳) حضرت پاک ﷺ کی وفات کے بعد دو طریقے رہ گئے مجتہدین اجتہاد کرتے اور جو مجتہد نہ ہوتے تھے وہ مجتہد کی تقلید کرتے تھے۔

خیر القرون کے بعد اجتہاد کی ضرورت بھی باقی نہ رہی اس لئے وہ ختم ہو گیا۔ اب صرف تقلید باقی رہ گئی ہے۔

یہ تقلید شروع تو پہلے دن سے ہی ہے لیکن خیر القرون میں کچھ مجتہدین ہوتے تھے جب صرف اور صرف مقلدین باقی رہ گئے تو اس اجماع میں عملاً تمام محدثین، مفسرین، فقہاء اور سلاطین شامل ہیں۔ (یہ تفصیل مقدمہ ابن خلدون میں ہے)۔ جیسے کتب طبقات سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔

غیر مقلدین سے ہمارا سوال

کہ صرف قرآن وحدیث سے جواب دیں کہ اجماع کی کیا تعریف ہے؟۔ اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے؟۔ اور بخاری کے **اصح الکتب بعد کتاب اللہ** ہونے پر اجماع کب ہوا اور کہاں، اور کن کا ہوا؟۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

سوال نمبر ۱۰۔

مجتہد کس کو کہتے ہیں؟۔ ہر مجتہد کی تقلید فرض ہوتی ہے؟ چودہ سو سالوں میں اسلام میں مجتہد کیا صرف چار ہوئے ہیں۔ صحابہ و تابعین تو شاید اجتہاد کے درجہ سے محروم ہی رہے ہوں گے۔ پھر ان چاروں آئمہ میں سے ایک کی تقلید کس بنیاد پر ہے۔

جواب۔

اسے کہتے ہیں کہ جو قواعد حساب کا موجد ہو اسی طرح جو کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کر سکے اس کو مجتہد کہتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے قاری ہوئے لیکن انہوں نے اپنی قرأتوں کو مدون نہ فرمایا البتہ سات قاریوں نے انہی کی قرأتوں کو مدون کر لیا۔ اسی طرح آئمہ اربعہ سے پہلے صحابہ تابعین سے پہلے بہت سے مجتہد گزرے ہیں لیکن انہوں نے اپنے مذہب کو مکمل طور پر مرتب نہ کروایا البتہ آئمہ اربعہ نے ان کے متواتر احکام کو مرتب کیا۔ اسی طرح سات قرأتوں میں سے کسی قرأت پر قرآن پڑھنا صحابہ والا قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم والا قرآن ہی ہے۔ اسی طرح چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید کرنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کرنا ہے۔ ہاں ان چاروں میں سے جس امام کا مذہب درساً اور عملاً متواتر ہوگا اس کی تقلید کی جائے گی۔ جس طرح سات قاریوں میں سے جس قاری کی قرأت ہمارے ملک میں تلاوۃً متواتر ہوگی اس پر تلاوت کی جائے گی۔

سوال نمبر ۱۱۔

چاروں مذکورہ بالا اماموں میں سے فلاں ایک کے مسائل سچے ہیں اس کا علم مقلد کو کیسے ہوگا۔

جواب۔

جس امام کا مذہب جس علاقہ میں متواتر ہوگا اس پر مقلد حدیث رسول ﷺ کے مطابق اس عقیدہ سے عمل کرے گا کہ مجتہد صواب کو بھی اور خطا کو بھی پہنچتا ہے اس لئے مجتہد کا عمل یقیناً مقبول ہے۔ جیسے تحری والے کی نماز یقیناً مقبول ہے۔ اور ایک اجر کا پکا یقین ہے کیونکہ مجتہد خطا پر بھی ماجور ہے۔ اور دوسرے اجر کی مجتہد اور مقلد کو خدا کی رحمت واسعہ سے امید ہے۔ اس کے برعکس غیر مقلد کا عمل جو محض اس کی خودرائی پر مبنی ہے وہ کسی دلیل شرعی سے ثابت ہے وہ یقیناً مردود ہے اور اس پر گناہ لازم ہے۔ اور وہ نیکی برباد اور گناہ لازم کا مستحق ہے۔

سوال نمبر ۱۲۔

ان چاروں اماموں کی تعلیم بذریعہ وحی ہوئی یا اور آئمہ سے انہوں نے پڑھا اگر بذریعہ وحی ہوئی تو انمیں اور نبی کریم ﷺ میں کیا فرق رہا؟ اور اگر بذریعہ آئمہ ہوئی تو ان کے استاد افضل تھے یا کہ مفضول؟ اگر افضل تھے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟۔

جواب۔

آئمہ کرام پر وحی نازل نہیں ہوتی لیکن وہ مراد وحی کو سمجھنے اور سمجھانے میں ماہر ہوتے ہیں اور ان کے اساتذہ کے متواتر مسائل ان ہی کی فقہ میں آگئے جیسے صحاح ستہ والوں کے اساتذہ کی احادیث صحاح ستہ میں آگئیں اور سات قرأ کے اساتذہ کی قرأتیں بھی سات قرأتوں میں آگئیں جس طرح قاری عاصم کوفی کی قرأت کرنے میں ان کے اساتذہ کی قرأت پڑھی جارہی ہے اسی طرح آئمہ اربعہ کی تقلید میں ان کے اساتذہ کے مسائل پر عمل ہورہا ہے۔

سوال نمبر ۱۳۔

یہ چاروں امام افضل تھے یا چاروں خلیفہ افضل تھے؟۔ جب ان چاروں اماموں کی تقلید فرض ہو تو ان چاروں خلفاء کی ڈبل فرض کیوں نہ ہو؟۔

جواب۔

چاروں خلفائے راشدین آئمہ اربعہ کے پیشوا اور افضل ہیں۔ ان کی حیات میں ان کے اجتہادی مسائل کی تقلید ہوتی رہی لیکن چونکہ ان کے مسائل اس زمانہ میں مدون نہ ہوئے اس لئے آئمہ اربعہ نے ان کے متواتر مسائل کو مدون کرلیا اس لئے اب ان آئمہ اربعہ کے ذریعے ان کے مسائل پر بھی عمل ہورہا ہے جیسے ساتوں قرأتوں کے پڑھنے میں۔

ہمارے سوال غیر مقلدین سے۔

(۱) صحاح ستہ والوں نے اپنی کتابیں وحی سے مرتب کیں یا استادوں سے سن کر؟۔ ان کے استادان سے افضل تھے یا نہیں؟۔ پھر ان کے استادوں کی کتابوں کو صحاح ستہ سے خارج کیوں کردیا گیا ہے۔

(۲) صحاح ستہ والے افضل تھے یا خلفائے راشدین؟۔ خلفائے راشدین کی کتابوں کو کس لئے صحاح ستہ میں شامل نہ کیا گیا۔

(۳) سات قاری افضل تھے یا خلفائے راشدین؟۔ کیا آپ کے خیال میں خلفائے راشدین کی قرأتوں کو سات قرأتوں سے خارج کردیا گیا ہے تو کیوں؟۔

سوال نمبر ۱۴۔

ذرا فرمایئے تو قرآن و حدیث پر عمل کرنا عامی آدمی پر ہی فرض ہے یا مجتہدوں اور عالموں پر بھی فرض ہے؟۔ کیا جتنا فرق ہم میں اور اماموں میں ہے اتنا اماموں اور نبی کریم ﷺ میں نہیں ہے؟۔

جواب۔

کتاب وسنت پر عمل کرنا مجتہد اور مقلد پر دونوں پر فرض ہے لیکن مجتہد اپنی اجتہادی روشنی میں عمل کرتا ہے اور مقلد اس کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے۔ آنکھوں

والا چاند دیکھ کر روزہ رکھتا ہے نابینا آنکھوں والوں سے پوچھ کر۔ جیسے نماز میں قبلہ رخ ہونا نابینا اور بینا دونوں پر فرض ہے لیکن بینا دیکھ کر کرتا ہے اور نابینا بینا سے پوچھ کر۔ نبی ﷺ کا مقام امتی سے بہت بلند ہے لیکن نبی کی اتباع مسائل منصوصہ محکمہ غیر متعارضہ میں ہے اس لئے یہاں مقابلہ کی کوئی صورت ہی نہیں۔

سوال نمبر ۱۵۔

جو امام ان چاروں کے سوا ہوئے ہیں ان کے نام کیا ہیں ان کی تقلید فرض واجب یا مباح ہے یا نہیں؟۔ اگر نہیں تو کیوں؟ حالانکہ وہ ان کے استاد ہیں۔ علم میں، ادب میں، فقہ میں، زہد میں، اجتہاد میں، تقوٰی میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہ ان کی بزرگی کے قائل تھے اور ان کا ادب کرتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقلید نہ کر کے نیچے والوں کی تقلید کرنا کون سی عقلمندی ہے؟۔

جواب۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں جتنے قاری ہوئے ان کی قرأتیں متواتر ہمیں ان سات قاریوں ہی کے ذریعے سے ملی ہیں اور ان قرأتوں پر تلاوت صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی ﷺ والی قرأت پر ہی تلاوت ہے اس لئے ان قرأتوں پر تلاوت کرنا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کو کم کرنا ہے اور نہ ان کی قرأت سے ان کی مخالفت ہے جس طرح سات قاریوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا مخالف سمجھنا روافض کا طریقہ ہے اسی طرح آئمہ اربعہ کو تقلید کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف سمجھنا وسواس خناس میں سے ہے۔

سوال نمبر ۱۶۔

جو امام ان چاروں کے سوا ہوئے ہیں وہ درجہ میں ان چاروں کے برابر ہوئے یا گھٹ کر ہیں تو وہ ان کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟ اور اگر بڑھ کر ہیں تو یہ خود ان کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟۔

جواب۔

آئمہ اربعہ سے پہلے مجتہدین ہی آئمہ اربعہ کے پیشوا ہیں جیسا کہ پہلے قاری

قراء سبعہ کے پیشوا ہیں اور پہلے فقہاء صحابہ ؓ صحاح ستہ کے پیشوا ہیں ان سب نے اپنے پیشواؤں کی بات کو ہی مرتب کیا ہے۔

سوال نمبر ۱۷۔

(الف)۔ جب امام چار ہیں اور ان چاروں میں سے ایک کی تقلید کرنی ہے اور ہم جاہل ہیں ہمیں کیا معلوم کہ ان میں سے کس کے مسائل صحیح ہیں اور کس کے غلط ہیں۔ پس ہم کیسے حنفی شافعی وغیرہ بن جائیں۔

(ب) اگر یہ چاروں مذہب برحق ہیں تو ایک مذہب پر عمل کرنے سے حق کی تین چوتھائیاں ہم سے چھوٹ جاتی ہیں پھر تو تقلید نہ کرنے والے ہی اچھے رہے کہ جس امام کے کلام کو قرآن وحدیث سے مطابق اور متفق پایا اسے لے لیا یہی طریقہ ہم کیوں نہ رکھیں تاکہ پورا حق ہمارے ہاتھ میں رہے۔

(ج) یہ ظاہر ہے کہ چاروں مذہبوں میں حلال حرام کا فرق ہے پھر ان چاروں کو برحق ماننے اور کہنے کے کیا معنی ہیں۔ ایک ہی چیز کو حرام کہے اور ہم کہیں کہ سچ ہے، دوسرا حلال کہے اور ہم کہیں کہ سچ ہے۔ یہ کیا اندھیرا ہے۔ اسے ذرا تفصیل سے سمجھایا جائے ورنہ دامن تقلید ہمارے ہاتھ سے چھوٹ ہی جائے گا۔

جواب۔

(الف) جس طرح ساتوں قرأتوں میں آپ اسی قرأت پر عمل کریں گے جو آپ کے ہاں تلاوۃً متواتر ہوگی۔ آپ کو غلط یا صحیح کہنے کا حق نہیں ہے۔

(ب) جس طرح سات قرأتوں میں ایک پر قرآن پڑھنے والے کو پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اسی طرح ایک امام کی تقلید کرنے سے پوری سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔

(ج) اجتہادی حلال وحرام میں ہم اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں جیسے ناسخ منسوخ میں ہم اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ یوسف اور یعقوب علیہما السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیمی کا

جواز تھا اور یہی حق تھا اب اس کی حرمت ہی حق ہے۔ ہم صرف اپنے نبی ﷺ کی تابعداری کریں گے۔ اگرچہ شریعت یوسفی کو اس دور کے اعتبار سے سچ کہیں گے۔ اجتہادی جائز و ناجائز کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک مریض کو ڈاکٹر کہتا ہے کہ اچار ضرور کھانا اور دوسرے مریض کو ڈاکٹر سختی سے منع کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر کے دونوں حکم درست ہیں لیکن کوئی بیوقوف مریض نہیں ہوتا کہ حکم اسے دیا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے پر عمل کرے یہ بھی اس ڈاکٹر کا حکم ہے۔ پھر اس سوال کی یہاں گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ یہاں سب حنفی ہیں دوسرے امام کا مسلک موجود ہی نہیں ہے جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام میں حلال و حرام کا اختلاف ہے ان کا زمانہ الگ الگ ہے۔ اسی طرح آئمہ مجتہدین میں بھی حلال و حرام کا اختلاف ہے لیکن ان کے مقلدین کے علاقے الگ الگ ہیں۔

سوال نمبر۱۸۔

(الف) چاروں امام امامت کی حیثیت سے دنیا میں اس سے پہلے اسلام پر سو سال گزر چکے تھے تب تک نہ یہ امام تھے نہ یہ مقلد تو اس وقت کے مسلمان مسلمان بھی تھے یا نہ تھے۔ مسلمان تھے تو پورے یا ادھورے؟ کیونکہ تقلید تو اس وقت تھی ہی نہیں بلکہ وہ امام بھی نہ تھے جنکی تقلید شروع ہوئی اگر باوجود تقلید نہ کرنے کے وہ لوگ مسلمان تھے اور کامل مسلمان تھے تو آج اسلام کا کون سا روپ مارا جاتا تھا؟۔ جو تقلید کی ایجاد کی ضرورت پیش آئی؟ کیا صحابہ اور تابعین کا اسلام ہمیں کافی نہیں تھا جو ہمیں کسی نئے نویلے اسلام کی ضرورت ہو۔

(ب) فرائض تو سب اللہ تعالیٰ اتار چکا، وحی تو حضور ﷺ کے وصال کے بعد بند ہوگئی سو سال کے بعد امام دنیا میں آئے تو اب کس سے کون سا فرشتہ کون سی وحی لے کر آیا؟۔ جس سے وصال کے بعد ان آئمہ میں سے ایک ایک کی تقلید فرض ہوئی اور مسلمین بجائے ایک راستے کے چار راستوں میں بٹ گئے اور اللہ کے گھر بیت اللہ کے بھی چار ٹکڑے کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ حنفی مصلے اور یہ شافعی مصلے ہے۔ قرآن و حدیث میں ان مصلوں کا اور ان اماموں کا اور ان کے ناموں کا ذکر کہاں ہے؟۔

جواب۔

(الف) جس طرح ان سات قاریوں سے پہلے بھی قرآن پڑھنے والے سب مسلمان تھے اور بعد میں ان کی قرأت پر پڑھنے والے بھی سب مسلمان ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ ؓ اس قرأت کو قاری حمزہ کی قرأت نہیں کہتے تھے اسی طرح صحاح ستہ والوں سے پہلے بھی مسلمان ان احادیث پر عمل کرتے تھے لیکن وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں ترمذی کی حدیث پر عمل کررہا ہوں اور تو نسائی کی حدیث پر۔ اس لئے صرف اس نام کی وجہ سے پہلوں کے اسلام میں شک کرنا اور فرق کرنا یہ ایسی جہالت ہے جیسے پہاڑوں پر برف باری ہوئی اور وہ برف پانی کی شکل میں بہہ نکلی اور لوگ اس کو برف کا پانی کہتے تھے۔ وہی پانی دریا کی شکل میں بہنے لگا تو اس کو دریا کا پانی کہنے لگے، وہی پانی دریا سے نہر میں آ گیا تو اس کو نہر کا پانی کہنے لگے۔ پھر نالے میں جانے سے اس کو نالے کا پانی کہنے لگے۔ یہ پانی ایک ہی ہے یہ مختلف نام صرف راستہ کے تعارفی نام ہیں۔ وہ ہی طریقہ جو نبی پاک ﷺ کی طرف منسوب ہوا اس کو سنت نبوی کہا جانے لگا، لیکن جب وہ صحابہ ؓ میں پھیل گیا تو اس کا نام صحابہ ؓ کا طریقہ قرار پایا اور جب وہ فقہ حنفی میں مرتب ہو گیا تو اس کا نام فقہ حنفی ہو گیا۔ یہ کہنا کہ فقہ حنفی اور ہے اور سنت نبوی اور ہے یہ ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی کہے کہ نہر کا پانی اور ہے اور دریا کا پانی اور ہے، بخاری کی حدیث اور ہے اور نبی ﷺ کی حدیث اور ہے۔ قاری حمزہ کی قرأت اور ہے اور نبی ﷺ کی قرأت اور ہے۔ ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلد بننے کے لئے جہل مرکب بننا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۱۹۔

چاروں خلیفہ (یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، سے چاروں امام افضل ہیں یا چاروں خلفاء افضل ہیں؟ آج چارون خلفاء کی تقلید نہ کی جائے چاروں اماموں کی تقلید کی جائے اور فرض مانی جائے۔ الٹی گنگا کیوں بہائی گئی۔

جواب۔

جس طرح ساتوں قاریوں کی قرأت پڑھنے سے خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ والا قرآن ہی پڑھا جاتا ہے یوں کہنا کہ صحابہؓ اور خلفائے راشدین کی قرأت چھوڑ کر قراء سبعہ کی قرأت پڑھنا غلط ہے یہ نہ صرف جہالت ہے بلکہ اس مین کفر کا خدشہ ہے۔اسی طرح کتب صحاح ستہ کی احادیث پر عمل کرنے سے نبی ﷺ کی احادیث اور خلفائے راشدین کی احادیث پر عمل ہورہا ہے۔بعینہٖ آئمہ اربعہ کی فقہ پر عمل کرنا اوران کی تقلید کرنا خلفائے راشدین کی تقلید ہے۔یہ ایسی ہی باتیں ہیں جیسے کوئی کہے کہ آپ صحیح محمدی چھوڑ کر صحیح بخاری کیوں پڑھتے ہیں صحیح ابوبکری چھوڑ کر صحیح مسلم کیوں پڑھتے ہیں جامع فاروق اعظم چھوڑ کر جامع ترمذی کیوں پڑھتے ہیں سنن عثمان چھوڑ کر سنن ابی داؤد کیوں پڑھتے ہیں مسند علی چھوڑ کر مسند احمد کیوں پڑھتے ہیں۔یہ سب وساوس جہالت کی وجہ سے ہیں۔

سوال نمبر۲۰۔

حضرت امام حسنؓ ،اور حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام زین العابدینؒ اور حضرت امام باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ افضل ہیں چاروں اماموں سے یا چاروں امام افضل ہیں۔پھر ال رسول کے ان بارہ اماموں کے مقلد کو تو ہم شیعہ اور رافضی کہیں اوران سے کم درجہ کے اماموں کی تقلید کو فرض مانیں۔اس تفریق کی وجہ؟۔

جواب۔

آئمہ اہل بیت فن تصوف کے امام ہیں،صحاح ستہ والے فن حدیث کے اور آئمہ اربعہ فن فقہ کے۔ہمارے تصوف کے شجروں میں اکثر آئمہ اہل بیت کے اسماء گرامی ہیں اور حدیث کی سندوں میں صحاح ستہ والوں کے اور فقہ میں آئمہ اربعہ کو مانتے ہیں۔

؎ ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

جب آپ لوگ سند حدیث کی بحث میں محدثین کو چھوڑ کر فقہاء کی نہیں مانتے تو فقہی

احکام میں فقہاء کو چھوڑ کر محدثین اور صوفیاء کی بات ماننا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ لکل فن رجالٌ۔

سوال نمبر ۲۱۔

اگر چاروں خلیفہ یا یہ چاروں حضرات امام اہل بیت افضل ہیں چاروں اماموں سے تو چاروں اماموں کی تقلید کیوں کی جاتی ہے؟۔ان چاروں خلفاء یا ان حضرات آئمہ کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی ؟۔ہاں ان چاروں اماموں نے ان خلفاء کی تقلید کیوں نہ کی؟۔

جواب۔

ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جا رہا ہے، جس طرح صحاح ستہ والوں کی تابعداری میں احادیث نبویہ کا علم امت کو ملا ہے، سات قاریوں نے نبی پاک ﷺ اور خلفائے راشدین والا قرآن ہی مرتب کیا اسی طرح آئمہ اربعہ نے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی کی سنت کو مرتب کیا یہ جہالت کہ آئمہ اربعہ نے خلفائے راشدین کی بات نہیں مانی ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ ساتوں قاریوں نے خلفائے راشدین والا قرآن نہیں مانا اور اصحاب ستہ خلفائے راشدین کے منکر تھے۔

سوال نمبر ۲۲۔

چاروں خلیفہ مجتہد تھے یا نہیں ؟ اگر تھے تو ان کی تقلید کیوں چھوڑی جاتی ہے؟۔

جواب۔

چاروں خلیفہ مجتہد تھے ان کے مذاہب مدون نہیں ہوئے تھے البتہ ان کے اجتہادات متواتر تھے ان کو آئمہ اربعہ نے اپنی فقہ میں سمو لیا اس لئے آئمہ اربعہ کی تقلید خلفائے راشدین ہی کی تقلید ہے جیسے نہر کا پانی دریا ہی کا پانی ہے۔

سوال نمبر۲۳۔

چاروں خلیفہ چاروں اماموں کے برابر مجتہد تھے یا بڑھ کر یا گھٹ کر؟ اگر بڑھ کر تھے تو پھر انہیں گھٹا کیوں دیا کہ ان کا مقلد ایک بھی نہیں ہے۔

جواب۔

جس طرح چاروں خلفاء ساتوں قاریوں سے بڑھ کر قاری تھے، صحاح ستہ والوں سے اعلیٰ ترین محدث تھے، اسی طرح یہ آئمہ اربعہ سے بہت بڑے مجتہد تھے۔ لیکن جس طرح بڑے محدث ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی کوئی حدیث کی کتاب مرتب نہیں کی اس لئے ان کی مرویات حدیث کے لئے ہم بعد کی حدیث کی کتابوں کے محتاج ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ ترین قاری ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی مکمل قرأت مدون نہ فرمائی اس لئے ان کی قرأت کے لئے آج ہم قرأ سبعہ کے محتاج ہیں ایسے ہی بہترین مجتہد ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے مذاہب مدون نہ کروائے اس لئے ہم ان کی تابعداری کے لئے آج آئمہ اربعہ کے محتاج ہیں۔

سوال نمبر۲۴۔

چاروں اماموں سے قبل چاروں خلفاء کی تقلید کی جاتی تھی یا نہیں؟۔ جب نہیں کی جاتی تھی تو پھر اماموں کی کیوں کی جائے؟۔

جواب۔

چاروں خلفاء کی حیات میں ان کے اجتہادی فتاوٰی کی بلانکیر تقلید کی جاتی تھی اب چونکہ ان کے مذاہب مدون نہ ہوئے تھے اس لئے آئمہ اربعہ کے ذریعے ان کے مسائل متواترہ پر عمل ہو رہا ہے۔

سوال نمبر۲۵۔

ظاہر ہے کہ چاروں اماموں کا وجود بحیثیت امام پہلی صدی میں نہ تھا۔ پس

پہلی صدی کے لوگ مقلد ہوئے یا غیر مقلد؟۔ اور وہ نجات پانے والے اور دائرہ اسلام میں سمجھے جائیں گے یا نہیں ؟۔ یا نجات سے محروم رکھے جائیں گے؟۔ اور دائرہ اسلام سے خارج کہے جائیں گے؟۔

جواب۔

جس طرح چاروں اماموں کا وجود بحیثیت امام پہلی صدی میں نہ تھا، اسی طرح سات قاریوں کا وجود بھی بحیثیت امام پہلی صدی میں نہ تھا، اور صحاح ستہ والوں کا وجود بحیثیت امام تو دوسری صدی میں بھی نہ تھا۔ تو آپ فرمائیں کہ پہلی دو صدیوں کے مسلمان صحاح ستہ کو مانے بغیر مسلمان تھے یا نہیں ان کو منکر حدیث مانیں گے یا حدیث کو ماننے والے۔ اب جو پہلی دو صدیوں کی طرح صحاح ستہ کو بالکل نہ مانے تو اس کو آپ خیر القرون والا مسلمان مانیں گے یا نہیں؟۔ اسی طرح اگر آج کوئی شخص ساتوں قرأتوں کو ترک کر کے یہ چاہے کہ میں پہلی صدی جیسے مسلمانوں جیسا مسلمان ہو جاؤں تو کیا آپ نے اس پر خود عمل کر لیا ہے یا نہیں؟۔ اگر آپ یہ کہیں کہ صحاح ستہ کی احادیث اس زمانہ میں بھی تھیں صرف فرق یہ ہے کہ اس وقت وہ رواہ بخاری نہیں کہتے تھے یہ ساتوں قرأتیں صحابہ ؓ میں تھیں ان کا الگ الگ نام نہیں رکھا گیا تھا اسی طرح یہ فقہی مسائل پر عمل اس دور میں تھا لیکن نام فقہ حنفی وغیرہ نہیں تھا۔ ان لوگوں کو غیر مقلد کہنا ایسی ہی گندی گالی ہے جیسے وہ صحاح ستہ کو نہ مان کر منکر حدیث تھے یا ساتوں قرأتوں کو نہ مان کر منکر قرآن تھے۔

سوال نمبر ۲۶۔

چاروں خلفاء کی تقلید اب منع ہے یا نہیں؟۔ اگر منع نہیں تو اماموں کی تقلید گئی، اگر منع ہے تو اماموں کی بطور اولیٰ منع ہوئی۔ جواب تفصیل سے دیجئے گا۔

جواب۔

چاروں اماموں کی تقلید میں خلفائے راشدین کے متواتر مسائل کی اسی طرح

تقلید ہو رہی ہے جس طرح ساتوں قرائتوں میں خلفائے راشدین کی متواتر قرائت پڑھی جا رہی ہے۔ ہاں جس طرح اس متواتر قرأت کے خلاف کوئی شاذ اقوال ان کی طرف منسوب ہوں تو وہ قابل عمل نہیں ہیں یہ خوب سمجھ لیں کہ یہاں مقابلہ تواتر اور شاذ کا ہے نہ کہ قاری اور خلیفہ کا۔

سوال نمبر ۲۷۔

اگر چاروں خلفاء کی تقلید اب منع ہے تو کیوں؟۔ اور کس نے منع کیا؟۔ اور پھر چاروں اماموں کی کیوں اور کس نے باقی رکھی؟۔ ان آئمہ نے کب کہا کہ لوگ حنفی شافعی کہلوائیں؟۔

جواب۔

چاروں خلفاء کے مذاہب نہ مدون ہیں اور نہ براہ راست متواتر ہیں البتہ آئمہ تک ان کے جو متواتر مسائل پہنچے ہیں وہ آئمہ اربعہ نے لے لئے، ان پر اب بھی عمل ہو رہا ہے۔ رہا یہ کہ آئمہ نے کب کہا تھا حنفی شافعی کہلوانا تو جس طرح یہ کہنا کہ یہ بخاری کی حدیث ہے، یہ قاری حمزہ کی قرأت ہے درست ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، اسی طرح مجتہد کے مذہب کو مجتہد کی طرف منسوب کرنا جس طرح اجماع سے ثابت ہے خود حدیث سے بھی ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت معاذؓ نے حضورﷺ کے سامنے عرض کیا اجتھد برائی اور اپنی رائے کی نسبت اپنی طرف کی، جس سے حضرتﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ غیر مقلدین کو منع کا کیا حق ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری ص ۴۳۳ ج ۱ پر عثمانی اور علوی کی نسبتیں ہیں تو کیا کوئی غیر مقلد ثابت کر سکتا ہے کہ ان کو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے عثمانی، علوی کہلوانے کا حکم دیا تھا؟۔

سوال نمبر ۲۸۔

چاروں خلفاء نے اپنی اپنی تقلید کا حکم دیا تھا یا نہیں؟۔ اگر دیا تھا تو ہم نے کیوں نہ مانا؟ نہ دیا تو پھر اماموں کے بارے میں یہ حکم کیوں ہو؟ یہاں تک کہ محمدی کہلوانا چھوڑ دیا۔

جواب۔

چاروں خلفاء کی تابعداری کا حکم خود رسول خدا ﷺ نے دیا ان کی حیات میں براہ راست ان کی تقلید ہوتی رہی اور اب آئمہ اربعہ کے ذریعے ان کی تقلید ہو رہی ہے۔ محمدی کہلوانے کا حکم نہ کہیں اللہ نے دیا نہ رسول ﷺ نے دیا نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کوئی محمدی کہلواتا تھا۔ مسلمانوں کو محمدی عیسائیوں نے کہنا شروع کیا۔ جیسے مرزائیوں کو احمدی کہنا شروع کیا۔ آخر امام بخاریؒ نے صحیح محمدی چھوڑ کر اپنی کتاب کا نام صحیح بخاری کیوں رکھا۔

سوال نمبر ۲۹۔

اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا تو ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقلید جاری تھی یا نہیں۔ اگر نہ تھی تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کے زمانہ میں اور اس کے بعد کیوں جاری رہی۔

جواب۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تقلید ان کی حیات میں بھی جاری تھی اب بھی بالواسطہ آئمہ اربعہ جاری ہے، البتہ جس طرح صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو اجتہاد کا حق تھا اور حضرت عثمانؓ کو بھی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے بعد بھی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جیسے مجتہدین کو اجتہاد کا حق رہا۔ تقلید غیر مجتہدین کے لئے ہوتی ہے نہ کہ مجتہدین کے لئے۔

سوال نمبر ۳۰۔

اگر عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بھی حضرت ابو بکرؓ کی تقلید جاری رہی تو اس تقلید کو کس نے بند کیا اور کیوں بند کیا؟۔ اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کیوں بند نہ ہوئی؟۔

جواب۔

جس طرح صدیق اکبرؓ کی قرأت قاریوں کے ذریعے جاری ہے اسی طرح

ان کی تقلید آئمہ کے ذریعے جاری ہے، ان کا فیض بند نہیں ہوا۔ یہ بات کئی دفعہ واضح ہو چکی ہے کہ اجتہاد و قیاس اصل میں قاعدوں کو کہتے ہیں امام صاحبؒ اپنے مجتہدین ساتھیوں کو مشورہ سے پہلے استنباط کرتے تھے۔ جیسے ایک قاعدہ طے ہو گیا تو اس کے نیچے سینکڑوں مسائل آجاتے ہیں اور وہ شاگرد آپؒ کے سامنے رکھ لیتے تھے، لیکن یہ مسائل قواعد کی ترتیب سے تھے ہر قاعدہ کے نیچے نماز کا مسئلہ آجاتا، کوئی حج کا، کوئی زکوٰۃ کا، وغیرہ۔

جیسے محدثین نے احادیث میں پہلے مسانید اور معاجم مرتب کیں کہ ایک صحابیؓ اور ایک استاد کی ساری حدیثیں ایک جزو میں لکھی جاتی تھیں، خواہ وہ نماز کی ہوں، یا حج کی، یا زکوٰۃ کی، یا ترغیب و ترہیب کی۔ پھر امام محمدؒ نے ان مسائل کی تبویب فرمائی اور ظاہر الروایات کی سی کتابیں مرتب کیں۔ اس لئے امام محمدؒ کو محرر مذہب نعمانی کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی انہوں نے اتنی احتیاط فرمائی کہ جو کتاب براہ راست امام صاحبؒ کے پاس بیٹھ کر لکھی اس کو کبیر کے نام سے موسوم کیا، جیسے جامع کبیر، سیر کبیر، اور جو قاضی ابو یوسفؒ کے نام سے لکھیں اس کو صغیر کے نام سے موسوم کیا جیسے جامع صغیر، سیر صغیر وغیرہ۔ وہ چھ کتابیں یہ ہیں۔ جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط، زیادات، جامع صغیر، یہ کتابیں اسی زمانے سے متواتر ہو گئیں۔ اس لئے ان کو ظاہر الروایات کہا جاتا ہے یہی کتابیں فقہ حنفی کا اصل ماخذ ہیں۔ بعد میں ان کتابوں کو سامنے رکھ کر متون مرتب کئے گئے جیسے قدوری، کنز، وقایہ، نقایہ، ہدایہ، تنویر وغیرہ۔ یہ مسائل جو متون میں ہیں وہ امام صاحبؒ سے متواتر ہیں اس لئے امام صاحب سے ان کی نفی گویا متواترات کی نفی ہے، جیسے کوئی جاہل قرآن پاک کی حضور ﷺ سے نفی کر دے۔

مسائل فقہ

فقہ کے مسائل تین قسم کے ہیں۔

(۱) ایک وہ جو امام صاحبؒ سے متواتر ہیں ان کو متون معتبرہ کہتے ہیں۔

(۲) وہ جو متواتر تو نہیں اخبار احاد کے طور پر مروی ہیں ان کو نوادرات کہتے ہیں ان میں

جو مفتٰی بہ ہیں وہ مذہب حنفی میں شامل کئے گئے اور غیر مفتٰی بہ مذہب حنفی نہیں کہلاتے۔

(۳) کچھ مسائل بعد میں پیش آئے ہیں جو بعد کے لوگوں نے امام صاحبؒ کے قواعد کے ذریعے معلوم کئے ہیں، جیسے حساب کے قاعدے سے نکلا ہوا جواب حساب کا جواب کہلاتا ہے اسی طرح امام صاحب کے قواعد پر نکالے ہوئے جوابات مذہب حنفی ہی کہلوائیں گے۔ بشرطیکہ مفتٰی بہ ہوں۔ فقہ کی بڑی کتابوں میں متواتر مسائل کو بطور مذہب حنفی لکھا جاتا ہے اور دوسری قسم کے مسائل کو ھی روایۃ عن ابی حنیفۃ کے انداز سے بیان کیا جاتا ہے، اور جو مسائل ان کے اصول پر نکالے جاتے ہیں ان کو واقعات اور نوادر کہا جاتا ہے، اس کو عند ابی حنیفہ اور عند ابی یوسف وغیرہ سے لکھا جاتا ہے۔ بہرحال ان تینوں قسموں سے جو مسائل مفتٰی بھا اور معمول بھا ہیں صرف ان کو مذہب حنفی کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۳۱۔

ذرا مہربانی کر کے یہ بھی بتایا جائے کہ فقہ کی موجودہ کتابوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی ہے جسے امام ابوحنیفہؒ نے خود لکھا ہو۔

جواب۔

فقہ حنفی کے وہ مسائل جو متون معتبرہ ہیں وہ امام صاحب سے اسی طرح متواتر ہیں جس طرح نبی پاک ﷺ سے قرآن متواتر ہے اور متون کے علاوہ فتاوٰی اور شروح ہیں۔ بعض مسائل اخبار احاد کی طرز پر مروی ہیں جیسے کتب احادیث کی حدیثیں۔ ان اقوال میں جو مفتٰی بھا ہیں وہ امام صاحب سے ثابت ہیں اور غیر مفتٰی بھا ثابت نہیں۔ تمام اہل سنت والجماعت حنفی، شافعی وغیرہ متون فقہ کو ان آئمہ سے متواتر مانتے چلے آئے ہیں۔

محمد معین ٹھٹھوی کا شبہ۔

سب سے پہلے مذکور نامی شخص نے اپنی کتاب دراسات النبی میں یہ شبہ ظاہر

کیا کہ ان مسائل کی نسبت آئمہ کی طرف یقینی نہیں ہے، لیکن اس رافضی کی خرافات پر کسی نے کان تک نہ دھرا حتّٰی کہ چودھویں صدی کے شروع میں ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے اس رافضی کی غلط بات کو اپنا دین وایمان بنا لیا۔ اور غیر مقلدین نے اس پر شور مچایا کہ ان مسائل کا ثبوت امام ابو حنیفہؒ سے نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین اس بات پر پورا یقین نہیں رکھتے کیونکہ جب وہ اپنے فتاوٰی اور اپنی کتابوں میں اپنی جماعت میں فقہ کا کوئی قول پیش کرتے ہیں تو پھر اس کو امام ابو حنیفہؒ سے ثابت مانتے ہیں لیکن کوئی بات ان کے خلاف ہو جائے تو پھر کہا کرتے ہیں کہ ان مسائل کا ثبوت امام ابو حنیفہؒ سے نہیں ہے۔

سوال نمبر۳۲۔

یہ بھی ارشاد ہو کہ فقہ کی ان موجودہ کتابوں میں جو بہت سے مسائل خلاف تہذیب اور خلاف طہارت ایسے بھی ہیں جنہیں سننے سے طبیعت میں کراہیت پیدا ہو اور قے آنے لگے، کیا یہ مسائل بھی فی الواقع امام ابو حنیفہؒ کے ہیں۔

جواب۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں وہ مسائل جو مفتٰی بھا اور معمول بھا ہیں وہ مذہب حنفی ہیں ان سے اگر کسی کو گھن آتی ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا، قے آجاتی ہے۔ باقی شاذ متروک مسائل مذہب حنفی ہے ہی نہیں۔

سوال نمبر۳۳۔

اگر ہم ان غلط اور خلاف تہذیب مسائل کو چھوڑ دیں تو دائرہ تقلید سے باہر تو نہیں ہو جائیں گے۔

جواب۔

تقلید کا تعلق صرف ان مسائل سے ہے جو مفتٰی بھا اور معمول بھا ہیں، ان کو

چھوڑنے سے واقعی آدمی تقلید سے باہر ہو جاتا ہے، لیکن غیر مفتٰی بہا مسائل اور غیر معمول بہا اقوال کا تعلق تقلید سے نہیں ہے۔ جیسے متواتر قرآن کو چھوڑنے والا قرآن کا مخالف ہے لیکن شاذ و متروک قرأتوں کی تلاوت ترک کرنے والا قرآن کا مخالف نہیں ہے۔ اسی طرح سنت کا تارک اہل سنت سے خارج ہے شاذ اور متروک حدیثوں کا تارک اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں ہے۔

سوال نمبر ۳۴۔

اس تقلید کے بارے میں کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بھی فرمایا ہے یا نہیں؟۔ اگر فرمایا ہے تو کیا فرمایا ہے؟۔ وہ آیت یا حدیث صاف صاف لکھ دیں جس میں ہو کہ امام ابو حنیفہؒ یا فلاں امام کی تقلید تم پر فرض ہے جو نہ کرے وہ لا مذہب ہے۔

جواب۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (الآية)

اس آیت نے لوگوں کی دو قسمیں بنا دیں۔

نمبر ۱۔

ایک وہ جو اہل ذکر ہیں جن کو دین خوب یاد ہے ان کو مجتہدین کہا جاتا ہے۔

نمبر ۲۔

وہ لوگ جو مجتہد نہیں ہیں ان کو حکم دیا کہ تم اہل ذکر سے پوچھ کر عمل کر لیا کرو۔

اسی کا نام تقلید ہے۔ رہا یہ سوال کہ آیت یا حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کا نام ہو تو یہ ایک جاہلانہ سوال ہے، جیسے قرآن میں ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن اس میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے اب جو استاد بھی میسر آجائے اس سے قرآن پڑھ لے تو اس حکم پر عمل ہو گیا۔ اب اگر کوئی ضد کرے کہ قرآن کی آیت میں یوں لکھا ہو محمد اسلم نورانی قاعدہ محمد دین سے پڑھے، تیسواں پارہ محمد علی سے پڑھے۔ تو یہ جہالت ہے اسی طرح قرآن پاک میں حکم آ گیا کہ

فانکحوا ما طاب لکم من النساء اب کوئی کہے کہ یہ تو نکاح کا حکم عام ہے یہ دکھاؤ کہ قرآن میں صاف ہو کہ محمد علی کی شادی زینب بی بی سے ہو۔ حدیث پاک میں آیا کہ اپنی بیماری کا علاج کرواؤ اب جو ڈاکٹر بھی میسر آئے اس سے علاج کروایا جائے گا۔ یوں سوال کرنا کہ بیماری کا نام ہو اور ہیضہ کا علاج ڈاکٹر اسلم سے کروانا اور انگریزی دوائی لینا ملیریا کا علاج حکیم حنیف اللہ سے کروانا اور یونانی دوائی لینا۔ جس طرح قرآن میں مومنوں کو نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن سب مومنوں کے نام مذکور نہیں ہیں۔ اب کوئی کہے کہ جب تک یہ لفظ نہ دکھاؤ گے کہ عبدالرزاق نماز پڑھے میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ تو اسے یہی سمجھایا جائے گا کہ دلیل کے دو مقدمے ہوتے ہیں ایک یہ کہ مومن نماز پڑھے یہ مقدمہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ دوسرا یہ کہ عبدالرزاق مومن ہے یہ قرآن وحدیث میں نہیں بلکہ ہمارے مشاہدہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح تقلید کا پہلا مقدمہ ہے کہ اہل ذکر سے مسائل پوچھو۔ یہ قرآن میں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا اہل ذکر میں سے ہونا امت کے اجماع سے ثابت ہے۔ اور ہمارے ملک میں صرف مذہب حنفی کا متواتر ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے جس طرح منکرین حدیث بھی آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ قرآن میں ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** اور آپ ہمیں کہتے ہیں **اطیعوا البخاری و اطیعوا الترمذی** وغیرہ۔ اور منکرین قرآن بھی پوچھ سکتے ہیں قرآن میں حکم ہے **فاقرؤ ما تیسر من القرآن** تم ہمیں کہتے ہو کہ **فاقرؤ عاصم و حمزہ.** یاد رہے کہ آئمہ کی فقہ کا درجہ تیسرا ہے، اگر ناموں کی ضرورت ہے تو پہلے سات قاریوں کے نام قرآن وحدیث میں دکھائیں۔ صحاح ستہ والوں کے نام قرآن وحدیث می دکھائیں۔ اور تیسرے نمبر پر ہم سے مطالبہ کریں۔

سوال نمبر ۳۵۔

مجتہد کو بھی تقلید کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟۔

جواب۔

مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اپنے جیسے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔ یہاں اپنے سے

بڑے کی تقلید جائز ہے یا نہیں تو حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ جواز کے قائل ہیں اور حضرت علیؓ عدم جواز کے قائل ہیں۔

سوال نمبر۳۶۔

تمام ترصحیح حدیثوں پر عمل ہر مجتہد کو اور اس کے بعد ہم کو کرنا چاہئے یہ بٹوارہ کرلیں کہ ان احادیث پر تم عمل کرو اور ان پر ہم عمل کریں گے۔

جواب۔

احادیث کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)متعارض (۲)غیر متعارض۔

غیر متعارض احادیث پر سب عمل کرتے ہیں، البتہ غیر متعارض احادیث میں تمام احادیث پر عمل ممکن ہی نہیں ہے۔اس لئے احادیث راجحہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ہم ان حدیثوں کو راجح قرار دیتے ہیں جن کو امام ابوحنیفہؒ صحابہ کرام ﷺ کے پیمانہ عمل کو دیکھ کر راجح قرار دیا اور غیر مقلدین ان احادیث کو راجح قرار دیتے ہیں جو صحابہ کرام ﷺ میں اور تابعین میں متروک العمل تھیں۔

سوال نمبر۳۷۔

چاروں امام بھی مقلد تھے یا نہیں؟۔اور مقلد تھے تو کس کے؟اور نہیں تو کیوں؟۔

جواب۔

چاروں آئمہ مجتہد تھے اور مجتہد پر اجتہاد واجب ہے نہ کہ تقلید واجب ہے۔

سوال نمبر ۳۸۔

للہ ذرا یہ بتلایئے کہ کسی امام کی طرف نسبت کرلینی شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ یہ خود اماموں کی تعلیم ہے یا نہیں؟۔اگر ہے تو وہ عبارت کس کتاب میں ہے؟۔

جواب۔

یہ نسبتیں جیسے عثمانی، علوی، حنفی، شافعی مسلمانوں میں بلانکیر جاری ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ان کی صحت پر اجماع ہے۔ اور اجماع دلیل شرعی ہے۔ آپ بھی فرمائیں کہ امام بخاریؒ نے کہا تھا میری کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہنا امام بخاریؒ کا یہ فرمان کس کتاب میں ہے اور کیا ان چھ محدثین نے کہا تھا ہماری کتابوں کو صحاح ستہ کہنا، ان کا یہ ارشاد کس کتاب میں ہے اور بخاری و مسلم نے کہا تھا کہ جس حدیث کو ہم دونوں لکھیں اس کو متفق علیہ کہنا، تو ان کا یہ قول کس کتاب میں ہے؟۔

سوال نمبر ۳۹۔

اگر چاروں امام مسائل قرآن و حدیث سے لیتے رہے تو ہمیں قرآن و حدیث سے مسائل لینے میں ہمیں غیر مقلد بن جانے کا خطرہ کیوں ہوا؟۔

جواب۔

چاروں امام مجتہد تھے اس لئے وہ مسائل کتاب وسنت سے استنباط کر سکتے تھے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے، لیکن جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے وہ اگر براہ راست اپنی ناقص رائے سے کتاب وسنت سے مسائل لیں گے تو وہ مطابق حدیث نبوی

اذا وسد الامر الٰی غیر اھلہٖ فانتظر الساعۃ (بخاری)

تو وہ دین پر قیامت ڈھا دیں گے، اگر وہ نا اہل ہو کر مجتہدین سے جھگڑیں گے تو بھی رسول ﷺ کے نافرمان ہوں گے کیوں کہ جب حضرت ﷺ بیعت لیتے تھے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہوتی تھی ان لا ننازع الامر اھلہ. جیسے کسی ان پڑھ چمار کو ڈاکٹری کتاب سے نسخہ لکھ کر علاج کرنا جرم ہے، کسی نا اہل کمہار کو ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف قانون کی تشریح کرنا جرم ہے، ایسا شخص توہین عدالت کا مرتکب ہے۔ اسی طرح نا اہل غیر مقلد کا براہ راست کتاب وسنت کو گھسیٹنا کتاب وسنت کی توہین ہے۔ اگر کوئی غیر مقلد کہے ہر شخص کو حق ہے کہ قرآن و

حدیث کو سمجھ کر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے تو مرزا قادیانی کو کیسے غلط کہے گا وہ بھی یہی کہتا ہے کہ میں نے وفات مسیح قرآن ہی سے سمجھی ہے اور منکر حدیث کو کیسے غلط کہے گا وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اطاعت برحق ہے لیکن وہ ان کی زندگی میں تھی، جیسے ہر حاکم کی اطاعت موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی اطاعت وفات کے بعد باقی نہیں رہی۔

سوال نمبر ۴۰۔

تقلید فرض یا واجب یا مباح ہے تو کن لوگوں کے لئے اور کیوں؟۔

جواب۔

تقلید مطلق واجب بالذات ہے اور تقلید شخصی واجب بالغیر ہے۔ اور اس مجتہد کی تقلید ہوگی جس کا مذہب اس علاقے میں مدون اور متواتر ہوگا۔

نوٹ۔

واجب بالذات کے لئے نص کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بالغیر کے لئے نص کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کو فقہ میں مقدمۃ الواجب کہتے ہیں۔ جیسے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس کی نص حدیث میں موجود ہے کہ نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص ہے لیکن یہاں کے لوگ اس واجب کو ادا نہیں کر سکتے جب تک سورۃ فاتحہ پر اعراب، اوقاف نہ ہوں گے۔ اس لئے فاتحہ واجب بالذات ہے اور اعراب، اوقاف واجب بالغیر ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر واجب بالذات ادا نہیں ہو سکتا اس طرح شرعاً مطلق مجتہد کی تقلید واجب ہے لیکن تکوینًا جس کا مذہب وہاں متواتر ہوگا اس کی واجب ہوگی۔

سوال نمبر ۴۱۔

یہ جو فقہ کی کتابوں میں ہے کہ عام آدمی کا کوئی مذہب نہیں؟۔ اس کے کیا معنی؟ پھر تو حنفی ہو کر بھی حنفی نہ رہے۔

جواب۔

شامی میں یوں لکھا ہے

العامی لا مذهب له الا مذهب مفتيه.

کہ عام آدمی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر جس مفتی کا التزام کرلے اس کے مذہب کی طرف منسوب ہوجائے گا۔ اگر وہ امام ابوحنیفہ کا التزام کرے تو حنفی کہلائے گا، امام شافعیؒ کا التزام کرے تو شافعی کہلائے گا۔ اگر کسی کا التزام نہ کرے وہ لا مذہب ہی رہے گا۔ اس لئے مقلد تقلید کے بعد مذہب والا ہوجاتا ہے، لیکن غیر مقلد ساری عمر غیر مقلد رہتا ہے۔

سوال نمبر ۴۲۔

مقلد قرآن وحدیث کا مطلب سمجھ سکتا ہے یا نہیں حالانکہ ہماری فقہ شریف کے اصول کی کتابوں میں ہے کہ مقلد قرآن وحدیث سے دلیل لے ہی نہیں سکتا، تو پھر گویا قرآن و حدیث منسوخ اور بے کار ہے۔ اگر لے سکتا ہے تو تقلید کی ضرورت ہی کیا ہے؟۔ اگر نہیں لے سکتا تو قرآن وحدیث ہی کیا؟۔

جواب۔

مجتہد اور مقلد میں **ما به الامتياز** استنباط اور اجتہاد ہے، مجتہد کتاب وسنت سے نئے آمدہ مسائل تلاش کرسکتا ہے لیکن مقلد نہیں کرسکتا۔ ہاں وہ مجتہد کی راہنمائی میں ان مسائل پر عمل کرلیتا ہے جو مجتہد نے کتاب وسنت سے تلاش کئے ہیں۔ اس کو یوں سمجھیں کہ جیسے ایک ڈاکٹر کی کتاب مریضوں کے علاج کے لئے لکھی گئی، لیکن خود مریض اس سے اپنے لئے نسخہ نہیں لے سکتا اور نہیں لکھ سکتا۔ نسخہ ماہر ڈاکٹر ہی لکھے گا۔ کتاب وسنت کے جو مسائل ترجمے سے سمجھ آتے ہیں وہ ہر ترجمہ والا جان لیتا ہے، لیکن مسائل کے وہ موتی جو الفاظ کی تہہ میں چھپے ہوئے ہیں ان کو نکالنے کے لئے غوطہ خوری کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو خود غوطہ خور نہیں وہ اگر موتی نکالنے کے لئے غوطہ لگائے وہ موتی نہیں لائے گا خود ہی وہاں ڈوب جائے گا۔ جیسے ڈاکٹری کی کتابیں بے فائدہ

نہیں لیکن وہ ڈاکٹروں کے لئے لکھی گئی ہیں نہ کہ کمہاروں کے لئے۔ قانون کی کتابیں بے فائدہ نہیں لیکن ان کو سمجھنا وکیل کا کام ہے نہ کہ چمار کا۔

سوال نمبر ۴۳۔

مقلد قرآن وحدیث سے دلیل پکڑ سکتا ہے یا نہیں؟۔

جواب۔

مجتہد اور مقلد میں **ما به الامتیاز** نیا مسئلہ تلاش کرنا ہے یہ مقلد نہیں کرسکتا۔ تلاش مسائل کے لئے کتاب وسنت کے دلائل کرسکتا ہے چنانچہ صاحب ہدایہؒ، علامہ عینیؒ، ملا علی قاریؒ، اور شوافع میں ابن حجرؒ، مالکیوں میں ابن عبدالبرؒ حنبلیوں میں ابن تیمیہؒ وغیرہ باوجود مقلد ہونے کے مسائل کے ساتھ کتاب وسنت کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

تقلید کی تعریف میں عدم علم بادلیل شامل نہیں، ہاں مجتہد سے اس کی خاص دلیل کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ جیسے امتی کو یہ حق نہیں ہوتا کہ ماننے کے بعد جزیات میں نبی سے الجھے کہ اس مسئلہ کی دلیل دوگے تو عمل کروں گا ورنہ نہیں کروں گا۔ امتی اپنے نبی سے بلا مطالبہ دلیل مسئلہ تسلیم کرلیتا ہے پھر اپنی تسکین قلب کے لئے کوئی دلائل جمع کرنا یا مخالفین کی زبان بندی کے لئے اپنے نبی کے مسئلہ پر دلائل بیان کردے تو اس سے امتی ہونے سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اعلیٰ درجہ کا امتی شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح مقلد اپنے امام سے مسئلہ بلا مطالبہ دلیل تسلیم کرلے، پھر اپنی تسکین قلب کے لئے خود دلائل تلاش کرے یا مخالفین کی زبان بندی کے لئے اپنے مسئلہ کے دلائل بیان کرے تو وہ امام کا نافرمان نہیں سمجھا جائے گا بلکہ امام کا اعلیٰ درجہ کا فرمانبردار سمجھا جائے گا۔

سوال نمبر ۴۴۔

چار مصلے مکہ معظّمہ میں خاص خانہ کعبہ میں جو قائم ہوئے تھے ان کو کس نے قائم کیا تھا؟ اور کیوں قائم کیا؟۔ اور کب قائم کیا؟ کیا اس سے مسلمانوں کے دین کے ٹکڑے

ٹکڑے نہیں ہوئے تھے؟۔اور اماموں نے اسے کیوں قائم نہ کیا؟۔سنا ہے کہ یہ ساتویں صدی کی بدعت ہے؟۔

جواب۔

ساتویں صدی سے لے کر تیرہ سو پینسٹھ تک ۱۳۶۵ھ تک مکہ مکرمہ میں چار مصلے رہے۔حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی۔جس سے پوری دنیا پر واضح رہا کہ اہل سنت والجماعت کے چار مذہب ہیں،ان کا فائدہ یہ تھا کہ اہل سنت والجماعت کے نام سے کوئی نیا فرقہ نہ بن سکا۔اس ملک میں کوئی نیا فرقہ بنتا تو لوگ فوراً پوچھتے کہ خانہ کعبہ میں تمہارا کون سا مصلے ہے۔جب وہ نہ بتا سکتا تو اس کا فتنہ وہیں ختم ہو جاتا۔تیرہ سو پینسٹھ میں نجدی حکومت قائم ہوئی انہوں نے ایک حنبلی مصلے قائم رکھا خانہ کعبہ میں جب چار مصلے تھے تو غیر مقلدین کا مصلے اس وقت بھی نہیں تھا،اب ایک ہے تو وہ بھی مقلدوں کا ہے۔غیر مقلدین کا مصلے اب بھی نہیں ہے۔اس لئے غیر مقلدین کا تعلق مکہ مدینہ سے کبھی نہیں رہا۔آج کل جو غیر مقلد شور مچاتے ہیں کہ کہ وہاں کا امام رفع یدین کرتا ہے تو رفع یدین ان کا یعنی غیر مقلدین کا امتیازی نشان نہیں۔وہ تو حنبلی اور شافعی بھی کرتے ہیں۔غیر مقلدین یہ بتائیں کہ جب تقریباً چھ سو سال خانہ کعبہ میں چار مصلے رہے تو کیا وہ چاروں حق تھے یا نہیں؟اگر صدیوں تک وہاں ناحق رہ سکتا ہے تو یہ حکومت جس کی ابھی ایک صدی بھی مکمل نہیں ہوئی تو ان کا طریقہ بھی ناحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟۔ہم تو چاروں کو برحق مانتے ہیں غیر مقلد تقلید کو شرک مانتے ہیں وہ بتائیں کہ کم از کم چھ سو سال خانہ کعبہ میں شرک ہوتا رہا اس وقت کعبہ کعبہ تھا یا نہیں۔

سوال نمبر ۴۵۔

جب کہ ہمارے نزدیک چاروں مذہب برحق ہیں پھر اہل حدیث کو جو ایک برحق مذہب کے مطابق آمین رفع یدین اور سورۃ فاتحہ بجالاتے ہیں کیوں روکا جائے؟۔

جواب۔

چاروں مذہب برحق ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے چار کھیت ہوں ان میں سے وہ آدمی جس کے کھیت نہیں وہ مانگ کر گنا لے لے تو یقیناً حلال ہے، لیکن غیر مقلدین کی طرح گنا ایک کھیت سے چوری کر لیا اور آلو دوسرے کھیت سے چوری کر لئے، ککڑیاں تیسرے کھیت سے چوری کر لیں۔تو یہ چوری کا مال یقیناً حرام ہے۔

وہ چاروں مذاہب ہیں اور غیر مقلدیت چوری ڈاکے کی مارکیٹ ہے۔اتنی بے غیرتی کہ آئمہ دین کو دین کے ٹکڑے کرنے والا بھی کہا جاتا ہے اور ان کے مسائل چوری کر کے نماز میں بھی شامل کئے جاتے ہیں۔ہم تو اس کو نمک حرامی کہتے ہیں کہ انسان جس دیگ سے کھائے اس میں پیشاب کرے۔تو کتا بھی جس گھر سے کھاتا ہے اس گھر والوں کو نہیں بھونکتا،لیکن غیر مقلدین باؤلہ کتا ہے کہ جن کا کھاتا ہے ان کو بھونکتا بھی ہے۔

سوال نمبر ۴۶۔

اہل سنت والجماعت کی کیا تعریف ہے؟ جبکہ مقلد سنت سے دلیل لے سکے نہ جماعت صحابہ کے اجماع سے؟۔پھر اہل سنت والجماعت کیوں کہا جائے؟۔

جواب۔

اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو چار دلیلوں کو مانتے ہیں سنت میں علم قرآن اور نمونہ عمل نبی پاک ذی شان ﷺ کا اور والجماعت میں صحابہ کے اجماع جس کی پہچان آئمہ اربعہ کے اقوال سے ہوتی ہے اور حنفی،شافعی میں اجتہادی مسائل ہمارے ہاں اجماعی مسائل حجت قاطعہ سے اور اجتہادی اختلافی مسائل رحمت واسعہ ہیں۔یہ کہنا کہ مقلد کتاب وسنت و اجماع کو نہیں مانتا یہ جھوٹ اور بہتان ہے۔

فقہ حنفی کے چار اساس۔

کتاب سنت اجماع قیاس

سوال نمبر ۴۷۔

اہلحدیث یعنی صرف قرآن وسنت پر عمل کرنے والوں کی جماعت جب سے کتاب وسنت ہے تب ہی سے ہے یا بیچ میں اس کا عامل کوئی بھی نہیں رہا تھا یعنی کتاب اللہ و حدیث مصطفیٰ ﷺ پر کسی کا عمل ہی نہ تھا۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے عامل قیامت تک رہیں گے؟۔

جواب۔

اہل حدیث انگریز کے دور سے پہلے کسی مذہبی فرقے کا نام نہیں تھا بلکہ ایک علمی طبقے جیسے محدث یا شیخ الحدیث کو اہل حدیث یا اصحاب حدیث کہتے تھے۔ اسی طرح انگریز کے دور سے پہلے اہل قرآن کسی مذہبی فرقے کا نام نہیں تھا بلکہ ایک علمی طبقے کا نام تھا جو قرآن کا حافظ ہو۔ اس لئے اہل حدیث اور اہل قرآن بحیثیت فرقہ انگریز کے دور سے پہلے کہیں موجود نہ تھے مذہبی فرقے اور علمی طبقے کے نام میں ایک واضح فرق ہوتا ہے کہ مذہبی فرقے کا نام ہر عالم، جاہل بچے بوڑھے مرد عورت پر بولا جاتا ہے جیسے عالم بھی مسلمان ہے، بوڑھا بھی سنی ہے، بچہ بھی سنی ہے۔ لیکن علمی طبقے کا نام جب تک وہ علم حاصل نہ کرلے اس پر استعمال نہیں ہوتا مثلاً شیخ الحدیث کے بیٹے کو شیخ الحدیث نہیں کہا جائے گا۔ جب تک کہ وہ یہ علم حاصل نہ کرلے۔ سائنسدان کی بیوی کو سائنسدان نہیں کہا جاتا جب تک کہ وہ سائنس نہ پڑھے اس لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر تمہارا دعوٰی ہے کہ انگریز کے دور سے پہلے اہل حدیث کسی فرقے کا نام تھا تو صرف ایک حوالہ دیں کہ انگریز کے دور سے پہلے کسی ان پڑھ کو اہل حدیث یا اہل قرآن کہا جاتا تھا۔ ہم فی حوالہ دس لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

لیکن نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

سوال نمبر ۴۸۔

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا صرف پیغمبر الٰہی ﷺ کے ہاتھ ہی میں ہوگا یا ان چار اماموں کے جھنڈے الگ الگ لہرا رہے ہوں گے، حوض کوثر صرف حضور ﷺ ہی کا ہوگا یا چاروں اماموں کے بھی ہوں کے؟۔اگر یہ صرف حضور ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر دنیا میں کیوں ادھر ادھر منہ ماریں؟۔

جواب۔

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا صرف حضور پاک ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا جس کے نیچے سارے نبی امتوں سمیت کھڑے ہوں گے اور سارے امام بھی مقلدین سمیت کھڑے ہوں گے اور اسی طرح حوض کوثر میں حاضر ہوں گے۔امام شعرانیؒ نے قیامت کا نقشہ جو اپنے کشوف کی روشنی میں مرتب فرمایا ہے اس میں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی مقلدین میدان قیامت میں بھی پل صراط پر بھی اور جنت کے دروازوں پر بھی دکھائے گئے ہیں لیکن غیر مقلدین کا وہاں نام و نشان تک نہیں شاید وہ پہلے ہی دوزخ میں گر چکے ہوں گے؟۔

سوال نمبر ۴۹۔

اگر کسی امام کے مقلد کے پاس کوئی صحیح حدیث پہنچے اور وہ اس امام کے قول کے خلاف ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے؟۔جو یہ کہہ کر اس حدیث کو ٹال دے کہ یہ میرے مذہب میں نہیں وہ مسلمان رہا یا اسلام سے خارج ہوگیا اور ایسے وقت مقلد کو کیا کرنا چاہئے؟۔

جواب۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ کتاب وسنت کا مطلب فقہاء سے سمجھنا چاہئے، اس لئے اگر کسی عامی کو حدیث ملے تو فرمان رسول رب حامل فقه غیر فقیه کے مطابق افقہ کے پاس لے جانی چاہئے اس لئے غیر مقلدین فقہاء سے سمجھنے کے بغیر اپنی خود رائی پر عمل کرتے ہیں جس سے وہ صرف فقہاء کے نہیں بلکہ خدا اور رسول ﷺ کے بھی نا

فرمان ہوتے ہیں۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں غیر مقلدین کو کوئی حدیث دکھائیں اس کے عقیدہ و عمل کے خلاف ہو تو وہ کبھی اس پر عمل نہیں کرے گا۔ یہی کہے گا مجھے لکھ دو کہ اپنے مولوی (غیر فقیہ) سے سمجھوں گا حالانکہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کا نافرمان ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فقیہ سے سمجھنے کا حکم فرمایا ہے وہ خود بھی غیر فقیہ ہے اور غیر فقیہ کی طرف جاتا ہے۔ فیاللعجب۔

سوال نمبر ۵۰۔

دین تو ایک ہے یہ چار فرقے کہاں سے؟۔ حضور ﷺ تو ایک دین کو لے کر آئے تھے چار دینوں کو نہیں لے کر آئے تھے۔

جواب۔

یہ محض ان کا دھوکا ہے مطالعہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ یہ چار مذاہب ہزاروں مذاہب سے بنے ہیں ان سے پہلے سینکڑوں مذاہب تھے لیکن ان سینکڑوں میں سے ان چار پر اجماع ہوگیا۔ اس کی مثال۔ ایک آدمی کے بارہ بیٹے ہوں اس آدمی کی موجودگی میں آٹھ بیٹوں کا انتقال ہوگیا اور بقیہ چار کی موجودگی میں باپ کا انتقال ہوگیا تو بتلائیے وراثت کے حق دار کون لوگ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ چار بیٹے وراثت کے حق دار ہوں گے ان آٹھ کے انتقال میں باپ کا کوئی اثر دخل نہیں اور نہ بھائیوں کا اور نہ باپ کے انتقال میں بیٹوں کا اثر ہے یہ تو خدائی تقسیم ہے اسی طرح بقیہ اماموں کا مذہب ختم ہونا اس میں بقیہ چار اماموں کا کوئی اثر نہیں ان چاروں کا ہی مذہب برقرار رہا اس میں بھی ان کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ خدائی تقسیم ہے۔

اہل حدیث کا پہلا قدم

سلف صالحین سے بدگمانی پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ان کی تشریحات سے اعتماد اٹھ جائے اور خودرائی اور اتباع ھویٰ کا کیڑا پیدا ہو۔

اہل حدیث کا دوسرا قدم

سلف صالحین پر بدزبانی۔ان پر لعن طعن کرنا ہر ایک اہل حدیث کے اندر یہ دو چیزیں بدرجہا اتم موجود ہوتی ہیں۔

ا لاما شاء الله.

تحقیق کے تین مدارج

(۱)ثبوت (۲)دلالت (۳)رفع تعارض

کسی حدیث پر عمل کرنے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

﴿۱﴾ثبوت۔

کہ ان کی حدیث ثابت ہو یقین یا کم از کم ظن غالب ہو کہ یہ حضور ﷺ یا صحابی یا تابعی کا قول فعل یا تقریر ہے۔اس بات میں ہم سراپا امتیوں کے محتاج ہیں۔کسی حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا صرف محدث کی رائے یا تقلید پر مبنی ہے۔اللہ یا رسول ﷺ نے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف نہیں کہا۔ اس لئے غیر مقلدین کو نہ کسی حدیث کو صحیح کہنے کا حق ہے نہ ضعیف کہنے کا۔

البتہ ہم اہل سنت والجماعت ہر اس حدیث کو جس پر عمل کرنے پر چاروں آئمہ کا اتفاق ہے بدلیل اجماع صحیح کہیں گے۔اور جس حدیث پر عمل کرنے میں آئمہ اربعہ میں اختلاف ہو تو جس پر ہمارے امام کا عمل ہوگا اس کو صحیح کہیں گے۔کیوں کہ ہمارے امام صاحب سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔

اذا صح الحدیث فھو مذھبی.

﴿۲﴾ دلالت۔

کسی چیز کے ثبوت سے بھی مسئلے کا ثبوت نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں دلالت کی بحث باقی ہوتی ہے۔قادیانی وغیرہ بعض آیات قرآنی سے غلط استدلال کرتے ہیں ان آیات

کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہوتا۔سارا اختلاف دلالت میں ہوتا ہے۔اس دلالت میں بھی ہم سراپا مجتہدین کے محتاج ہیں۔دلالت کی بحث میں سب سے اہم مسئلہ احکام شرعیہ کی تعیین کا ہے کہ کون سی چیز فرض ہے اور کون سی واجب کون سی مکروہ اور کون سی حرام۔

﴿۳﴾رفع تعارض۔

دلالت بھی واضح ہو جائے لیکن اگر کوئی دوسری دلیل اس دلیل کے معارض ہو تو بھی مسئلے کا ثبوت نہیں ہوگا۔جب تک اس تعارض کو رفع نہ کیا جائے رفع تعارض میں پہلے نسخ کو دیکھا جائے گا نسخ میں نسخ اجتہادی بھی ہے۔اس کے بعد تطبیق کی کوشش کی جائے گی۔اور آخری کوشش ترجیح کی ہوگی۔

غیر مقلدین سے ہمارا سوال

غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہی ہوتا ہے کہ آپ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں کیا احادیث متعارضہ میں آپ تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں یہ تو ناممکن ہے۔اور اگر صرف ایک پہلو احادیث راجحہ پر عمل ہے تو کیا وجہ ہے کہ جن احادیث کو خیر القرون کے مجتہد نے راجح قرار دیا ان احادیث راجحہ پر عمل کرنے والے کو تو آپ اہل حدیث نہ کہیں لیکن جن احادیث کو پندرہویں صدی کے جاہل کندے ناتراش نے راجح قرار دیا اس پر عمل کرنے والے کو اہلحدیث کہتے ہیں حالاں کہ وہ آل حدیث ہے۔

محدثین اور فقہاء

حضرات محدثین صرف ایک بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ثابت ہے یا نہیں اور ثابت ہے تو درجہ تواتر میں یا صحت میں یا حسن میں۔دلالت پر وہ بہت کم بحث کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کو کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہ فرض واجب کی تعریف ملے گی نہ سنت مستحب کی اور نہ ہی ان احکام کی تفصیل ہوگی۔کیونکہ

ان احکام کا تعلق دلالت سے ہے نہ کہ ثبوت سے لیکن فقہاء مکمل بحث کے بعد تمام شرائط ارکان وغیرہ وغیرہ پوری تشریح اور تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح محدثین رفع تعارض کی طرف بھی کوئی التفات نہیں کرتے۔ایک باب باندھتے ہیں پھر اس کے خلاف ایک اور باب باندھ دیتے ہیں۔مصنف عبدالرزاق،مصنف ابن ابی شیبہ ترمذی، طحاوی وغیرہ میں اختلافی ابواب کی بہت ساری مثالیں ہیں۔لیکن آئمہ مجتہدین رفع تعارض کر کے عمل کے لئے ایسی جچی تلی رائے بتلاتے ہیں کہ لیلها کنهارها.اس لئے مسائل کی مکمل تحقیق صرف اور صرف فقھاء نے فرمائی ہے۔

حضرت امام اعظمؒ

یہ بات اواپنوں اور بیگانوں میں مشہور ہوگئی ہے کہ امام بخاریؒ نے الجامع المختصر میں تمام صحیح احادیث جمع فرمائی ہیں۔اگرچہ بہت سی صحیح احادیث کو چھوڑ بھی دیا گیا ہے لیکن ان احادیث کی صحت امام بخاری کی شخصی تحقیق سے ثابت ہیں اوران کی کوشش یہی تھی کہ وہ ایسی اسانید جمع فرمائیں جن کے راوی تام الضبط اور کثیر الملازمت ہوں اگرچہ وہ پوری کتاب میں اس معیار کو قائم نہیں رکھ سکے۔اس لئے بہت سی احادیث ایسے راویوں کی بھی لینی پڑیں جو اگرچہ کثیر الملازمت تھے لیکن تام الضبط نہیں تھے یا اس کے برعکس۔اس کے برعکس سیدنا امام اعظمؒ فرماتے ہیں میں وہ صحیح احادیث لیتا ہوں جو ثقات سے ثقات روایت کرتے ہیں۔اور جن کی صحت پر تمام محدثین اہل کوفہ کا اتفاق ہوتا ہے۔

امام اعظم کی سند میں نہ صرف یہ دو خوبیاں ہوتی ہیں کہ ہر راوی تام الضبط اور کثیر الملازمۃ ہو بلکہ اس سے زائد دو خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کو بھی حاصل نہیں کہ ہر راوی خیر القرون کا ہو اوہ افقہ الناس ہو اور اس حدیث کی سند کو فقہاء کے عملی تواتر کی تائید بھی حاصل ہو۔معلوم ہوا کہ تحقیق کا مرحلہ اول یعنی ثبوت حدیث کی بحث میں امام بخاریؒ کے فیصلے ان کی ذاتی رائے پر ہیں اوہ امام اعظمؒ کے فیصلے جماعتی رائے پر ہیں۔اوہ حدیث

ہے۔

ید اللہ علی الجماعۃ.

تدوین فقہ حنفی

اسی طرح دلالت کی بحث میں امام ابوحنیفہؒ کے مدمقابل امام بخاریؒ وغیرہ نہیں ہیں بلکہ امام شافعیؒ، احمدؒ ہیں۔ان تینوں آئمہ کرام نے تنہا بیٹھ کر اپنی فقہوں کو مرتب فرمایا لیکن امام اعظمؒ نے پہلے تقریباً چالیس مجتہدین کی جماعت تیار فرمائی -اور پھر شنوائی انداز میں فقہ کو مرتب فرمایا کوئی بات بھی صرف اپنی ذاتی تحقیق پر نہیں رہنے دی۔اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک حافظ اکیلا ہی قرآن سنائے اور اس کے پیچھے لقمہ دینے والا کوئی حافظ نہ ہو۔اور ایک حافظ ایسی جگہ قرآن سنائے جہاں چالیس حفاظ لقمہ دینے والے ہوں۔

یہی حال تھا کہ جب امام شافعیؒ فقہ مرتب فرماتے تھے تو ان کے پاس کوئی مجتہد ان کو لقمہ دینے والا نہ ہوتا تھا، لیکن جب امام اعظمؒ فقہ مرتب فرماتے تو ان کے ہاں چالیس کم وبیش فقہاء، آئمہ لغت اور آئمہ قیاس لقمہ دینے والے ہوتے۔

اسی لئے امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس مسئلہ میں تین آئمہ کا اتفاق ہو جائے تو پھر اس میں اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پوچھا گیا وہ کون سے تین امام ہیں فرمایا امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، امام محمدؒ۔امام ابوحنیفہؒ اجتہاد میں سپیشلسٹ ہیں ابو یوسفؒ حدیث میں متخصص ہیں اور امام محمدؒ لغت کے امام ہیں۔اسی طرح رفع تعارض کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے آخری فعل کی تلاش کرتا ہوں جبکہ دوسرے آئمہ دین نے یہ التزام نہیں فرمایا۔

تحقیق کا حق

واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ

منھم ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطن الا قلیلا(سورۃ نساء آیت نمبر ۸۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا حق صرف دو ہستیوں کو دیا ہے۔

(۱)رسول ﷺ (۲)مجتہد

کیونکہ مسائل کی دو ہی قسمیں ہیں۔

(۱)منصوصات (۲)مجتہد فیہ۔

منصوصات کی تحقیق رسول پاک ﷺ سے ہوتی ہے۔اور اجتہادی مسائل کی تحقیق مجتہد کرتا ہے۔انہی مجتہدین کو قرآن نے فقہاء بھی فرمایا ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ**

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون

(التوبہ آیت نمبر)

استنباط کا معنیٰ

یہ ہوتا ہے کہ جو پانی زمین کی تہہ میں چھپا ہوا ہے اس کو نکال لینا،خواہ کنواں کھود کر یا نلکا وغیرہ لگا کر۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عام فہم مثال سے بات سمجھا دی کہ جتنا انسانی زندگی کے لئے پانی ضروری ہے اتنی ہی اسلامی زندگی کے لئے فقہ ضروری ہے۔دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ نلکے وغیرہ میں جو پانی آتا ہے اس پانی کے پیدا کرنے والا انسان نہیں ہے جس نے کنواں یا نلکا وغیرہ لگایا، بلکہ پانی کا ایک ایک قطرہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اس انسان نے صرف اس چھپے ہوئے پانی کو ظاہر کر دیا ہے، تا کہ خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔لیکن اسی بات کو اصول کی کتابوں میں ان الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ **القیاس مظھر لا مثبت**. کہ قیاس سے کتاب وسنت کا پوشیدہ مسئلہ ظاہر کیا جاتا ہے مسئلہ گھڑا نہیں جاتا۔جیسے حساب دان حساب کے قاعدہ سے حساب کا جواب نکالتا ہے جیسے ۷×۹=۶۳ اور ۸×۹=۷۲ ہوتا

ہے،اسی طرح فقہ کالفظی معنی ہے الشق و الفتح، کسی چیز کو پھاڑ نا یا کھولنا۔جیسے اخروٹ اور بادام کا چھلکا اتار کر مغز نکال لینا۔اسی طرح مجتہد غوطہ خور کی طرح غوطہ لگا کر اس کی تہہ سے جو موتی نکالتا ہے انکو اجتہادی مسائل کہا جاتا ہے۔جو آدمی غوطہ خور نہ ہو اور پھر موتی نکالنے کے لئے سمندر میں چھلانگ لگائے تو وہ موتی نہیں نکال سکتا بلکہ خود ہی وہاں رہ جاتا ہے۔جس طرح نلکے کے پانی کا ایک ایک قطرہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اسی طرح فقہ کا ایک ایک مسئلہ اللہ یا رسول ﷺ کے حکم کو ظاہر کرتا ہے۔

نوٹ

جس طرح قانونی مسائل کی تحقیق کا حق صرف قانون دان کو ہی ہوتا ہے چماروں کو نہیں۔اسی طرح ڈاکٹری مسائل کی تحقیق کا حق ڈاکٹروں کا ہے جولاہوں کا نہیں۔اسی طریقہ سے کتاب وسنت کی تحقیق کا حق اللہ اور رسول ﷺ نے صرف فقہاء اور مجتہدین کو دیا ہے اور کسی کو نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ نے منصوصات میں تحقیق کا حق رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے، رسول ﷺ کی بات کو حدیث اور طریقہ کو سنت کہتے ہیں۔

کیا ہمیں قرآن کافی ہے؟

بعض لوگوں نے یہ سوچا کہ جب عربی لغت موجود ہے تو پھر رسول ﷺ سے قرآن کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔انہوں نے کہا کہ ہمیں قرآن کافی ہے، اور ہمیں سنت کی ضرورت نہیں اور اپنا نام اہل قرآن رکھ لیا۔

رسول پاک ﷺ کی سنت کا انکار کرنے کے لئے خالق اور مخلوق میں جتنے فرق تھے وہ سارے بیان کر ڈالے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے رسول ﷺ مخلوق ہیں، رسول ﷺ ساجد ہیں اللہ مسجود ہیں، رسول عابد ہیں اللہ معبود ہیں، اللہ مالک ہے رسول ﷺ مملوک ہیں اور اسی طرح کے فرق نکال کر یہ نتیجہ نکالا کہ اگر رسول ﷺ کی بات بھی مان لی جائے تو یہ شرک فی الالوھیت ہو

جائے گا۔

اس وسوسے کا جواب

لیکن اللہ تعالٰی نے لفظ رسول میں اس وسوسے کا جواب دے دیا کہ رسول اپنا کہتا ہی نہیں بلکہ خدا ہی کا پیغام پہنچاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالٰی

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یو حی.

گفتہ او گفتہ اللہ بود
اگرچہ از حلقوم عبداللہ بود
گفتہ او گفتہ اللہ داں
ہمچوں شجرہ موسی عمران دان
آنکہ آوازے کہ آمد از درخت
از خدا بودہ نہ بودہ از درخت

اسی طرح زبان مصطفےﷺ کی ہوتی ہے اور کلام خدا کا نازل ہوتا ہے۔

کیا ہمیں حدیث کافی ہے اور مجتہد کی فقہ کی ضرورت نہیں ہے؟

اسی طرح ایک دوسرا فرقہ اٹھا اس نے کہا کہ ہمیں رسولﷺ کی تحقیق کافی ہے مجتہد کی فقہ کی ضرورت نہیں اور جتنے فرق امتی اور رسول میں ہو سکتے تھے وہ سارے نکال ڈالے کہ رسول معصوم اور مجتہد غیر معصوم ہے، اور رسول صاحب وحی اور مجتہد پر وحی نہیں آتی اور پھر نتیجہ یوں نکالا کہ مجتہد کی تقلید گویا شرک فی النبوۃ ہے۔

اس وسوسے کا جواب

اللہ تبارک وتعالٰی نے لفظ استنباط میں ہی اس وسوسہ کا جواب دے دیا تھا کہ جس طرح کنواں کھودنے والا ایک قطرہ پانی کا بھی خود خالق نہیں ہوتا بلکہ خدا ہی کے پیدا شدہ پانی

کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح مجتہد ایک مسئلہ بھی اپنی طرف سے نہیں گھڑتا بلکہ کتاب و سنت میں پوشیدہ مسائل کو ہی نکال کر پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے کہ ہر انسان پر تحقیق کا بوجھ نہیں ڈالا بلکہ انہیں رسول اور مجتہد کی تحقیق کا پابند بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو تم لوگ شیطان کے تابعدار بن جاتے۔

اہل قرآن پکا شیطان ہے

اس سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کی تحقیق سے دور رہنے والا اگرچہ اپنا نام اہل قرآن رکھے لیکن قرآن اس کو شیطان کہتا ہے۔

غیر مقلد بھی پکا شیطان ہے

اسی طرح مجتہدین کی تقلید سے منہ موڑنے والا اگرچہ اپنا نام اہل حدیث رکھے لیکن کتاب و سنت کی نظر میں وہ پکا شیطان ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہی آیا ہے۔

فقيه واحد اشد على الشيطن من الف عابد.

تقلید شخصی کا ثبوت

فقہ والی آیت میں۔

ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون.

فرمایا کہ اپنے علاقہ اور اپنی قوم کے فقیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے نہ کہ دوسرے علاقہ کے فقیہ کی طرف۔ کیونکہ جس تواتر اور یقین اور سہولت کے ساتھ اپنے علاقہ کے فقیہ کا فتوی مل سکتا ہے دوسرے علاقہ کے فقیہ کا فتوی نہ اس سہولت سے مل سکتا ہے اور نہ ہی اس یقین سے۔

واتبع ملة ابراهيم حنيفا.

حنیف یک رخ ہونے کو کہتے ہیں اور قرآن پاک میں اتباع میں یک رخ ہونے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ تقلید شخصی ہی سے ہوسکتا ہے، کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کا دوسرا ملت

حنیف ہے اور اس کے مدون اول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں اس لئے آپ کی کنیت ابوحنیفہؒ قرار پائی۔ ابوحنیفہ کنیت نسبی نہیں بلکہ کنیت وصفی ہے۔ جیسے ابو ہریرہ، ابوتراب، ابوالخیر وغیرہ۔

علامہ زمخشری اپنی کتاب **مدارک قیاس فی مناقب نعمان** میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ نے ملت حنیف کو مدون فرمایا اور اس طرح کنٹرول میں کرلیا کہ جس طرح سوار گھوڑے کو لگام پکڑ کر کنٹرول میں کرلیتا ہے اس لئے آپ کو ابوحنیفہؒ کہا جاتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کی یہ عبارت مشہور غیر مقلد امین یمانی نے بھی اپنی کتاب الروض عن ابی القاسم میں لکھی ہے۔ غیر مقلدین کا عجیب انداز ہے جب وہ تقلید کا رد کرتے ہیں تو خود اتباع کا معنی تقلید کرتے ہیں اور یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباء نا اولو کان آباء ھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون. (۲-۱۷۰)

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباء نا اولو کان آباء ھم لا یعلمون شیئاً ولا یھتدون.

ان آیات میں وہ بھی کہتے ہیں تقلید آباء سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، کسی کا باپ بننا نہ عمل اختیاری ہے نہ برا ہے۔

ان آیات میں ایسے آباء کی تقلید کی برائی ہے جو بے دین، بے علم، بے عقل تھے۔ قرآن پاک نے بات کتنی واضح کردی کہ جو خدا کی راہ سے ہٹانے والے ہیں ان کی تقلید نہ کرنا، لیکن منیب جو خدا کی راہ پر لگانے والے ہیں ان کی تقلید کرنا۔ یہاں حکم قید پر ہے کہ بے دینوں کے عقائد کفریہ میں تقلید نہ کرنا۔ غیر مقلدین اس قید کو حذف کرکے مغالطہ دیتے ہیں جو ایک بہت بڑا فریب ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی کہے کہ جھوٹے نبی کی بات نہ ماننا۔ یہاں نہ ماننے کا حکم جھوٹ کی قید پر ہے۔ اگر اس کو کوئی یوں نقل کرے کہ فلاں آدمی نے کہا نبی کی بات نہ ماننا، تو یہ ایک بہت بڑا فریب ہے۔ غیر مقلدین یہ اتنا بڑا فریب قرآن کے ساتھ کرتے ہیں اور پھر اس فریب کو چھپانے کے لئے فوراً قوالی پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

ما اہل حدیثم دغا را نہ شناسیم

کبھی یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ تقلید اور اتباع میں فرق ہے۔ تقلید کہتے ہیں کسی کی بے دلیل بات کو ماننا اور اتباع کہتے ہیں قرآن وحدیث کی بات کو ماننا۔ لیکن یہ فریب بھی قرآن کی کئی آیات کا انکار ہے۔ مثلاً مشرکین کے آباء کی تابعداری کو اتباع کہا گیا ہے، تو کیا وہ قرآن وحدیث کو مانتے تھے؟ اسی طرح قرآن میں ہے

واتبعوا امر فرعون (۹۷-۱۱)

ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن (۹-۵۹)

یتبعون الشھوات (۴۷-۴)

یتبعون اھواء ھم (۵۰-۳۸)

ان یتبعون الا الظن (۱۱۶-۶)

اور کبھی کہتے ہیں کہ ہم مطلق تقلید کے قائل ہیں صرف تقلید شخصی کا انکار کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تم مطلق تقلید کے قائل ہو تو تم غیر مقلد نہ رہے، اور مشرکین اپنے آباء کی تقلید شخصی نہیں کرتے تھے کیونکہ شخصی تقلید کی پہچان ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی نسبتیں قائم کرتے ہیں۔ حنفی، شافعی وغیرہ۔ لیکن مشرکین کی نسبتیں ابوجہلی، ابولہبی وغیرہ قرآن وحدیث سے یا کسی تاریخ سے ثابت نہیں کی جاسکتیں۔

ہم اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلائل مانتے ہیں

ہم اہل سنت والجماعت بالاتفاق بالترتیب چار دلائل مانتے ہیں، جیسا کہ اس شعر میں

ہے۔

فقہ حنفی کے چار اساس

کتاب، سنت ، اجماع اور قیاس

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذالک خیر و احسن تاویلاً.(سورۃ النساء آیت نمبر ۵۹)

جلالین ص ۷۹ کے حاشیہ پر تفسیر صاوی کی عبارت منقول ہے کہ اس آیت میں چار دلیلوں کا ذکر ہے۔اسی طرح امام رازی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت ادلہ اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے کتاب اللہ مراد ہے،رسول ﷺ کی اطاعت سے سنت،اولی الامر سے اجماع اور اللہ اور رسول کی طرف رد کرنے سے رد النظر الی النظر یعنی قیاس مراد ہے۔اور اولی الامر کی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے الذین یستنبطونہ منھم سے فرمائی ہے تو معلوم ہوا اولی الامر مجتہدین ہیں۔

چونکہ اولی الامر کے بعد فان تنازعتم آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل استنباط یعنی مجتہدین کے فیصلے دو قسم کے ہوں گے۔

(۱)ایک قسم وہ جن میں ان کا تنازع اور اختلاف رہا یہ فردوہ الی اللہ والرسول کے تحت اجتہادی فیصلے کہلائیں گے۔

(۲) دوسرے وہ فیصلے جن میں مجتہدین کا اتفاق ہو گیا اور کوئی تنازع اور جھگڑا نہیں رہا۔یہی فیصلے اجماعی فیصلے کہلائیں گے۔

اس آیت میں آئمہ مجتہدین کو اولی الامر کہا گیا ہے۔اولی الامر کے بارے میں تفاسیر میں

دو قسم کے اقوال ملتے ہیں۔

(۱) مراد مجتہدین ہیں۔

(۲) مراد حکام ہیں۔

یہ اختلاف دورِ نبوی ور دورِ صحابہ ؓ میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت مجتہدین بکثرت تھے اور حاکم مجتہد کو ہی بنایا جاتا تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی قولی حدیث **اذا حکم الحاکم فاجتهد** سے ظاہر ہے اسی طرح آپ ﷺ نے خود حضرت معاذ ؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور وہ مجتہد ہی تھے چنانچہ انہوں نے **اجتهد برائی** سے واضح فرمادیا۔

بعد کے زمانہ میں جب ایسے لوگ حکومت میں آ گئے جو مجتہدین نہیں تھے تو پھر مفسرین میں اختلاف ہوا کہ کہ اب اولی الامر سے مجتہدین مراد لئے جائیں یا حکام، تو امام رازی فرماتے ہیں کہ استنباط احکام میں اولی الامر مجتہدین ہی رہے البتہ نفاذ احکام میں اولی الامر حکام ہیں۔ جو حاکم خود اجتہاد نہیں کر سکتا اس پر واجب ہے کہ مجتہد کی تقلید کرے۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ **القضاة ثلاثة.**

(۱) ایک وہ قاضی جو اہل ہے اور حق کے مطابق فیصلہ کرے یہ جنتی ہے۔

(۲) جو اہل تو ہے لیکن جان بوجھ کر ناحق فیصلہ کرے یہ دوزخی ہے۔

(۳) وہ جو اہلیت ہی نہیں رکھتا یہ بھی دوزخی ہے۔ ہاں اگر یہ نا اہل اہل مجتہد کے فیصلوں کو نافذ کر دے تو اس کے فیصلے درست مانیں جائیں گے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ مجتہد تو اس اولی الامر کا بھی اولی الامر ہے۔

قاعدہ کلیہ

اور اصول کا قاعدہ ہے کہ

المطلق اذا يطلق يراد به الفرد الكامل.

تو اولی الامر کا فرد کامل مجتہد ہے، حاکم صرف وہ ہی اولی الامر ہوگا جو مجتہد کی تقلید میں فیصلہ کرے گا۔

اولی الامر کی تشریح

اولی الامر اسم جنس ہے، جس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور سب پر بھی۔ جیسے لفظ انسان اسم جنس ہے، ایک انسان ہو اسکو بھی انسان کہا جاتا ہے اور سب انسان ہوں تو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مجتہد کی اگر تقلید کرے تو بھی اس آیت پر عمل ہوگا، اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔ اگر مختلف مسائل میں مختلف مجتہدین کی تقلید کی تو بھی اس آیت پر عمل ہو گیا، لیکن چونکہ تقلید غیر شخصی میں اتباع ہوا کا فتنہ آجاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے، اب **مقدمة الحرام حرام** کے تحت خیر القرون کے بعد تقلید غیر شخصی سے روک دیا گیا ہے اور اب اسی واجب کے ادا کرنیکا ایک ہی طریقہ باقی رہا۔ تو **مقدمة الواجب** کے تحت دین کی حفاظت کا ذریعہ تقلید شخصی کے وجوب ہی کو قرار دیا گیا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ ہر آدمی پر اپنے ہی علاقہ کے حاکم کی اطاعت ضروری ہے۔ اس لئے اس ملک میں جس مجتہد کا مذہب افتاءً عملاً متواتر ہوگا اس کی تقلید اس علاقہ میں واجب ہوگی۔ اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے ایک علاقے میں حاکم ایک ہی ہوتا ہے باقی لوگ اس کی رعایا ہوتے ہیں، اس علاقہ کے جو لوگ اپنے علاقہ کے حاکم کی اطاعت نہ کریں وہ باغی کہلاتے ہیں۔

حنفی رعایا ہیں غیر مقلد باغی ہیں

ہمارے علاقہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب متواتر ہے وہ اس علاقہ کے اولی الامر ہیں، حنفی انکی رعایا ہیں اور غیر مقلدین باغی ہیں۔

فرمان شاہ ولی اللہ

شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب **الانصات فی بیان اسباب الاختلاف** میں

فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں (یعنی پاک و ہند میں) چونکہ نہ شافعی ہیں نہ حنبلی ہیں اور نہ ہی مالکی ہیں صرف حنفی ہی حنفی ہیں، اس لئے یہاں کے لوگوں پر حنفی رہنا واجب ہے اور حنفیت سے نکلنا حرام ہے۔ اس ملک میں جس نے سیدنا امام اعظمؒ کی تقلید چھوڑ دی اس نے گویا شریعت محمدیہ کی رسی گلے سے اتار پھینکی۔ کتاب وسنت الفاظ وحی ہیں فقہ مراد وحی ہے کہ جس طرح قاری عاصم کوفی کی قرأت عین کتاب اللہ ہے اسی طرح فقہ حنفی عین سنت ہے۔

چار دلائل کی تشریح

ان چار دلائل میں سے پہلی دونوں دلیلیں کتاب وسنت تشریعی اور بنیادی دلائل ہیں۔ اجماع اور قیاس تشریعی اور تفریعی دلائل ہیں۔ ہم آئمہ مجتہدین کو شارح واسطہ فی البیان اور واسطہ فی التفہیم سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے آئمہ کو شارع ہرگز نہیں سمجھتے۔

ان چاروں دلیلوں میں تین دلیلیں کتاب وسنت اجماع، حجت ملزمہ ہیں اور چوتھی دلیل قیاس حجت مطمئنہ ہے۔ ان چاروں دلیلوں میں سے جو مسائل صراحۃً کتاب وسنت سے ثابت ہوں ان کو مسائل منصوصہ کہا جاتا ہے اور جو اجماع اور قیاس میں مذکور ہوں ان کو فروعی مسائل یا اجتہادی مسائل کہا جاتا ہے۔

چار دلائل کے ضمن میں چار چیزیں

اہل سنت والجماعت چار دلائل مانتے ہیں لیکن ان کے ساتھ چار ضمنی چیزیں بھی شامل ہیں۔

۱۔ شرائع من قبلنا جن کا نسخ ثابت نہیں وہ کتاب اللہ کے تابع ہیں۔

۲۔ صحابہ وتابعین کے وہ فتاوٰی جو غیر مدرک بالقیاس ہیں وہ سنت میں شامل ہیں۔

۳۔ اور امت کا تعامل اور توارث اجماع میں شامل ہیں۔

۴۔ صحابہ اور تابعین کے اجتھادی فتاوٰی قیاس میں شامل ہیں۔

قیاس کا ثبوت

ا۔حدیث معاذؓ جومشہور حدیث ہے﴿ترمذی ص ۲۴۷ ج ا﴾ آنحضرتﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے کے لیے نامزد فرمایا تو اسلامی منشور پر گفتگو فرمائی حضرت معاذؓ سے پوچھا **لم تقضی یا معاذ** عرض کیا **بکتاب الله** پھر فرمایا **فان لم تجد فیه.** عرض کیا **بسنت رسول اللهﷺ** ۔پھر حضرتﷺ نے پوچھا **فان لم تجد فیه** ۔تو عرض کیا **اجتهد برائی و لاا ل۔**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسائل کتاب وسنت میں صراحۃً نہ ہوں ان کا حکم مجتہد اپنے اجتہاد سے اخذ کرتا ہے۔اگر سب مجتہدین کا اتفاق ہو گیا تو اس کو اجماعی مسئلہ کہا جاتا ہے اور اگر سب کا اجتہاد الگ الگ رہا تو اس کو قیاسی مسئلہ کہا جاتا ہے۔

۲ . عن عبدالله ابن عمرو وابی هریره قالا قال رسول اللهﷺ اذا حکم الحاکم فاجتهد واصاب فله اجران واذا حکم فاجتهدوا اخطأ فله اجر واحد(بخاری ص ۱۰۹۳ ج ۲،مسلم ص ۷٦ ج ۲، نصب الرایه ص ٦۳ ج ۴)

یعنی عبداللہ ابن عمروؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ کہا دونوں نے فرمایا رسول اللہﷺ نے جس وقت حکم کرے حاکم پس اجتہاد کرے اور ثواب کو پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہیں،اور جس وقت حکم کرے پس اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اس کے واسطے ایک اجر ہے

(بحوالہ فتح المبین ص ۲۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجتہد کو درصورت ثواب دو اجر ہیں،ایک اجر اجتہاد کا اور ایک ثواب کا۔اور اگر مجتہد سے استنباط مسائل میں خطا واقع ہو گی تو ایک اجر فقط اجتہاد کا اس کو ملے گا اور ظاہر ہے کہ اجتہاد قیاس کو شامل ہے پس ثبوت قیاس کا حدیث صحیح بخاری،مسلم سے ہو گیا۔

۳. عن ابن عباس ؓ قال اتی رجل النبیﷺ فقال ان اختی نذرت ان تحج وانها ماتت فقال النبیﷺ لو کان علیها دین اکنت قاضیه قال فاقض دین الله فهو احق بالقضاء(مشکوٰة ص ۲۱۳)

یعنی ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پس عرض کیا کہ میری ہمشیرہ نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ مرگئی، پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتا؟ کہا ہاں۔ فرمایا پس ادا کر دین خدا کا کہ وہ زیادہ مستحق ادا کا ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو بطور قیاس کے سمجھا دیا کہ جب بندہ کا قرض ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بدرجہ اولیٰ چاہیئے۔

۴۔ اور حضرت عمر ؓ نے ابوموسیٰ اشعری ؓ کو جو خط لکھا ہے اس سے بھی قیاس کرنے کا ثبوت ہوتا ہے چنانچہ (دارقطنی ص۵ ج۲ فی الاقضیه مکمل اور نصب الرایه ص۸۱ ج۴ اور بیہقی اور دراسات اللبیب ص۵۴) میں یہ روایت ہے۔

الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبللک فی الکتاب والسنة اعرف الاشباه والامثال ثم قس الامور عند ذالک فاعمد الی اجتهاد الی الله وانذر عشیرتک الاقربین ورهطک منهم المخلصین.

دوسری آیت۔

تبت یدا ابی لهب و تب و قد تب.

اب ظاہر ہے کہ وہ قرآن پاک جو متواتر ہے اس میں آیات اس طرح نہیں، اب کوئی یوں دھوکہ دے کہ بخاری میں دونوں آیتیں سند کے ساتھ مذکور ہیں اوہ قرآن پاک میں

محض بے سند ہیں۔ بخاری میں یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی کی قرأت ہے، جن کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی تھی۔ اور قرآن پاک میں قاری عاصم کوفی کی قرأت ہے، تو یہ ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ یہاں بات سند اور بے سند کی نہیں بلکہ یہاں مقابلہ متواتر اور شاذ کا ہے، اور نہ ہی یہاں مقابلہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قاری عاصم رحمہ اللہ کا ہے۔

احناف اور غیر مقلدین میں بنیادی فرق

اہل سنت والجماعت اور مذہب غیر مقلدین میں تین بنیادی فرق ہیں۔

(۱) مذہب حنفی امام صاحب تک متواتر ہے جو کسی سند کا محتاج نہیں، اس کی حیثیت آفتاب کی سی ہے۔ اور غیر مقلدین کا مسئلہ سند کا محتاج ہوتا ہے، گویا ان کا مسلک سورج کے مقابلہ میں پہلی رات کے چاند سے بھی گیا گزرا ہے، کیونکہ پہلی رات کے چاند میں بھی گواہوں کی ضرورت نہیں پڑتی، کبھی کبھار بادل وغیرہ ہوں تو پھر گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) مذہب حنفی ایسے مجتہد کے اجتہادات ہیں جن کا مجتہد ہونا دلیل شرعی یعنی اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس کے مقابلے میں غیر مقلدین اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے اور اہلیت سے ایسے ہی کورے ہیں جیسے گدھے کا سر سینگوں سے اب تواتر کو چھوڑ کر شاذ کی طرف، کامل کو چھوڑ کر ناقص کی طرف، اہل کو چھوڑ کر نااہل کی طرف جائے گا وہ خسرۃ الدنیا ولآخرۃ کا مصداق ہو جائے گا۔

(۳) مذہب حنفی مکمل ہے اور غیر مقلدین کا طریقہ بالکل نامکمل ہے۔

ایک ضروری بات

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے صوبہ میں بھیجا تھا جن کی مادری زبان عربی تھی، وہ قرآن و حدیث سن کر اس کا ظاہری مطلب ہم سے بہت اچھا سمجھ سکتے تھے۔ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا کہ قرآن وحدیث عربی میں ہے اور انکی مادری زبان عربی ہے، اسی طرح ہر شخص کو حق دینا کہ وہ قرآن وحدیث کو جس طرح

سمجھے عمل کرے بلکہ پورے صوبہ یمن میں حضرت معاذؓ اجتہاد فرمایا کرتے تھے اور سب یمن والے عربی دان انکی تقلید شخصی کرتے تھے، نہ تو کسی نے یہ کہا کہ ہم خود عربی دان ہیں ہمیں آپ کے اجتہاد کی ضرورت نہیں، ہم خود اجتہاد کریں گے۔ اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ اے معاذؓ ہم اجتہادیات میں آپ کی تقلید شخصی نہیں کریں گے۔ کوئی اجتہاد ابوبکرؓ کا مانیں گے کوئی عمرؓ کا، کوئی مکہ والوں کا، کوئی شام والوں کا۔ بلکہ سب کے سب حضرت معاذؓ کی تقلید کرتے تھے کیونکہ جس تواتر اور یقین وتفصیل کے ساتھ ان کو حضرت معاذؓ کا فتویٰ ملتا تھا اس تواتر یقین اور تفصیل کے ساتھ ان کو ابوبکرؓ کا فتوی نہیں مل سکتا تھا، اور پھر ایک امام کی تقلید میں یکجہتی اور اتفاق رہتا ہے مختلف آئمہ کی تقلید میں افتراق ہوتا ہے جو اسلام کے مزاج کے سخت خلاف ہے۔

دین کا ثبوت

اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ دین اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد یہ دین امت کو تین طریقوں سے پہنچا۔

(ا) بغیر کسی شبہ کے، اس کو تواتر کہتے ہیں۔ اور تواتر کی چار قسمیں ہیں۔

ا۔ تواتر طبقہ۔

۲۔ تواتر اسنادی۔

۳۔ تواتر تعامل۔

۴۔ تواتر معنوی۔

ا۔ تواتر طبقہ۔

یہ ہے کہ تابعین نے صحابہؓ سے، تبع تابعین نے تابعین سے، اسی طرح بعد والا طبقہ پہلے والے طبقے سے متواتر اگر کوئی چیز لیتا رہے یہ تواتر کی سب سے اعلیٰ قسم ہوتی ہے۔ اس میں علماء بھی اور عوام بھی شریک ہوتے ہیں، ایسے تواتر سے جو چیز ثابت ہو اس کو ضروریات کہا جاتا ہے۔

۲۔ تواتر اسنادی۔

یہ ہے جبکہ ہر زمانہ میں اس بات کے روایت کرنے والے اتنے لوگ ہوں کہ عقل ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا محال جانے (اس کو تواتر محدثین بھی کہتے ہیں)۔ جیسے حدیث

من كذب علی متعمدا۰۰۰۰۰۰۰ الی آخره.

۳۔ تواتر تعامل۔

تواتر تعامل یہ ہے کہ عملی طور پر یہ بات سب میں چلی آ رہی ہو جیسے ہر رکعت میں رکوع اور دوسجدے وغیرہ، اس کو تواتر فقہاء بھی کہتے ہیں۔

۴۔ تواتر قدر مشترک۔

کہ الگ الگ احادیث تو خبر احاد ہیں، لیکن ان سب کو ملانے سے ایک بات قدر مشترک نکل آتی ہے جو متواتر ہو جاتی ہے۔ مثلاً نزول عیسٰی کی روایات کہ آپ بیت المقدس پر اتریں گے، مقام لد پر دجال کو قتل کریں گے، یاجوج ماجوج سے جنگ کریں گے۔ اگرچہ یہ تمام احادیث الگ الگ اخبار احاد ہیں لیکن ان سب میں ایک مشترک بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کا نزول یقینی ہے۔

اسی طرح قبر میں سوال و جواب، منکر نکیر کا آنا، عذاب وثواب قبر۔ اگرچہ الگ الگ اخبار احاد ہیں، لیکن قدر مشترک کے طور پر یہ بات یقینی ہے کہ قبر میں عذاب وثواب ہے۔ جب قبر میں عذاب وثواب یقینی ہو گیا تو ایک قسم کی حیات بھی ثابت ہو گئی جو عذاب وثواب کے احساس کے لئے ضروری ہے۔ پھر عوام کی حیات سے شہداء کی حیات قوی ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سب سے قوی ہے جو قرآن پاک سے **دلالة النص ، اقتضاء النص ، اشارة النص** سے ثابت ہے اور احادیث جو تواتر معنوی سے ثابت ہیں ان سب سے **بعبارة النص** ثابت ہے۔

تواتر کی مثال آفتاب جیسی ہے، جیسے آفتاب کا انکار سب کے نزدیک انتہائی جہالت ہے

اسی طرح متواترات کا انکار کفر ہے۔

۲۔ ایسا ثبوت ہو جس میں صورۃً شبہ ہو نہ کہ حقیقۃً۔ آنحضرت ﷺ نے تین زمانوں کو بہترین زمانہ قرار دیا ہے۔ صحابہ کا دور جو ایک سو برس تک رہا، تابعین کا دور جو ایک سو ستر تک رہا، اور تبع تابعین کا دور دو سو بیس تک رہا (بخاری ص۲۶۲ ج احاشیہ نمبرا)

جو عقیدہ اور عمل صحابہ کرام کے دور میں مشہور اور معروف نہ ہو لیکن تابعین اور تبع تابعین کے دور میں مشہور اور معروف ہو گیا، ایسے ثبوت کو شہرت کہتے ہیں اور ایسی حدیث کو مشہور کہتے ہیں۔ اور اس میں شبہ یہی ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے دور میں یہ زیادہ مشہور اور معروف نہ تھی لیکن تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اس کو خوب شہرت ہو گئی، کیونکہ یہ بھی خیر القرون کا دور ہے اس لئے وہ شبہ جاتا رہا۔ مشہور کا منکر کافر نہیں ہو سکتا البتہ گمراہ ضرور ہوتا ہے۔

نوٹ

اسلام کے وہ عقائد جو ضروریات دین اور ضروریات اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں یا وہ اعمال جو روزمرہ کے ہیں فرض، واجب، سنت وہ اسلام میں کسی نہ کسی تواتر یا شہرت سے ثابت ہیں ان میں ہم اخبار احاد کے قطعاً محتاج نہیں۔ مثلاً وضو میں کلی کرنا یہ روزانہ کئی دفعہ پیش آنے والا مسئلہ ہے اور یہ یقیناً تواتر سے ثابت ہے، لیکن وضو کے بعد بیوی سے بوس و کنار کرنا یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر مسلمان کو روزانہ عمل کرنے کے لئے کہا گیا ہو۔ اس لئے یہ خبر احاد سے ثابت ہے۔ اسی طرح رمضان میں سحری کھانا روزمرہ کا مسئلہ ہے اس کا ثبوت یقینی ہے، لیکن حالت روزہ میں بیوی سے مباشرت یہ روزمرہ کا مسئلہ نہیں اس لیے یہ اخبار احاد سے ثابت ہے۔

تواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور شہرت سے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے، خبر واحد سے ظن غالب ثابت ہوتا ہے، اسی لیے اگر خبر تواتر یا شہرت سے ٹکرا جائے تو اسکو شاذ کہتے ہیں۔ شاذ کا مطلب جماعت سے الگ ہونا ہے، حدیث پاک میں ہے۔

علیکم بالجماعة فمن شذشذ فی النار.

اور دوسری حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ نے جماعت اور شذوذ کی مثال بکریوں کے ریوڑ سے دی ہے کہ جو بکری ریوڑ میں شریک رہتی ہے وہ بھیڑیا سے محفوظ ہے، اور چرواہے کی نگاہ میں ہے لیکن جو بکری جدا ہو جائے وہ چرواہے کی نگرانی سے جدا ہوگئی وہ یقیناً کسی بھیڑیا کا نوالہ بن جائے گی۔

مثال کے طور پر وضو کا طریقہ تقریباً بائیس صحابہ ؓ نے روایت کیا ہے، جن میں کلی کرنا وغیرہ تو سب میں آیا، لیکن مسح عمامہ، مسح جوربین اور مسح گردن صرف روایات سے آیا۔ لیکن مسح عمامہ اور مسح جوربین کی حدیث قرآن پاک کی آیت اور صحیح حدیث سے ٹکرائی ہوئی ہے اس لئے وہ شاذ قرار پائی۔ لیکن گردن کے مسح کی حدیث کسی آیت قرآن یا زائد حدیث سے نہیں ٹکراتی اس لئے یہ زائد تھی اس کو درجہ مستحب میں قبول کرلیا اور **و اذا قرأ فانصتوا** زیادہ ثقہ ہے کیونکہ اس حدیث میں کسی راوی نے بھی **فاذا قرأ فاقرؤا** والا جملہ بیان نہیں کیا اس لئے کسی آیت اور حدیث میں ٹکراؤ نہیں۔

تحقیق میں تین چیزوں کو اہمیت ہے

تحقیق میں تین چیزوں کو پرکھا جاتا ہے۔

۱۔ثبوت۔

۲۔دلالت۔

۳۔رفع تعارض۔

دلالت کی بحث۔

دلالت کی بحث فقہاء کے ہاں چاروں دلالتوں کی بحث ہوتی ہے۔ لیکن محدثین اس بارے میں بحث ہی نہیں فرماتے۔ **اضامہ کالمعدوم** صرف کسی حدیث سے ثابت ہو جانے سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، دیکھئے جن آیات سے قادیانی وغیرہ استدلال کرتے ہیں ان آیات کے ثبوت میں ذرہ بھر شک نہیں۔ دلالت کی بحث میں سب سے بڑا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ مذکور مسئلہ

کا حکم واضح ہو جائے کہ یہ فرض ہے یا سنت ہے، مستحب ہے یا مباح ہے، مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی یا حرام۔ آپ کو یہ احکام مکمل طور پر فقہ میں ملیں گے۔ محدثین برائے نام اس کا ذکر کرتے ہیں، اپنے امام کی تقلید میں۔ آج کل کے گمراہ فرقے دلالت کی بحث میں عام طور پر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں قرآن پاک میں۔

ثبوت کی تحقیق

پہلا مرحلہ یہی ہے کہ ثبوت کی تحقیق کی جائے کیونکہ ثبوت کے لئے چاروں دلیلوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے اور فقہاء کے سامنے چاروں دلیلیں ہوتی ہیں جبکہ محدثین کے سامنے صرف ایک دلیل ہوتی ہے۔

اگر ثبوت تواتر سے ہے یا شہرت سے تو اس میں سند کی تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسے لغت کے الفاظ کی سند تلاش نہیں کرتے۔ قرآنی آیات کی ہم سند تلاش نہیں کرتے، صرف ونحو وغیرہ اصولوں کی ہم سند تلاش نہیں کرتے، اسی طرح فقہ کے متون متواترہ کی سند کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر اس کا ثبوت خبر واحد سے ہے تو دیکھا جائے گا کہ فقہاء میں اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے یا نہیں؟۔ اگر تلقی بالقبول حاصل ہے تو بھی سند کی کوئی ضرورت نہیں۔ تدریب الراوی میں ہے۔

المقبول ما تلقته الامة بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح.

امام ترمذیؒ نے بھی اپنی سنن میں بہت جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اگرچہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ اور اگر اس حدیث کو فقہاء میں تلقی بالقبول حاصل نہ ہو تو پھر اس کے راویوں کو دیکھا جائے گا جیسے حدیث **لا وصیة لوارث** سند کے اعتبار سے قطعاً صحیح نہیں اور بظاہر قرآن پاک کی آیت کے خلاف ہے۔ لیکن فقہاء مذاہب اربعہ میں اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے، اس لئے یہ حدیث سنداً اگرچہ ضعیف ہے، لیکن تلقی بالقبول کی وجہ

سے درجہ تواتر تک پہنچ گئی ہے۔ حتیٰ کہ اس سے قرآن پاک کی قطعی آیت میں تخصیص کر دی گئی۔

۲۔ یہ حدیث کہ اگر پانی کا رنگ بو یا مزہ نجاست کی وجہ سے بدل جائے تو وہ پانی ناپاک ہے۔ اس حدیث کی بیہقی میں ایک ہی سند ہے جس کا راوی رشدین بن سعد ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے، مگر مذاہب اربعہ کے فقہاء میں اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے، سب اس کے موافق فتویٰ دیتے ہیں۔ اس کے برعکس امام ترمذیؒ کتاب کے آخر کتاب العلم میں فرماتے ہیں کہ میں نے سنن ترمذی میں جتنی احادیث درج کی ہیں سب پر کسی نہ کسی فقیہ کا فتویٰ اور عمل ہے، لیکن دو حدیثیں ایسی ہیں جن پر نہ کسی فقیہ نے فتویٰ دیا اور نہ ان پر عمل کیا۔

۱۔ رسول اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر کسی عذر کے ظہر اور عصر کو جمع کیا اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اب اس کا جواز کسی فقیہ کے ہاں نہیں۔

۲۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے کہ جو شخص چوتھی مرتبہ شراب پی لے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے، لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی فقیہ کا عمل نہیں۔ بلکہ نووی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ ثابت کرنے کے لئے کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی، بلکہ اتنا لکھ دیا ہے کہ دل الاجماع علی نسخه۔

خبر واحد کی تحقیق

خبر واحد کی تحقیق میں آٹھ شرطوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔ چار شرائط راوی کے اندر اور چار روایت کے اندر۔

راوی میں شرائط۔

۱۔ اسلام ۲۔ عقل۔

۳۔ عدالت۔ ۴۔ ضبط۔

روایت میں شرائط۔

ا۔وہ کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو۔

۲۔سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

۳۔عموم بلوٰی سے تعلق نہ رکھتی ہو۔

۴۔خیر القرون کے فقہاء میں بالاجماع متروک نہ ہو۔

مثال نمبرا

غیر مقلدین جو کہا کرتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ابوداؤد، ترمذی، نسائی سے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی جہری نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا شاید تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو جب میں جہری قرأت کروں تو میرے پیچھے قرآن میں سے کچھ نہ پڑھو مگر فاتحہ، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔مگر یہ حدیث نہ شوافع کے اصولوں پر صحیح ہے، نہ احناف کے اصولوں پر۔کیونکہ شوافع کے ہاں صحیح حدیث کے لئے پانچ باتیں ضروری ہیں۔تین مثبت۔

ا۔راوی عادل ہو۔

۲۔ضابط ہو۔

۳۔سند متصل ہو۔

دو منفی۔

ا۔شاذ نہ ہو۔

۲۔معلول نہ ہو۔

اس حدیث کا راوی محمد بن اسحٰق ہے، جس کے بارے میں محدثین میں شدید اختلاف ہے۔امام شعبہؒ تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں **امیر المؤمنین فی الحدیث.** امام مالکؒ، امام ہشام بن عروہؒ، سلیمان تیمیؒ، امام احمدؒ اس کو دجال اور کذاب فرماتے ہیں۔علامہ ذہبیؒ

نے **میزان الاعتدال فی نقد الرجال** میں ہر قسم کے اقوال نقل کرکے آخری فیصلہ یہی دیا ہے کہ وہ **حسن الحدیث** ہے۔ **اما اذا انفرد ففیه نکارة فان فی حفظه شیء**۔ اگر وہ احکام کی احادیث میں منفرد ہو تو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کی سند کے متابع مل جائیں تو پھر اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔ زیر بحث حدیث میں اس کا استاد مکحول ہے ،جس کے سات شاگرد ہیں۔ پانچ شاگرد سند یوں بیان کرتے ہیں **مکحول عن عبادہ بن صامت** اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مکحول کا سماع حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ چھٹا شاگرد زید بن واقد سند یوں بیان کرتا ہے، **مکحول عن نافع بن محمود بن ربیعه عن عبادہ بن صامت** رضی اللہ عنہ (نسائی، ابوداؤد) اور یہ نافع مجہول ہے۔ امام ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ **نافع لا یعرف**. اور یہ بھی لکھا ہے کہ قرأۃ خلف الامام میں اس کی حدیث معلول ہے۔ ساتواں شاگرد محمد بن اسحٰق ہے جو سب شاگردوں کے خلاف سند یوں بیان کرتا ہے، **مکحول عن محمود بن ربیعه عن عبادہ بن صامت** رضی اللہ عنہ۔ اور متن میں بھی جملہ تعلیلیہ زیادہ کرتا ہے

فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بها.

جب اس حدیث پر محدثین کا اتفاق ہے کہ محمد بن اسحٰق منفرد ہو تو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے، یہاں تو اس حدیث میں وہ چھ ساتھیوں کا مخالف ہے او یہ حدیث کیسے حجت ہو سکتی ہے؟۔ اس میں محمد بن اسحٰق کی عدالت مجروح ہے، مکحول کی تدلیس، نافع کی جہالت، اس لئے یہ روایت قطعاً صحیح نہیں۔ حنفی اصولوں پر تو اس لئے صحیح نہیں۔

ا۔ یہ قرآن پاک کے خلاف ہے کیونکہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ آیت **واذا قریء القرآن** نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ البتہ شوافع اور احناف میں یہ اختلاف ہے کہ آیت میں جو حکم انصات ہے یہ صرف جہری نمازوں کو شامل ہے یا سری اور جہری دونوں کو شامل ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ سب نمازوں کو شامل ہے شوافع کا کہنا ہے کہ صرف

انصات کا تعلق جہری نمازوں سے ہے اور چونکہ یہ حدیث بھی جہری نمازوں کے متعلق ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جہری نمازوں میں قرآن پاک نے قرأۃ خلف الامام سے منع فرمایا ہے۔ تو یہ حدیث خبر واحد قرآن پاک کے خلاف ہے۔

۲۔ یہ سنت متواترہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ پر موجود ہے کہ حضرت ﷺ اونچی قرأۃ پڑھتے ہی اس لئے تھے کہ آپ کے مقتدی صحابہ کرام ؓ سنیں۔

۳۔ اسی طرح یہ حدیث عموم بلویٰ سے متعلق ہے۔ یعنی یہ مسئلہ مقتدی کو روزانہ کئی بار پیش آتا ہے تو ایسا مسئلہ صحابہ ؓ میں عملاً اور روایۃً مشہور ہونا چاہئے تھا۔ گو صحابہ میں اس مسئلہ کو کوئی جانتا تک نہ تھا اس لئے حضرت عبادہ ؓ پر نافع نے اعتراض کیا کہ آپ نے جو امام کے پیچھے قرأۃ کی ہے اسنۃ ام نسیت اس سے معلوم ہوا کہ دور صحابہ میں قرأۃ خلف الامام کو کوئی جانتا تک نہیں تھا۔

۴۔ یہ حدیث خیر القرون کے فقہاء میں بالکل متروک الاحتجاج تھی، چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں امام احمدؒ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ہم نے کسی مسلمان سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ اگر مقتدی جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأۃ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ نہ یہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا، نہ حجاز کے امام مالکؒ نے، نہ شام کے امام اوزاعیؒ نے، نہ مصر کے امام لیث بن سعدؒ نے، نہ کوفہ کے امام سفیان ثوریؒ نے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث خیر القرون میں متروک الاحتجاج تھی۔

مثال نمبر ۲

سینہ پر ہاتھ باندھنے والی حدیث بھی نہ سنداً صحیح ہے، کیونکہ اس کا مدار مومل بن اسماعیل پر ہے اس کو امام بخاری منکر الحدیث فرماتے ہیں اور محدثین کا کہنا ہے کہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ منکر الحدیث فرمادیں تو اس کی حدیث بالکل قابل قبول نہیں ہوتی اور پھر یہ کہ آئمہ اربعہ میں سے کوئی امام بھی نماز کے قیام میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کو سنت نہیں کہتا۔ امام ترمذی نے بھی یہاں صرف یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ تحت السرۃ باندھے جائیں

اور بعض فوق السرة کہتے ہیں انہوں نے علی صدره باب باندھا ہی نہیں، اور نہ ہی کسی فقیہ کا مذہب نقل کیا ہے۔ اسی طرح امام نوویؒ نے شرح مسلم ص ۱۷۳ ج ا پر آئمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرمائے ہیں، تو وہ فوق السرة ،تحت السرة یا ارسال ہی نقل فرمائے ہیں۔

مثال نمبر ۳

غیر مقلدین جب چار رکعت میں دس جگہ رفع یدین کرتے ہیں یہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں۔ اس لئے یہ حدیث بھی خیر القرون میں متروک الاحتجاج تھی۔

مثال نمبر ۴

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ترک الناس التامین. پورے دور خلافت راشدہ میں آمین کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ غیر مقلدین کے مذہب کے چاروں ارکان جو خیر القرون میں متروک تھے لیکن غیر مقلدین ان مسائل میں یہ جھوٹ بول دیتے ہیں کہ تین امام ہمارے ساتھ ہیں اور ایک امام ابوحنیفہؒ سب سے الگ ہیں۔

جب یہ جھوٹ بولیں تو پہلے ان سے لکھوا کر دستخط کروا لو۔ کیونکہ بات کہہ کر مکر جانا انکی عادت ہوتی ہے، عام لوگوں کا خیال ہے کہ غیر مقلد وہ ہوتا ہے جو کسی کی بات نہ مانے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ غیر مقلد وہ ہوتا ہے جو اپنی بات پر بھی قائم نہ رہے۔ گویا کہ وہ بے پیندے کا لوٹا ہے، جس طرف چاہے گھوم جائے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ غیر مقلد خدا سے بالکل نہیں ڈرتا وہ ٹیپ ریکارڈر اور تحریر سے بہت ڈرتا ہے۔

غیر مقلدیت نام ہے خودرائی کا

کتاب وسنت کے نئے نئے مطالب نکالنے والے کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

غیر مقلد کا قول کہ

فقہ کے مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں، اگر چمار کہے تو ٹھیک ہے، ان پڑھ کہے تو

اور بات ہے، اتنے ولی اللہ مفسرین محدثین گذرے ہیں انکو خلاف نظر نہ آئے۔ ایک گنڈیریاں بیچنے والا، گانے کی کیسٹیں بیچنے والا کہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

مذہب قواعد کا نام ہے

مذہب مسائل کا نام نہیں بلکہ قواعد کا نام ہے، کیونکہ بعض مسائل ہمارے مرزائیوں کے ساتھ بھی ملتے ہیں۔ مثلاً مرزائیوں کا پانچوں وقت نماز پڑھنا، روزے رکھنا حج کرنا وغیرہ۔ تو کوئی کہے کہ اے مسلمان تم مرزائی ہو۔ اس کی یہ بات غلط ہے اسی طرح غیر مقلدین رفع یدین کرتے ہیں اور آمین بھی جہراً کہتے ہیں۔ ان کو حنبلی یا شافعی مسلک کا تسلیم کرنا غلط ہے اگر ان کو حنبلی یا شافعی مانا جائے تو لازم آئے گا کہ مسلمان بھی مرزائی ہوں۔ کیونکہ بعض مسائل میں وہ بھی ہمارے ساتھ مشترک ہیں۔ اس لئے غیر مقلدین نہ تو حنبلی ہیں اوہ نہ ہی شافعی ہیں کیونکہ مذہب قواعد کا نام ہے، مسائل کا نام نہیں اور غیر مقلدین کے قواعد بالکل نہیں۔

کیا فقہ کے مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں

غیر مقلدین آئے دن یہ شور مچاتے ہیں کہ فقہ کے مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں اور فقہ میں بہت گندے مسائل ہیں۔ اسکی مثال (استاد محترم مولانا محمد امین صفدر صاحب) یہ دیا کرتے تھے کہ ایک عورت نے اپنے بچہ کی دبر دھوئی، کچھ پاخانہ انگلیوں پر لگا رہ گیا (عام طور پر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب بات کرتی ہیں تو انگلی ناک پر رکھ لیتی ہیں) جب وہ عورت چاند دیکھنے لگی تو اس کو بدبو آئی تو کہنے لگی کہ آج تو چاند سے بدبو آرہی ہے۔ اصل میں اس کے ہاتھ پر نجاست لگی تھی، اس میں چاند کا کیا قصور تھا۔ قصور تو اس عورت کا اپنا ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین کا اپنا قصور ہے، ان کی فہم درست نہیں اس میں خباثت بھری ہوئی ہے، تبھی تو ان کو فقہ کے مسائل گندے نظر آتے ہیں۔ اس میں فقہ کا کوئی قصور نہیں۔ (اتنے ولی اللہ گزرے، شاہ ولی اللہؒ ، حضرت علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسے ولی اللہ گذرے ان کو گندے مسائل نظر نہ آئے آج ان خبیثوں کو گندے مسائل نظر آتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ اپنی فہم درست کروائیں)۔

اہل بدعت جہنمیوں کے کتے ہوں گے اور غیر مقلدین باؤلے کتے

اھل البدعة کلاب اھل النار. اہل بدعت جہنمیوں کے کتے ہیں، لیکن غیر مقلدین باؤلے کتے ہیں۔ جو صرف کتا ہو وہ اپنوں کو نہیں بھونکتا۔ بریلوی مولانا اشرف علی تھانویؒ کو بھونکیں گے، مگر احمد رضا کو کبھی نہیں بھونکیں گے۔ اور غیر مقلدین امام ابو حنیفہؒ کو بھی بھونکتے ہیں اور خود اپنے بڑوں وحید الزمان وغیرہ کو بھی بھونکتے ہیں۔ باؤلے کتے اور عام کتے میں یہی فرق ہے۔ غیر مقلدین میں ذہنی آوارگی ہوتی ہے اور علماء سے بغض ہوتا ہے۔ اور سارے فرق باطلہ ایک کشتی کے سوار ہیں۔

کچھ غیر مقلدین کے کردار کے بارے میں

غیر مقلدین بظاہر عمل بالحدیث اور اتباع سنت کا دم بھرتے ہیں، مگر بنظر حقیقت غور سے دیکھا جائے تو یہ لوگ حدیث پر بالکل عمل نہیں کرتے، بلکہ خدا اور رسول ﷺ سے بھی نہیں ڈرتے۔ ہاں زبانی دعوٰی عمل بالحدیث کا بہت کچھ ہے۔

گو دان نہیں پہ دان سے نکالے ہوئے تو ہیں

کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اور یہ نہیں جانتے کہ ہم بتقلید نفس خبیث و باظہار دعوٰی عمل بالحدیث کے حضرات آئمہ مجتہدین کی تقلید اور سلف صالحین کے طریقہ کو چھوڑ کر، اور راہ اخلاص سنت نبوی سے منہ موڑ کر، کس ضلالت اور گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہیں، اور کس نفسانیت کے کوچہ تنگ میں اڑے ہیں۔ کہ جہاں جاتے ہیں ذلت و رسوائی اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً حرمین شریفین میں تو غیر مقلدی کے اظہار کی سزا پاتے ہیں اور نکال دئے جاتے ہیں۔

غیر مقلدین کے بارے میں لسان نبوت سے پیش گوئی۔

بلکہ مصداق ان احادیث کا ہو جاتے ہیں، جو آنحضرت ﷺ نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا اور ان کے سب حالات اور علامات کو بتایا۔

حدیث نمبرا

پہلی حدیث بروایت ابوھریرہؓ صحیح مسلم میں وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے

یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم و اباء کم فا یا کم و ایا ھم لا یضلونکم ولا یفتنوکم.

یعنی ہونگے آخری زمانہ میں فریب کرنیوالے جھوٹے مکار لوگ، لائینگے تمھارے پاس ایسی حدیثیں نہ سنی ہونگی تم نے اور نہ تمھارے باپ دادا نے، سو بچاؤ تم اپنے آپکو ان سے اور انکو اپنے سے، اس لئے کہ کہیں گمراہ نہ کردیں تم کو اور فتنہ اور فساد میں نہ ڈال دیں تم کو۔

کہ عمل بالحدیث کے پردے میں علم والوں کی صورت بنا کر فریب اور جھوٹ اور افترا پردازی سے اپنی طرف جھکاتے ہیں اور نئے طریقے یعنی لامذہبی اور آزادی کی طرف سنت کے بہانے سے بلاتے ہیں۔ سلف صالحین اور بزرگان دین کے عقائد اور طریقہ حقہ سے بہکاتے ہیں، اور آئمہ مجتہدین اور فقہاء متقدمین پر لعن طعن کر کے مقلدین سے انکو بدعقیدہ کراتے ہیں۔

۲۔حدیث نمبر۲

دوسری حدیث ترمذی سے وارد ہے۔

و قال علیه السلام لعن آخر هذه امة اولها.

یعنی فرمایا علیہ ﷺ نے علامات قیامت کے بارے میں کہ اس امت کے پچھلے لوگ اگلوں کو برا کہیں گے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لوگ حضرات مجتہدین اور فقہاء متقدین پر کیا کچھ لعن طعن کرتے ہیں، چنانچہ نمونہ اسکا کتاب ظفر مبین میں ہے کہ جسمیں تمام مقلدین حنفیہ کو مشرک اور کافر لکھا ہے، اور تقلید کو شرک اور حرام کہا ہے۔ اور مکہ معظّمہ میں چاروں مصلوں کو گمراہی اور بدعت قرار دیا ہے۔ **نعوذ باللہ من ذالک.**

غیر مقلدین کا صحابہ کرامؓ سے بغض

دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور ص ۲۱۲، کتاب اعتصام السنۃ مطبوعہ کانپور ص ۶۹، کتاب انتقاد الرجیح مطبوعہ مطبع علوی ص ۶۲ ص ۶۳ میں حضرت صدیق اکبرؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کو خاطی لکھا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ کا کینہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کا بغض حضرت علیؓ کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کو مخترع بدعت ضلالہ ٹھہرایا ہے (معاذ اللہ منہا) اب اس سے بڑھ کر برا کہنے والے اگلے بزرگان دین کو اور کیا ہونگے کہ صحابہ کرام کو بھی نہ چھوڑا۔

بغض صحابہ لعنة الله حب صحابه رحمة الله

حدیث نمبر ۳

قال النبی ﷺ یخرج فی آخر الزمان قوم احداث الاسنان سفهاء الاحلام یقولون من خیر قول البریة یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجر هم یمرقون من الدین مروق السهم من الرمسة.

(بخاری ص ۵۱۰ ج ۱، ص ۷۵۷ ج ۲، مسلم ص ۳۴۲ ج ۱)

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نکلے گی آخر زمانہ میں ایک قوم کم سن، کم عقل، زبان زد ہوگا ان کے **قال رسول اللہ** یعنی بغیر حدیث کے بات نہ کریں گے، پڑھیں گے قرآن کو نہ اتریگا ان کے حلق سے نیچے، یعنی نہ ان کے دلوں میں ایمان ہوگا اور خلوص دل سے قرآن پر عمل نہ کریں گے۔ نکل جائیں گے دین سے جیسے تیر نکل جاتا ہے کمان سے۔ (جب بھی ان کو کوئی فقہ کا مسئلہ سناؤ تو فوراً کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں آیا ہے؟ ہر وقت ان کی زبان پر حدیث حدیث کی جھوٹی رٹ ہوتی ہے، یہ بھی یاد رہے کہ حدیث اور سنت میں چونکہ فرق ہے۔ چونکہ حدیث تو ضعیف اور صحیح وغیرہ ہر طرح ہوسکتی ہے، لیکن سنت (عادت) ہمیشہ صحیح ہی ہوگی۔ اس لئے چونکہ

ہمارا نام ہی اہل سنت والجماعت ہے ہم سنت پر عمل کرتے ہیں۔صرف حدیث بغیر عمل صحابہ ؓ کے حجت نہیں مانتے۔

حدیث نمبر۴

ترمذی میں ہے۔

و قال ﷺ السنتهم احلى من السكر و قلوبهم قلوب الزباب.

یعنی زبانیں ان کی شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، یعنی بظاہر نرمی اور شیریں کلامی سے لوگوں کو راہ حق سے بہکائیں گے، لیکن ان کے دل سختی اور بے رحمی میں مثل بھیڑیوں کے ہوں گے۔تو جب پورا قابو پا جاتے ہیں تو کوئی دقیقہ دین کی خرابی کا فروگذاشت نہیں کرتے۔

(واقعی جب باتیں کرتے ہیں تو بہت شیریں باتیں کرتے ہیں بھائی وغیرہ الفاظ سے بلاتے ہیں اور کبھی کہیں گے کہ شرک و بدعت پھیل رہی ہے ہم سب کو اس کے خلاف مل کر کام کرنا چاہیئے۔کوئی مشترکہ مدرسہ بنانا چاہیئے، لیکن جب ان کا مکمل کنٹرول ہو جاتا ہے تو پھر دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک سنا ہے کہ اگر کسی حنفی کو غیر مقلد بنائیں تو اس کو دوبارہ کلمہ پڑھاتے ہیں، گویا نیا مسلمان بناتے ہیں پہلے بے دین تھا۔)

حدیث نمبر۵

غیر مقلد کی پہچان۔

و قال عليه السلام فی وصف هذا القوم مشمر الازار

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس قوم کی علامت **مشمر الازار** یعنی ان لوگوں کے اونچے اونچے پائنچے ہوں گے۔اور یہ بھی فرمایا آپ ﷺ نے کہ گریبان کھلا رکھنا علامت قوم لوط سے ہے۔پس یہ دونوں صفتیں اکثر غیر مقلدین میں پائی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۶

چھٹی حدیث پیغمبر ﷺ کا معجزہ ہے جو کہ بارہ سو برس کے بعد ظاہر ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا.

یعنی اے اللہ برکت دے ہمارے ملک شام میں اور ملک یمن میں۔

وہاں کچھ نجد کے لوگ تھے، سو انہوں نے عرض کیا **وفی نجدنا**، یعنی ملک نجد کے واسطے بھی دعا فرمایئے، مگر آپ ﷺ نے پھر بھی دعائے برکت شام و یمن کی فرمائی، پھر انہوں نے باصرار واسطے دعائے برکت نجد کے عرض کیا، تو آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ اس کے حق میں۔

ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطٰن.

یعنی ملک نجد میں زلزلے ہوں گے اور فتنے اٹھیں گے اور اس سے نکلے گی امت شیطان کی۔

سو موافق اس خبر مخبر صادق ﷺ کے گروہ وہابیہ نے جو محمد بن عبدالوہاب کے پیروکار ہیں ۱۲۲۱ھ میں جب دیکھا کہ روم کی سلطنت کے انتظامی امور میں کچھ خرابی واقع ہوگئی ہے، محمد بن عبدالوہاب کے صلاح و مشورہ سے حرمین کی جانب چڑھائی کی اور ایک نیا مذہب آزادی اسلام کے پردے میں بغرض ملک گیری ظاہر کیا، اور بذریعہ اعلان عمل بالسنۃ کے تمام مقابر شہداء و مزارات اولیاء کرام کو منہدم کر کے ان مسلمانوں پر جہاد کا حکم جاری کر دیا جو حرمین میں رہائش پذیر تھے، اور ان کے مال کی لوٹ اور قتل کو جائز رکھا اور ان پر بڑا ظلم کیا، یہاں تک کہ لشکر سلطان نے ان پر فتح پائی اور ۱۲۳۳ھ میں ان کا بالکل استیصال کر دیا۔ چنانچہ مختصر حال اس فتنہ خروج وہابیہ کا علامہ شامی نے ردالمحتار حاشیہ درمختار مطبوعہ مصر کی جلد سوم کے ص ۳۵۹ باب البغاۃ میں اس طرح لکھا ہے۔

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا

من نجد و تغلبوا علی الحرمین کانوا ینتحلون مذھب الحنابلہ لکنھم اعتقدوا انھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون فاستحبوا بذالک قتل اھل السنۃ و علمائھم حتی کسر اللّٰہ تعالیٰ شرکتھم و خرب بلادھم و ظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلث و ثلثین و مأتین و الف. (انتھی)

یعنی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں واقعہ گزرا کہ گروہ وہابیہ نے نجد سے خروج کر کے حرمین پر تغلب کیا اور اپنا انتساب مذہب حنبلی کی طرف کرتے تھے، لیکن اعتقاداً اپنے کو ہی مسلمان جانتے تھے اور جو کوئی ان کے اعتقاد کے مخالف ہوتا اس کو مشرک کہتے۔ اور مباح کر دیا قتل اہل سنت کا، اوران کے علماء کا۔ یہاں تک کہ توڑ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت کو، اور تباہ کر دیا ان کے شہروں کو، اور فتح پائی ان پر لشکر اسلام نے ۱۲۳۳ھ میں۔

غرض کہ آج کل کے غیر مقلدین بھی اسی گروہ وہابیہ میں داخل ہیں اکثر عقائد و مسائل میں انہیں کے پیرو اور معتقد ہیں اور محمد بن عبدالوہاب کی کتاب کتاب التوحید پر ان کا عمل ہے۔

لقب وہابی انگریز کے خوف سے بدل ڈالا

جب سے بخیال خوف بلوہ وفساد کے سرکار انگریز نے وہابیان ہند سے تعرض کرنا شروع کیا اوران کے جابجا نگران اور خبر گیر رہنے لگے، تب سے ان لوگوں نے وہابی کا لفظ بدل ڈالا اور اپنے آپ کو دوسرے القاب سے مثل محمدی یا عامل بالحدیث یا غیر مقلد یا موحد وغیرہ سے مشہور کیا، اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل قرآن وحدیث پر ہے، تقلید آئمہ مجتہدین کی شرک و بدعت ہے ہم کو اس سے کچھ کام نہیں۔ پابندی مذہب میں آزادی اسلام میں نہیں، جس حدیث پر چاہیں عمل کر لیں حالانکہ یہ آزادی ان غیر مقلدین کی عین پابندی خواہش نفس کی ہے۔ جس طرح اپنا جی چاہا اور جس حدیث پر اپنا مطلب نکل آیا اسی کو اپنا معمول ٹھہرالیا، دین کو ایک بازیچہ اطفال بنایا۔

حدیث نمبر ۷

عن عبد الله بن عمر ﷺ قال النبی ﷺ مثل المنافق کمثل الشاة العائرہ بین الغنمین تسیر الی ھذہ مرة والی ھذہ مرة (رواہ مسلم)

یعنی عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دوگلوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہو کبھی اس ریوڑ میں جا ملتی ہے اور کبھی اس ریوڑ میں جا گھستی ہے۔ پس یہ حال منافق کا ظاہر ہے، کبھی ایمان کی طرف جھکتا ہے کبھی رکابی مذہب بن جاتا ہے وہ کم بخت نہ ادھر کا ہوا نہ ادھر کا ہوا۔

(غیر مقلدین کا بھی بعینہ حال یہی ہوتا ہے کبھی حنفی کھیت سے چیز چرائیں گے اور کبھی دوسرے مذاہب سے۔ کبھی حنفیوں سے اپنی خارش مٹاتے ہیں اور کبھی شافعی، حنبلی، مالکی سے لیکن پھر بھی ان کی خارش ختم نہیں ہوتی پھر خود ہی شروع ہو جاتے ہیں، یعنی ان سب سے اپنا الگ ہی مسئلہ بناتے ہیں۔)

حدیث نمبر ۸

مجمع الزوائد میں طبرانی نے باب باندھا ہے **ما جاء فی الکذابین** میں عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت کی ہے۔

قال واللہ لقد سمعت رسول الله ﷺ یقول لیکونن بین یدی الساعة دجالون کذابون ثلاثون او اکثر فقلنا ما آیاتھم قال یأ تونکم بسنة لم تکونوا علیھا لیغیروا بھا سنتکم و دینکم فاذا رأیتموھم فاجتنبوا او عادوا.

یعنی کہا انہوں نے قسم اللہ کی تحقیق سنا ہے ہم نے آپ ﷺ سے کہ فرماتے تھے کہ قریب قیامت کے آخر زمانہ میں نکلیں گے دجال، اور قریب زمانہ دجال کے ایک جھوٹا فرقہ تیس

آدمیوں یا زائد کا ظاہر ہوگا، سوعرض کیا ہم نے یا رسول اللہ ﷺ کیا علامتیں ہیں اس فرقہ کذاب کی۔ فرمایا لائیں گے وہ یعنی سکھائیں گے تم کو ایک نیا طریقہ کہ تم اس طریق پر نہ ہوگے اور اس کو سنت کہہ کے تم لوگوں کو دھوکہ دیں گے، تا کہ بدل دیں اس کے سبب سے تمہارے نبی ﷺ کی سنت کو اور دین اسلام کو کہ جس پر تم عمل کرتے ہو اور ثابت قدم ہو پس جب دیکھو تم اس قوم کذاب کو تو دور رہو ان سے اور ان کو دین کا دشمن جانو اور ان سے عداوت رکھو۔

(آپ اس سے خود اندازہ لگائیں کہ آئے دن یہ لوگ نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں اور سنت نبوی کا دعوی اور حوالہ دیتے ہیں۔ **فیاللعجب**.)

نجد کے بارے میں دو باطل فرقوں کی رائے

ماقبل میں چھ نمبر حدیث گذری ہے اس میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا یمننا.

چند لوگوں کے کہنے پر تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **و فی نجدنا**. لیکن ملک نجد میں زلزلے ہوں گے اور فتنے اٹھیں گے۔ الخ۔

تو یہاں جو نجد آیا ہے اس کے بارے میں شیعوں اور غیر مقلدین کی آراء بھی سن لیں۔ غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نجد سے مراد عراق ہے، اس میں کوفہ ہے اور کوفہ میں حنفی پیدا ہوئے۔ اس لئے یہاں فتنے اٹھے اور یہ لوگ فتنے باز ہیں۔ شیعوں کا کہنا ہے کہ نجد سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس طرف ہی اشارہ فرمایا تھا (اور حجرہ مبارکہ میں تین ہستیاں آرام فرما ہیں) اور فتنے برپا ہوئے اور یہی لوگ تھے جنہوں نے ہر جگہ فتنہ کھڑا کر دیا۔ **العیاذ باللہ.**

دونوں کی تردید

یہ دونوں باتیں جہالت پر مبنی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تواریخ اور کتب حدیث کا مطالعہ بالکل نہیں، علم سے بالکل کورے ہیں۔ دار قطنی میں علیحدہ علیحدہ میقات للحج بیان کئے ہیں۔ جس

سے معلوم ہوتا ہے کہ نجد علیحدہ ایک جگہ ہے اور عراق علیحدہ ایک جگہ ہے، تو دونوں ایک جگہ ہی نہ ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ ﷺ کی وصیت

اس وصیت کو غور سے پڑھیں اور اس پر اچھی طرح عمل کریں، آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم اہل بدعت سے ملو ان کو پہلے تم سوال کرو، ان کو سوال کرنے کا موقع نہ دو۔ ورنہ وہ تمہارے دلوں میں شبہات پیدا کر دیں گے۔ (مجمع الزوائد ص۲۰۴ ج۷)

(آج اگر اس حدیث اور وصیت پر عمل کیا جائے تو کوئی باطل فرقہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہات نہیں پیدا کر سکتا۔ جب آپ ان سے پہلے سوال کریں گے تو ان کو اپنی صفائی دینی پڑے گی وہ صفائی دینے میں لگ جائیں گے بالآخر تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ تو درخواست ہے کہ اس وصیت پر ضرور عمل کریں۔)

غیر مقلدین کتیہ کی اولاد ہیں

ان کلبة كانت بنى اسرائيل محجاً خضاف اهلها ضيف فقالت لا انبع الضيف الليلة فحوى جروها فى بطنها فاوحى الى رجل منهم ان مثل هذه الكلبة مثل امة يأتون من بعلكم يستعلى سفهاء ها على علماء ها و فى رواية يقهه سفهاء ها علماء ها. (مجمع الزوائد ص ۱۸۳ ج ۱)

یعنی بنی اسرائیل میں ایک کتیہ حاملہ تھی پس اس کے مالک کے ہاں ایک مہمان آیا تو اس کتیہ نے کہا آج رات میں مہمان کو نہیں بھونکوں گی، پس اس کے بچے اس کے پیٹ میں بھونکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی کی ان میں سے کسی آدمی کی طرف کہ اس کتیہ کی طرح ایسی امت ہے کہ وہ تمہارے بعد آئے گی اس امت کے بیوقوف بلند ہوں گے اس کے علماء پر (

اور ایک روایت میں آیا ہے) اس کے سفہاء اس کے علماء پر غالب آئیں گے۔

تو آج یہی حال ہے کہ غیر مقلدین بے وقوف ہیں پہلے امت میں جتنے علماء صلحاء گزرے ہیں سب کو برا جانتے ہیں، اور اپنے آپ کو ان سے بلند و بالا سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ ناحق ہیں۔ (العیاذ باللہ)

آنحضرت ﷺ کی دعائے مبارکہ

اللهم لا يدركنى زمان لا يتبع فيه العليم ولا يستحىٰ فيه من الحليم قلوبهم قلوب الاعاجم والسنتهم السنة العرب.(مجمع الزوائد ص ۱۸۳ ج ۱)

یعنی اے اللہ نہ پائے مجھ کو ایسا زمانہ جس میں جاننے والے کی تابعداری نہ کی جائے اور نہ شرم وحیاء کی جائے حوصلہ مند سے، ان کے دل گونگے ہوں گے اور زبانیں ان کی تیز طرار ہوں گی۔

آج وہ زمانہ موجود ہے جس سے آپ ﷺ نے نہ پانے کی دعا کی، جو بے دین طبقہ ہے ان کے دلوں میں کچھ نہیں ہوتا ان کے دل ایمان و عمل سے خالی ہوتے ہیں اور ان کی زبانیں بہت تیز چلتی ہیں۔ کسی علماء حق کے خلاف ان کی زبان چلتی دیکھ لی جائے تو اس پیش گوئی کا ظہور ہوگا اور بالیقین سچی ہوگی۔ (**اللهم احفظنا منهم**)

ابو حنیفہؒ امام اعظم کیوں؟

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب بالاتفاق حضرت امام ابو حنیفہؒ کو امام اعظم کہتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ تو یہی ہے کہ امام صاحب کے بارہ میں جن احادیث میں پیش گویاں ہیں ان میں اعظم کا لفظ آیا ہے۔

اعظم الناس نصيباً فى الاسلام اهل فارس.

اور ویسے بھی ان احادیث کے مطابق واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ آپ کے بعد

والے سارے امام، امام صاحب کے خوشہ چین ہیں۔

صاحب در مختار فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی زبان سے جو بات بھی نکل گئی وہ کسی نہ کسی امام کا مذہب قرار پا گئی۔ اگر آپ **کتاب الفقہ مذاہب الاربعہ** کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ تقریباً چالیس فیصد مسائل میں تینوں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ اور چالیس فیصد مسائل میں حضرات صاحبین کے ساتھ ہیں، اور تقریباً بیس فیصد مسائل میں ان کی انفرادیت ہے۔ جس طرح ہمارے نبی ﷺ صرف نبی نہیں ہیں بلکہ نبی الانبیاء بھی ہیں، اسی طرح ہمارے امام صرف امام ہی نہیں بلکہ امام الآئمہ ہیں۔ (ص ۱۶۱ تا ۱۶۳)۔

فقہاء بیزاری

آج کل کے بے دین اور بد دین لوگ فقہاء پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور محدثین کو فقہاء پر بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ محدثین نے خود یہ دعوی نہیں کیا کہ ہمارا مقام مجتہدین کے برابر بھی ہے چہ جائے کہ بڑا ہو۔ اس لئے محدثین کے حالات میں چار ہی قسم کی کتابیں مورخین نے لکھی ہیں۔ طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ ،طبقات حنابلہ۔

محدثین کے حالات میں کوئی کتاب طبقات غیر مقلدین کسی مؤرخ نے نہیں لکھی، تو جب محدثین خود تقلید کرتے ہیں ان کو آئمہ مجتہدین سے بڑھانا مدعی سست اور گواہ چست کی مثال پوری کرنا ہے۔

محدثین خواہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ہماری حیثیت مجتہدین کے سامنے ایسی ہے جیسے پنساری کی ایک طبیب کے سامنے۔ تو آج کل کے ملحدین کو نہ تو محدثین سے پیار ہے اور نہ فقہاء سے البتہ فقہاء سے کامل نفرت ہے۔ کیونکہ فقہاء ان کی نفس پرستی میں حائل ہیں۔ ان کی خواہش نفسانی یہی ہوتی ہے کہ ہم بھی محقق کہلائیں، مجتہد کہلائیں۔ لیکن فقہاء نے دین کا مکمل پہرہ دیا ہے الفاظ پر بھی، دلالت پر بھی، اور رفع تعارض پر بھی۔ اس لئے ان چوروں کو کہیں

ٹانگ اڑانے کا موقع نہیں ملتا، اس لئے یہ چور چوکیداروں کی مخالفت کرتے ہیں۔ البتہ محدثین نے نفس ثبوت پر تحقیق کی ہے اور دلالت اور رفع تعارض کے خانے خالی تھے جو انہوں نے مجتہدین کا حق سمجھ کر چھوڑ دیئے۔ وہاں ان چوروں کو تحقیق کے نام سے ٹانگ اڑانے کا موقع مل جاتا ہے، اس لئے یہ خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں تلبیس کا موقع ملا۔ جس طرح حدیث کی صحت اور سقم پر وہ کسی محدث کی رائے پیش کر دیتے ہیں اسی طرح ضروری تھا کہ وہ بیان حکم میں بھی کسی مجتہد کی رائے بیان کرتے لیکن وہ وہاں مجتہدین کو چھوڑ کر خود رائی کرتے ہیں اور خود ہی کوئی حکم لگا لیتے ہیں۔

اسی طرح چاہئے تھا کہ رفع تعارض کے بارہ میں بھی وہ کسی اہل فن مجتہد کا حوالہ دیتے، لیکن یہاں بھی وہ خود رائی کرتے ہیں اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ فقیہ کی رائے کی مخالفت کی جائے۔ کیونکہ اگر فقیہ کی رائے کی موافقت کر لی جائے تو کون سمجھے گا کہ اس نے کوئی نئی تحقیق کر لی ہے؟ ہاں جب فقہاء کی مخالفت کرے گا تو پھر بعض یہ سمجھیں گے کہ واقعی ہمارے پروفیسر صاحب نے کمال کر دیا ہے اور اتنے بڑے محقق ہیں کہ آئمہ اربعہ بے چارے ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

اب یہ غرور اور تکبر کا پتلہ ایسے مقام پر بیٹھے گا کہ گویا یہ بہت بڑا جج ہے اور بے چارے چاروں امام اس کے سامنے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں اور یہ شیطان کبھی کسی امام کو ڈانٹ رہا ہے اور کبھی کسی امام سے تمسخر اور استہزاء کر رہا ہے اور یہی خود رائی گمراہی کی بنیاد ہے۔

روایت حدیث کے طرق

روایت حدیث کے دو طرق ہیں۔

۱۔ الفاظ حدیث کو روایت کیا جائے، جیسے مکھی والی حدیث کے الفاظ روایت کرنا۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوں ان کو روایت کیا جائے۔

احکام کی احادیث کے کل متون چار ہزار ہیں اور امام صاحب چار ہزار متون

کی روایت فرمایا کرتے تھے، دو ہزار امام حمادؒ کے واسطہ سے اور دو ہزار باقی اساتذہ کے واسطے سے۔ گویا روایت بالفظ میں امام صاحب محدثین کے برابر کے شریک ہیں، لیکن روایت بالاستنباط میں بارہ لاکھ نوے ہزار مسائل روایت کرتے ہیں اس میں آپ وحدہ لا شریک تھے۔

نوٹ

سیدنا امام اعظمؒ نے اپنے بیٹے حمادؒ کو جو وصیتیں فرمائیں ان میں انیس نمبر پر یہ وصیت ہے کہ بیٹا اہل سنت والجماعت ہی حق ہیں اسی پر قائم رہنا، اور اکیس نمبر پر آپ نے اپنے صاحب زادے حضرت حمادؒ کو پانچ احادیث سنائیں۔

(۱) **المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده.**

(۲) **من حسن اسلام المرء ترک ما لا يعنيه.**

(۳) وہ مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کے ظلم سے محفوظ نہ ہو۔

(۴) سچا مومن وہ ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسرے کے لئے پسند کرے۔

(۵) **الحلال بين والحرام بين وبينه مشتبهات.**

یہ پانچ احادیث سنانے کے بعد فرمایا، بیٹا ان پانچ حدیثوں کو پوری زندگی آئینہ کی طرح سامنے رکھنا، یہ پانچوں حدیثیں ان پانچ لاکھ حدیثوں کا خلاصہ ہیں جو مجھے یاد ہیں۔

(وصایا امام اعظمؒ)

وحدانیات امام اعظمؒ

حضرت امام اعظمؒ کی بعض روایات وحدانیات ہیں جن کو علامہ سیوطیؒ نے **تبییض الصحیفه** میں اور علامہ الصالحی الشافعی نے عقود الجمان میں بھی ان احادیث کو نقل فرمایا ہے، ان احادیث کی تعداد لوگوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق تین یا سات یا گیارہ یا سترہ یا اکیس بیان کی ہیں۔

لامذہب غیر مقلدین عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ تعداد امام صاحب کی کل روایات کی ہے۔

جس طرح مقدمہ میں دو فریق ہوتے ہیں، ایک مدعی اور دوسرا مدعٰی علیہ۔ اسی طرح مناظرہ میں دو مناظر ہوتے ہیں، ایک مدعی دوسرا سائل۔ دین اور دنیا کا مسلمہ قانون ہے کہ دلیل مدعی کے ذمے ہوتی ہے۔ مشہور حدیث ہے۔

البينة على المدعى واليمين على من انكره.

(بیہقی۔ کتاب القضاء)

عدالت بھی گواہ ہمیشہ مدعی سے طلب کیا کرتی ہے۔ اگر مدعی دلیل دینے کی بجائے سائل سے دلیل مانگنا شروع کر دے تو اس کو اصطلاح مناظرہ میں دبرہ کہتے ہیں۔

مدعی کے ذمے دلیل ہوتی ہے، اس سے دلیل خاص کا مطالبہ کرنا جائز نہیں کہ صرف قرآن سے دکھاؤ یا صرف حدیث سے دکھاؤ اور حدیث بھی صحیح بخاری کی ہو۔ اس میں بھی ساتھ شرطیں لگائی جاتی ہیں کہ صرف صریح ہو۔ اصل میں یہ طریقہ کافروں کا تھا۔ اللہ تعالٰی جو معجزات نبیوں کے ہاتھوں ظاہر فرماتے تھے وہ ان کو ماننے کی بجائے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ کوئی فرمائش پوری کرنا اللہ کے لئے مشکل نہیں مگر اللہ تعالٰی عموماً ان کی فرمائش قبول نہیں فرماتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ معجزہ اور دلیل ایک ایسی قوت ہوتی ہے کہ جس کے سامنے سب کی گردن جھک جائے۔ فرمائشی معجزہ میں صرف اس شخص کی گردن جھکے گی جس نے فرمائش کی اور دوسرا دوسری فرمائش کر دے گا، تو ایک تو معجزہ کی قوت ختم ہوئی دوسرے باقی معجزات کے انکار کی جرأت بڑھی۔ تیسرے پیغمبر تو ساری عمران کی فرمائشیں پوری کرتا رہے۔ خدا کا پیغام کب سنائے گا؟۔

پھر اگر اللہ تعالٰی کی طرف سے ان کو فرمائشی معجزہ نہیں دکھایا گیا تو ان کو یہ بات تو کہنے کا حق تھا کہ ہمارا فرمائشی معجزہ ہمیں نہیں دکھایا گیا، لیکن وہ شور مچاتے تھے کہ سرے سے

کوئی معجزہ ہی نہیں دکھایا گیا۔

اسی طرح فرق باطلہ فرمائشی دلیلیں مانگتے ہیں، اگر ان کو فرمائشی دلیل نہ دکھائی جائے تو ان کو یہ حق تو ہے کہ کہیں ہماری فرمائشی دلیل نہیں دکھائی گئی، لیکن وہ کہتے ہیں کہ کوئی دلیل ہی ان کے پاس نہیں ہے۔

غیر مقلدین کی زبان سے اعتراف حق

نواب صدیق حسن خان غیر مقلدین لکھتا ہے۔

ا۔خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں (**الناس علی دین ملوکھم**۔سعدیؒ) اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور اسی مذہب کے عالم وفاضل، قاضی، مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔(ترجمان وہابیہ ص ۱۰)

۲۔مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔اے حضرات یہ مذہب سے آزادی اور خودسری اور خوداجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے اور ہندوستان کے ہر شہر وبستی کوچہ وگلی میں پھیل گئی ہے، جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دیا۔حنفی، شافعی مذہب کا تو کیا پوچھنا ہے۔(ازاشاعۃ السنۃ ص ۲۵۵ ج ۱۹)

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین یورپ سے آئے ہیں۔

۳۔نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے فرمارو ایان بھوپال کو ہمیشہ آزادگی مذہب میں کوشش رہی ہے، جو خاص منشاء گورنمنٹ انڈیا کا ہے دولت عالیہ برٹش (برطانیہ) اس معاملہ میں قدیماً وحدیثاً ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی ہے، کسی جگہ مجرد تہمت وافتراء پر کاروائی خلاف واقعہ نہیں فرمائی بلکہ اشتہار آزادی مذہب جاری کئے۔(ترجمان وہابیہ ص ۳)

مزید لکھتے ہیں۔

اگر کوئی بدخواہ وبداندیش سلطنت برٹش (برطانیہ) کا ہوگا، تو وہ ہی شخص ہوگا جو آزادیء

مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ داداؤں کے وقت سے چلا آ رہا ہے جما ہوا ہے۔ (ترجمان وہابیہ ص ۵) (یہ رسالہ الگ مل جاتا ہے)

پہلے مذہب کی تبدیلی پر تعزیر تھی پھر ملکہ وکٹوریہ نے اشتہار شائع کیا کہ اب مذہبی آزادی ہوگی۔ اسی وجہ سے مرزا نے دعویٰ نبوت کیا اور ایک ہندو نے رب ہونے کا اعلان کر دیا اور رب قادیان کا بورڈ لگایا۔ قادیانی ساری زندگی اس کا بورڈ نہ اتروا سکے۔

آگے پھر لکھتے ہیں کہ یہ آزادی ہمارا مذہب جدیدہ (حنفی، شافعی وغیرہ مذاہب) سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے۔ (از ترجمان وہابیہ ص ۲۰)

ان حوالہ جات سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ غیر مقلدین جس میں مذہبی آزادی اور ذہنی وفکری آوارگی پائی جاتی ہے اس کا وجود انگریز حکومت سے پہلے نہیں تھا۔ اور ترک تقلید کی وجہ یہ نہیں تھی کہ قرآن کی کسی آیت یا نبی اکرم ﷺ کی کسی حدیث میں تقلید شخصی کی برائی تھی۔

ترک تقلید کی ابتداء

بلکہ ترک تقلید کی بنیاد ملکہ وکٹوریہ کا وہ اجتہاد تھا جس میں مذہبی آزادگی کا حق سب کو دیا گیا، کیونکہ یہ فرقہ انگریز کا پیدا کردہ تھا اس لئے انگریز کے خلاف جہاد کے سخت مخالف تھا۔ چنانچہ صدیق حسن خان لکھتے ہیں۔

کہ جو لڑائیاں غدر میں واقع ہوئیں وہ ہرگز شرعی جہاد نہ تھیں اور کیونکر شرعی جہاد ہو سکتا ہے جو امن وامان خلائق کا اور راحت ورفاہ مخلوق کا حکومت انگلشیہ سے زمین ہند میں قائم تھا اس میں بڑا خلل واقع ہو گیا۔ (ترجمان وہابیہ ص ۷)

آگے لکھتے ہیں کہ کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد، متبع سنت، حدیث وقرآن پر چلنے والا، بے وفائی اور قرار توڑنے کا مرتکب ہوا، یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا۔ جتنے لوگوں نے غدر میں شر وفساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسر عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدان

مذہب حنفی تھے۔(ترجمان وہابیہ ص ۲۵)

یہ لکھتے ہیں کہ سب حنفی تھے اور دیوبندیت نامی کتاب والے نے لکھا ہے کہ کوئی دیوبندی تھا ہی نہیں، تو ہم نواب کے مقابلہ میں کسی چمار کی بات کیسے مانیں۔

نذیر حسین کا فتوٰی۔انگریز کے خلاف جہاد جائز نہیں

میاں نذیر حسین جو غیر مقلدین کے **شیخ الکل فی الکل** ہیں انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خلاف فتوٰی دیا کہ جہاد کی شرطیں اس وقت مفقود ہیں، اس لئے اب جہاد جائز نہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ انگریز کی رعایا ہیں ان سے عہد شکنی کرنا بہت برا ہے، اور عہد شکنی کی مذمت حدیث میں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس آلات جہاد کی کمی ہے، تو یہاں جہاد کرنا سبب ہلاکت اور معصیت ہوگا۔

اس فتوٰی پر نذیر حسین کے علاوہ پندرہ بڑے بڑے غیر مقلدین کے علماء کے دستخط ہیں۔(۱)۔سید محمد ابو الحسن (۲) سید محمد عبد السلام (۳) محمد یوسف (۴) محمد عبد الحمید (۵) محمد عبد الصمد خان (۶) المعتصم بحبل اللہ الاحد ابو البرکات (۷) محمد عبد الغفار (۸) محمد عبد العزیز (۹) محمد اسحٰق (۱۰) شہاب الدین (۱۱) عبد الغفور (۱۲) محمد عبد الخالق (۱۳) وصیت علی (۱۴) ابو الفضل محمد عبد السلام (۱۵) محمد سعید بنارسی۔(فتاوٰی نذیریہ ص ۴۷۲ ج ۲)۔

آج کل یہ تیسری جلد میں ہوں گے۔ غیر مقلدین نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔ از ابو سعید محمد حسین لاہوری آڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ) یہ رسالہ پوری جماعت کی طرف سے انگریز لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچسٹن صاحب بہادر کی خدمت میں پیش کیا گیا، انہوں نے اس کو منظور فرمایا۔ مولوی عبد المجید سوہدروی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے (بٹالہ قادیان سے تین میل کے فاصلے پر ہے یہ بعد میں لاہوری

بنے) اشاعت السنۃ کے ذریعے اہل حدیث کی بہت خدمت کی لفظ وہابی آپ ہی کوششوں سے یہ سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا، اور جماعت اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ (یہ نام انگریز نے رکھا ہے) آپ نے حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر بھی پائی۔ (سیرۃ ثنائی ص ۳۷۲)

اس بارہ میں ایک رسالہ ہے انگریز اور اہل حدیث از مولانا بشیر احمد، نیز مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس رسالہ کے معاوضہ میں سرکار انگریز سے انہیں جاگیر بھی ملی۔ (از ہندوستان کی پہلی اسلامی تاریخ ص ۲۹)

انگریز کا عطیہ

مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی غیر مقلد اپنی کتاب الدر المنثور فی تراجم صادق فور میں ان غیر مقلد علماء کی فہرست دی ہے جن کو انگریزی حکومت سے شمس العلماء اور خان بہادر کا خطاب ملا۔

(۱) شمس العلماء جناب حضرت مولانا محمد سعید شہر پٹنہ۔

(۲) شمس العلماء حضرت مولانا محمد حسین شہر پٹنہ۔

(۳) شمس العلماء مولوی عبدالرؤف محلّہ صادق پور پٹنہ۔

(۴) شمس العلماء مولوی امجد علی صاحب ایم۔اے پروفیسر صادق پور پٹنہ۔

(۵) شمس العلماء مولانا نذیر حسین محدث دہلوی ساکن سورج گڑھ ضلع بوگیر۔

(۶) مولوی محمد یوسف جعفری رنجور۔

(۷) خان بہادر قاضی سید محمد اجمل ساکن باڑہ ضلع پٹنہ۔

(۸) خان بہادر قاضی فرزند احمد ساکن گیاہ (کلکتہ کے قریب شہر ہے)

نواب صدیق صاحب لکھتے ہیں کہ کوئی فرقہ ہماری تحقیق میں زیادہ تر خیر خواہ اور طالب امن وامان واسائش رعایا کا اور قدر شناس بندوبست گورنمنٹ کا اس گروہ سے نہیں جو آپ کو اہل

سنت وحدیث کہتا ہے اور کسی مذہب خاص کا مقلد نہیں (ترجمان وہابیہ ص ۵۸)

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس گروہ اہل حدیث کے خیر خواہ وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں، اور اس امر کو اپنے قوی وکیل اشاعۃ السنۃ کے ذریعے سے گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں، جو آج تک اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا، اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔

(اشاعۃ السنۃ ص ۲۶۲ ج ۸)

میاں نذیر حسین دہلوی نے مکہ مکرمہ میں یہ فرمایا کہ ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لئے خدا کی رحمت ہے۔

(الحیاۃ بعد الممات ص ۹۳)

ہاں یہ فرق ملحوظ رہے کہ مرزا قادیانی نے قادیان میں بیٹھ کر انگریز حکومت کو اپنے لئے رحمت کہا تھا، اور نذیر حسین نے مکہ میں جا کر۔

تو غیر مقلدین اور مرزائیوں میں انیس بیس کا فرق ہوتا ہے، جو غیر مقلد متعصب ہو اور سلف صالحین کو گالیاں دیتا ہو تو وہ ضرور مرزائی بن کر مردار ہوتا ہے۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے۔

بقیہ دلالت کی بحث

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نبی ہونا قطعی ثبوت سے ثابت ہے۔ لیکن قرآن پاک کے ذمے یہ بات لگانا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آخری نبی تھے، حضرت موسی علیہ السلام آخری نبی تھے، حضرت عیسی علیہ السلام آخری نبی تھے یہ واقعی قطعی جھوٹ ہے۔ اسی طرح یوں کہنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہن کر نماز پڑھتے تھے اتنی بات صحیح ہے، اور یوں کہنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کی ہر ہر نماز جوتے پہن کر ادا فرمائی یہ جھوٹ ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفع

یدین کرتے تھے، اونچی آمین کہتے تھے، حضرت ﷺ نے سینہ پر ہاتھ باندھے، اتناذ کرتو احادیث میں ملتا ہے اور یہ سب قضایا المهمله ہیں جس کی نقیض نہیں ہوتی۔ غیر مقلدین غلط ترجمہ کر کے ان کو قضایا کلیہ بنا لیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ترک رفع یدین والی احادیث مبارکہ ان کے جھوٹے ترجموں سے ٹکرا جائیں گی۔ ہم ان سے بھی یہی کہتے ہیں کہ تم اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ بولنا چھوڑ دو تو تمہیں ان احادیث میں کوئی حقیقی ٹکراؤ نظر نہیں آئے گا۔ جیسے حضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور یہ کہ حضرت ﷺ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں کہ دونوں کا زمانہ الگ الگ ہے۔ لیکن اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت پاک ﷺ ساری زندگی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے تو اب ان دونوں باتوں میں حقیقی ٹکراؤ پیدا ہو جائے گا، کیونکہ سالبہ جزئیہ بھی موجبہ کلیہ کی نقیض ہے۔ اس طرح غیر مقلدین جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے اپنی زندگی کی آخری نماز بھی اختلافی رفع یدین کے ساتھ ادا فرمائی، تو یہ بات ترک رفع یدین والی احادیث سے ٹکرا جاتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ ٹکراؤ اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ بولے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔

غیر مقلدین کا اصل کارنامہ یہی ہے کہ وہ جھوٹ بول بول کر پہلے احادیث صحیحہ میں حقیقی ٹکراؤ پیدا کرتے ہیں، جب ہم انہیں یہ سمجھاتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ زمانہ کی ہیں اس لئے تم یہ ہمیشہ والا لفظ چھوڑ دو تو تمہیں احادیث میں حقیقی ٹکراؤ نظر نہیں آئے گا۔ لیکن وہ ضد اور تعصب کی بنا پر اپنا جھوٹ تو نہیں چھوڑتے، لیکن جتنی احادیث ان کے جھوٹ سے ٹکرائیں ان سب احادیث کو جھوٹا کہنے لگتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

رفع تعارض کی بحث

یہ بحث بھی مکمل طور پر صرف فقہاء کے ہاں ملتی ہے کیونکہ ان کے سامنے چاروں دلائل اور ساری دلالتیں ہوتی ہیں تو انہیں آسانی سے پتا چل جاتا ہے کہ دلیل میں کہاں تعارض ہے اور دلالت میں کہاں تعارض ہے۔ محدثین نے اس پر کوئی کام نہیں کیا اگر برائے نام

کسی جگہ کچھ ذکر کرتے ہیں تو امام کی تقلید میں۔ غیر مقلدین کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو ثبوت دلیل میں دھوکہ دیتے ہیں کہ ہمارے دلائل صحیح ہیں اور آپ کے دلائل ضعیف ہیں۔ جیسے بریلوی اپنی بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور اپنے مخالف کے کاموں کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ یہی حال ان لا مذہب غیر مقلدوں کا ہے اس کے بعد دلالت میں شرارت کرتے ہیں، اور جو حدیث یہ پیش کرتے ہیں فوراً ساتھ جھوٹ بولتے ہیں کہ یہ حضورﷺ کا دائمی عمل ہے۔ سب صحابہؓ بھی اس پر عامل تھے اور چاروں اماموں میں سے تین امام بھی اس پر عامل رہے۔ امام ابو حنیفہؒ چونکہ پہلے ہوئے ہیں ان کے زمانہ میں احادیث مکمل جمع نہیں ہوئی تھیں اس لئے انہوں نے بہت سے مسائل قیاس سے حل کئے۔ لیکن وہ بھی فرما گئے تھے کہ اگر میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر دے مارنا۔

بیان نسخ

احادیث میں بعض اوقات بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ہمارے ہاں اس وقت احادیث مختلف اوقات پر محمول ہوتی ہیں، اس لئے یہ تعارض تعارض ہی نہیں ہوتا۔ البتہ یہ پتا چلانا ہے کہ ان میں سے کون سی حدیث ہے جس پر عمل ترک ہوگیا اور کون سی حدیث ہے جس پر عمل جاری رہا یہ علم دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ یا تو خود رسول اقدسﷺ واضح فرما دیں مثلاً کہ پہلے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت گھر پر رکھنے کی اجازت نہ تھی اب اجازت ہے۔ پہلے کتوں کے قتل کا حکم تھا، اب یہ باقی نہیں رہا۔ پہلے زیارت قبور کی اجازت نہ تھی، اور اب اجازت ہے، وغیرہ۔ یا کوئی صحابہ کرامؓ ایسی بات فرما دیں تو اس کو نسخ حقیقی کہتے ہیں، لیکن اس قسم کا نسخ احادیث میں بہت کم ملتا ہے۔ اس لئے بہت سی احادیث میں جن میں مختلف زمانہ کے اعتبار سے مختلف احکام ہیں تو جہاں اللہ، رسولﷺ سے کوئی وضاحت نہ ہو وہاں مجتہد کو حق پہنچتا ہے کہ وہاں اجتہادی قاعدہ سے یہ پتا چلائیں کہ ان میں سے کس حدیث پر عمل جاری رہا۔ اس لئے مجتہدین پوری احادیث کو سامنے رکھ کر پہلے ایک قاعدہ استخراج کرتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے جب

۲۳ سالہ شریعت پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ شریعت سے پہلے لوگ سب کچھ کرتے تھے گویا اباحت تھی پھر شریعت نے اس اباحت کے ترک اور حرمت کا حکم دیا۔ جیسے پہلے لوگ شراب پیتے تھے نماز میں باتیں کرتے تھے پھر منع کیا گیا۔ امام صاحبؒ نے اس سے یہ سمجھا کہ شریعت کی رفتار اباحت سے حرمت کی طرف آئی ہے۔ اس لئے اگر ایک چیز کی ایک نص میں اباحت ہے اور دوسری میں میں حرمت ہے تو اباحت کو پہلے زمانہ کا سمجھا جائے گا۔ اور حرمت آخری زمانہ کی سمجھی جائے گی۔ اس قاعدہ کی تائید ایک دوسرے قاعدہ سے بھی ہوتی ہے کہ اگر اباحت کو مؤخر مانا جائے تو نسخ مرتین لازم آئے گا۔ کیونکہ پہلے باتفاق اباحت تھی اور پھر حرمت کی نص نے اس پہلی اباحت کو منسوخ کر دیا اس کے بعد پھر اباحت کی نص نے حرمت کو منسوخ کر دیا، تو یہ نسخ مرتین لازم آیا، جو بالاتفاق ناجائز ہے۔ تو اس اجتہادی قاعدہ سے جب امام صاحب نے دیکھا کہ ایک نص میں قرأت خلف الامام کی اباحت ہے اور دوسری میں حرمت ہے تو اس اباحت کو اجتہاداً منسوخ قرار دیا، اور ترک والی روایات پر عمل جاری رہنا فرمایا۔

نوٹ

احادیث رفع یدین میں نفس ثبوت رفع یدین ہے، یہ احادیث رفع یدین کے بقاء یا نسخ سے ساکت ہیں، البتہ قیاس کی ایک ادنی قسم استصحاب حال ہے جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے رفع یدین کیا تھا تو کرتے رہے ہوں گے۔ اگر ترک کی حدیث نہ ملتی تو ہم بھی اس قیاس کو مان لیتے۔ جیسے تکبیرات عید اور قنوت میں ترک کی حدیث نہیں ملتی، تو ہم ان نمازوں میں رفع یدین کرتے ہیں استصحاب حال کی وجہ سے۔ اب چونکہ یہاں حدیث مل گئی اس لئے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا اور اس حدیث پر عمل کر لیا۔ اگر بفرض محال وہ حدیث ضعیف بھی ہو تو ہر حال میں مقدم ہے، اس لئے ہم عامل بالحدیث ہوئے اور وہ عامل بالقیاس۔ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ جو عامل بالقیاس ہیں وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور جو عامل بالحدیث ہیں ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے۔

ایک اور مثال

زید نے بکر سے دس ہزار روپے قرض لیا اور دس ہزار گواہوں کے سامنے لیا، کچھ عرصہ بعد دونوں میں جھگڑا ہوا، بکر نے زید پر مقدمہ کر دیا اور ثبوت قرض پر دس ہزار گواہ پیش کر دئے، ادھر زید نے ان دس ہزار کے مقابلے میں صرف دو گواہ پیش کئے کہ وہ دس ہزار روپیہ زید نے واپس کر دیا تھا، تو ہر عدالت فیصلہ زید کے حق میں دے گی، کہ وہ دس ہزار گواہ فقط ثبوت قرض کے گواہ تھے ان کی گواہی بقایا ادا میں سے خاموش تھی اور ان دو گواہوں نے ثبوت قرض نفی نہیں کی بلکہ ادا کی گواہی دے کر بقاء کی نفی کر دی۔

غیر مقلدین یہ شور مچایا کرتے ہیں کہ ہماری احادیث زیادہ ہیں اور ترک کی احادیث بہت کم ہیں، یہ ایک قسم کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ روایت ہمیشہ فعل کی ہوتی ہے ترک کی نہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی حیات طیبہ میں جو کہ تریسٹھ برس ہے صرف ایک رات چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، اس کو پوری امت روایت کرتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن اس ایک رات کے علاوہ پورے تریسٹھ برس کی راتوں میں چاند ٹکڑے نہیں ہوا اس بات کو کتب میں کہیں روایت نہیں کیا گیا۔ اس کی دوسری مثال سجدوں میں رفع یدین کرنے کی ہے۔ یہ حدیث تقریباً بارہ صحابہ ؓ سے مروی ہے، اور ترک کی فقط ابن عمر ؓ سے اور وہ بھی فقط زہریؒ کے طریق سے، اسی طرح ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی حدیث چھپن صحابہ ؓ سے مروی ہے جو کہ حضرت ﷺ کے ایک آدھ دفعہ کا فعل تھا، اور تین کپڑوں میں ادا فرمانا چونکہ آپ ﷺ کی عادت تھی اور وہ بھی مستقلہ۔ اس کی روایت کتاب الصلوۃ میں نہیں ملتی، البتہ **کتاب اللباس** میں تہہ بند اور قمیض کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح ٹوپی اور عمامہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔

اکمل ترین تحقیق

تحقیق کے تینوں مراتب پر کامل ترین تحقیق صرف فقہاء کی تحقیق ہے اور اکمل ترین تحقیق سیدنا امام اعظمؒ نے کی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح

احادیث لی ہیں اور بہت سی صحیح احادیث چھوڑ بھی دی ہیں۔تاہم اس انتخاب میں ان کی شخصی رائے یا امام شافعیؒ کی تقلید کا اثر ہے۔امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار احادیث کا انتخاب کر کے بخاری مرتب کی ہے۔اس کے برعکس امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو قبول کرتا ہوں جو ثقات سے ثقات نے روایت کی ہو اور اس کی صحت پر محدثین اہل کوفہ کا اجماع ہو۔

(مناقب صیمری والخیرات الحسان)

اس سے یہ فرق واضح معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے صحت حدیث کا مواد فقط اپنی رائے پر رکھا ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے صحت حدیث کا معیار صرف اپنی شخصی رائے پر نہیں بلکہ تمام محدثین اہل کوفہ کے اجماع پر رکھا ہے۔(**یداللہ علی الجماعة**)

اور دلالت کی بحث میں بھی امام ابوحنیفہؒ کا مقابلہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے ہے۔ان تینوں اماموں نے دلالت کے بارے میں جو تحقیقات فرمائیں وہ اکیلے بیٹھ کر شخصی تحقیقات کیں، لیکن امام اعظمؒ نے پہلے تقریباً چالیس مجتہدین کی ایک جماعت تیار کی اور پھر یہ سب بیٹھ کر دلالت کی تحقیق فرماتے تھے۔اس کی مثال یوں ہے کہ ایک حافظ قرآن اکیلا قرآن پڑھ رہا ہے اور کوئی اس کو لقمہ دینے والا نہیں۔اور دوسرا حافظ چالیس حفاظ کرام میں کھڑا ہو کر قرآن پڑھ رہا ہے اور چالیس حفاظ لقمہ دینے والے ہیں۔اس کی صحت قرأت پر جتنا یقین ہوگا وہ پہلے کے بارے میں نہیں ہوگا۔اس لئے امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تین امام کسی مسئلے میں اتفاق کر لیں تو پھر مخالفت کی گنجائش نہیں اور پوچھا گیا وہ کون سے تین امام ہیں؟ فرمایا امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ۔پوچھا گیا اختلاف کی گنجائش کیوں نہیں؟ فرمایا اس لئے کہ کتاب وسنت کو سمجھنے کے لئے پہلے لغت کی ضرورت پڑتی ہے اور امام محمدؒ لغت کے مسلم امام ہیں، اور امام ابو یوسفؒ حدیث وسنت کے بہت بڑے امام ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ اجتہاد اور استنباط میں اپنی نظیر آپ ہیں۔گویا ہر فن کے متخصص بیٹھے ہیں۔

التعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمدؒ کا اسی طرح امام وکیعؒ جو صحاح ستہ والوں کے اجماعی شیوخ میں آتے ہیں، وہ جب حدیث پڑھتے تو اس کے بعد قال ابو حنیفہؒ کہہ کر اس حدیث سے استنباط کئے ہوئے مسائل بھی بیان کرتے۔ ایک دن ایک شخص نے کہا کہ آپ ہمیں فقط نبی پاک ﷺ کی احادیث لکھوائیں ہمیں ابو حنیفہؒ کے اقوال کی ضرورت نہیں۔ امام وکیع نے فرمایا تم حدیث پڑھ کر کیا کرو گے جب اس کی تشریح و تفسیر ہی نہ سمجھے۔ اس نے کہا **اخطأ ابو حنیفہ** (یعنی ابو حنیفہ نے خطا کی) امام وکیعؒ نے فرمایا، اس مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ پھر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ امام ابو حنیفہؒ سے خطا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ کہتا ہوں کہ آپ خطاء پر قائم نہیں رہ سکتے تھے، کیونکہ آپ کی مجلس میں لغت، حدیث، قیاس، اور تصوف کے آئمہ موجود ہوتے تھے۔ اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ امام کو خطا پر قائم رہنے دیں۔ پھر فرمایا یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ خطا پر قائم رہے۔

اولئک کالانعام بل هم اضل.

(از مقدمہ مسلم خوارزمی)

تیسری بات رفع تعارض میں بھی باقی فقہاء اور محدثین صرف اپنے قواعد کو سامنے رکھتے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں تعارض کے موقع پر حضرت پاک ﷺ کے آخری فعل کی تلاش کرتا ہوں۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول مناقب صمیری اور مناقب مؤفق میں ہے۔ اور الخیرات الحسان میں ابن حجر سے بھی منقول ہے لیکن کچھ تصنیف کی غلطی ہے۔ یاد رہے کہ چونکہ کامل تحقیق صرف فقہاء نے کی ہے اس لئے کوئی باطل پرست کبھی بھی اپنی تائید میں فقہاء کا کوئی مفتٰی بھا قول نہیں لا سکتا، یہ لوگ فقہاء سے لوگوں کو ہٹا کر محدثین کی طرف لاتے ہیں اس لئے نہیں کہ انہیں محدثین سے محبت ہے بلکہ انہیں فقہاء سے صرف اس لئے نفرت ہے کہ فقہاء نے ثبوت، دلالت، رفع تعارض میں سے کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا۔ جس میں یہ ٹانگ پھنسا سکیں اور محدثین نے فقط ثبوت پر بحث کی ہے دلالت اور رفع تعارض کا خانہ خالی چھوڑا ہے۔ جس سے ان کو ٹانگ

اڑانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔اس لئے یہ لوگ فقہاء کی مخالفت کرتے ہیں اور محدثین کو فقہاء کے اوپر چڑھاتے ہیں۔

محققین کی تقلید

سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کتاب وسنت پر عمل ضروری ہے۔لیکن ہر آدمی کتاب وسنت کا مکمل علم نہیں رکھتا اس لئے محققین تو اپنی تحقیق کی روشنی میں کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں اور غیر محققین ان کی تحقیق کی راہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں۔سورۃ فاتحہ میں ہم روزانہ یہ دعا مانگتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم.

ہمیں سیدھے رستے پر چلا۔لیکن سیدھے رستے پر چلنے کے لئے کسی رہبر اور راہنماء کی تقلید ضروری ہے،اس لئے آگے ان رہبروں کا ذکر آیا **صراط الذین ---الخ.** یہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، یہ راہنما ہیں اور باقی لوگ راہ رو ہیں۔اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں واضح فرمایا کہ انعام یافتگان چار جماعتیں ہیں۔

۱۔حضرات انبیاء علیہم السلام۔

(۲)صدیقین۔

(۳)شہداء۔

(۴)صالحین۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ ہم فقط نبی ﷺ کی تابعداری کریں گے، وہ صدیقین ،شہداء اور صالحین کی تابعداری کا انکار کر کے گمراہ ہیں۔ان چاروں جماعتوں میں پہلی جماعت انبیاء علیہم السلام کی ہے۔پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔اب قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا یہی ختم نبوت کا مطلب ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ رہنا اور دوبارہ تشریف لانا یہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہوگا، بلکہ ختم

نبوت کی تائید ہے، جیسے آخری بیٹا اسے کہتے ہیں جو آخر میں پیدا ہو، اس کے بعد کسی بیٹے کا پیدا ہونا تو اس کے آخری ہونے کے خلاف ہے، لیکن اس کے پہلے بھائیوں کا زندہ رہنا اس کے آخری ہونے کے خلاف نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتیں جن میں سے آخری سورۃ والناس ہے، اس کے آخری ہونے کے لئے یہ تو ضروری ہے کہ اس کے بعد کوئی سورۃ نہ آئے۔ لیکن پہلی ایک سو تیرہ سورتیں بھی محفوظ اور باقی ہیں ان کا محفوظ اور باقی ہونا اس کے آخری سورۃ ہونے کے منافی نہیں۔ معلوم ہوا کہ جس سورۃ کے آنے سے ایک سو چودہ کے عدد میں زیادتی ہو جائے وہ سورۃ اس کے آخری ہونے کے خلاف ہے۔

اسی طرح اگر انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے تو اب ختم نبوۃ کے خلاف وہ نبی ہوگا جس کو نبی ماننے سے تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک ہو جائے، چاہے پہلے سب نبی بھی حیات ہوں، تو وہ ختم نبوت کے خلاف نہیں۔

نبی اگر نبوۃ سے ہو تو معنی بلندی ہے، اور اگر نبأٌ سے ہو تو خبر دینے والا۔ دوسری صورت میں یہ مبنی للفاعل اور مفعول دونوں ہوسکتا ہے، یعنی خبر دینے والا، اور خبر دیا گیا۔ ولی کا معنی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو۔

ایک غیر مقلدین فوجی افسر کے خط کا جواب

محترم ڈاکٹر صاحب۔

السلام علیکم

آپ کا خط ملا چھٹی منظور کروانے کا شکریہ، اس کے ساتھ جو آپ نے میری راہنمائی کے لئے چند باتیں تحریر فرمائی ہیں ان کے بارہ میں عرض ہے کہ جس طرح دینوں میں صرف دین اسلام برحق ہے، اسی طرح مسلمان کہلانے والے فرقوں میں اہل سنت والجماعت ہی نجات پانے والی جماعت ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی سات قرأتیں ہیں جس قرأت پر بھی کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو مکمل قرآن پڑھنے کا ثواب ہوگا۔ اسی طرح سنت نبوی پر عمل کرنے کے

چار مذاہب ہیں، کسی ایک امام کی تقلید کرنے سے پوری سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہی فرقہ ناجیہ حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک متواتر چلا آ رہا ہے۔ البتہ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں ہندوستان میں کچھ لوگ اہل سنت سے کٹ کر اہل قرآن، کچھ اہل حدیث، کچھ احمدی، کچھ محمدی کہلانے لگے۔ ان میں سے کسی کا مقصد دین نہ تھا، بلکہ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ ان تمام فرقوں اور گمراہیوں سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔ اور حق بات کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اہل سنت اور اہل حدیث

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ سيأتيكم منی احاديث مختلفة فما جاء كم موافقاً لكتاب الله و سنتی فهو منی و ما جاء كم مخالفاً لكتاب الله و سنتی فهو ليس منی.

(الكفاية للخطيب ص ۴۳۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارا جھگڑا اختلافی احادیث کی وجہ سے ہے، اختلافی احادیث میں جو لوگ ان حدیثوں پر عمل کرتے ہیں جو کتاب اللہ کے موافق ہوں اور سنت یعنی عملی تواتر کے موافق ہوں وہ لوگ اہل سنت کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اختلافی حدیثوں کا بہانہ بنا کر قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور نبی پاک ﷺ کی سنتوں اور عملی تواتر کو مٹا کر مسلمانوں میں فتنہ ڈالتے ہیں وہ اہل حدیث ہیں۔

آپ نے مجھے استخارہ کے بارے میں لکھا ہے کہ میں استخارہ کر کے دیکھوں کہ کون سا فرقہ سچا ہے، تو کیا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے کہ استخاروں سے دین تبدیل کیا جا سکتا ہے یا اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے؟۔ مجھے ایسا حکم لکھ کر بھیجیں کہ اب کتاب و سنت کے دیکھنے کی ضرورت نہیں صرف استخارہ کر کے دین تبدیل کر لیا کرو۔ جب ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں سختی سے منع فرمایا کہ اگر کتاب و سنت کے مخالف میری حدیث بھی آ جائے تو اس پر عمل نہ کرنا، تو پھر

آپ کے اور میرے استخارے کیا حیثیت رکھتے ہیں، جتنے لوگ قادیانی ہوئے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم نے استخارہ کیا تھا ہمیں یہ مذہب اچھا معلوم ہوا تو ہم قادیانی ہو گئے۔

فتنہ اہل حدیث

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الاحادیث مما ولم تسمعوا انتم ولا آباء کم فایا کم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم.

(صحیح مسلم ص۱۰ ج۱)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فتنہ اہل حدیث کی خبر دی ہے اور ان کی پہچان بتلائی ہے۔

اہل حدیث کی چار پہچان۔

دجال ،کذاب، ضال، فتان۔

وہ لوگ ایسی حدیثیں پیش کریں گے جو اس علاقہ کی عوام نے کبھی سنی بھی نہیں ہوں گی، چہ جائے کہ وہاں ان پر متواتر عمل ہو۔

آپ نے مجھے دعا کے بارہ میں لکھا ہے میں ان شاء اللہ اپنے تبلیغی سفر میں دل سے دعا کروں گا کہ اللہ آپ کو اس فتنہ سے بچائے۔

آپ نے لکھا ہے کہ بعض تبلیغی ساتھی جہاد بالسیف کی مخالفت کرتے ہیں۔تبلیغ اور جہاد دین کے اہم شعبے ہیں، کچھ لوگ ایک شعبہ میں کام کر رہے ہیں، کچھ دوسرے شعبہ میں۔آخر افغانستان کا جہاد امریکہ اور امریکہ نواز غیر مقلدین کو بہت کھٹک رہا ہے وہ بھی حنفی ہی کر رہے ہیں اور وہاں فقہ حنفی کی شکل میں کتاب وسنت کا نفاذ ہو چکا ہے۔

آپ نے اندھی تقلید کے بارہ میں لکھا ہے، اندھی تقلید یہ ہوتی ہے کہ اندھا اندھے کی تقلید کرے۔آئمہ اربعہ جو عارف بصیر ہیں ان کی تقلید کو اندھی تقلید کہنا ایسے ہی اندھے کا کام ہے جو سر کی آنکھوں اور دل کی آنکھوں دونوں سے اندھا ہو۔اس کے تحت آپ نے

اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ

اور حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث کا حوالہ دیا ہے۔قرآن کی آیت بالکل برحق ہے مگر خارجیوں کی طرح بے موقع استعمال کی گئی ہے، بخاری شریف کتاب الخوارج میں ہے کہ خارجی بدترین لوگ ہیں جو کافروں والی آیتیں مسلمانوں پر فٹ کرتے ہیں۔حدیث کا ترجمہ بھی بالکل آپ نے غلط کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ بغیر سند جانچے اپنے بزرگوں اور عالموں کی باتوں کو درست نہ مان لیتے تھے؟۔ یہ ترجمہ کسی حدیث کا نہیں، نبی پاک ﷺ پر جھوٹ بول کر اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے بارے میں خود قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

سمعون للکذب اکلون للسحت.

پرلے درجے کے حرام خور،

یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ

اور حدیث میں ہے کہ اپنی مرضی سے حرام کو حلال کرتے تھے۔آئمہ اربعہ یقیناً نہ حرام خور تھے اور نہ ہی جھوٹے اور نہ ہی مسئلہ خود گھڑ کے خدا کے ذمے لگاتے تھے۔اس لئے ان پر یہ آیت فٹ کرنا **یحرفون الکلم عن مواضعہ** پر عمل ہے۔ہاں جناب نے جو اپنے مولویوں سے سن کر لکھا ہے کہ مجتہد کی تقلید شرک فی الرسالۃ ہے، اور حرام ہے۔ یہ وہی یہودیوں والا کام ہے کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ نے قطعاً مجتہد کی تقلید کو شرک فی الرسالۃ اور حرام نہیں فرمایا۔

نوٹ

یہ بھی یاد رہے کہ امام ترمذیؒ نے عدی بن حاتمؓ کی حدیث پر اعتراض بھی کیا ہے، اس کا راوی **غطیف بن اعین لیس بمعروف فی الحدیث** (ترمذی ص ۱۴۰ ج ۲) اور یہ بھی یاد رہے کہ عبدالسلام بن حرب رافضی ہے، جو کہ اس حدیث کا دوسرا راوی ہے۔کیا آپ کے نزدیک اس کی تقلید اندھی تقلید نہیں؟

ہم جو قرآن، نماز جمعہ اور حج ادا کرتے ہیں، یہ چودہ سو سال سے متواتر چلے

آ رہے ہیں۔ ان متواترات میں سے ہمیں کسی بات پر ذرہ بھر شک نہیں۔ البتہ غیر مقلدین نے مسلمانوں میں فتنہ ڈالنے کے لئے متواتر نماز کو اس طرح غلط کہنا شروع کر دیا جس طرح رافضی متواتر قرآن کو غلط کہتے ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ہمارے اللہ نے جو امام ﷺ بنایا ہے یہ خالص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے صفاتی ناموں میں سے امام اعظم نہیں فرمایا اور کیا آپ یہ بھی شائع کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے لئے قائد اعظم بنایا ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو قائد اعظم کہنا کفر اور شرک ہے۔

آپ نے شیعوں کے بارہ اماموں اور فقہ کے سنی چاروں اماموں کی سند قرآن وحدیث سے مانگی ہے۔ یہاں آپ نے صحاح ستہ والوں کو کیوں فراموش کر دیا ہے۔ آپ نے فقہ پر چند اعتراضات کئے ہیں فقہ کو رسول ﷺ نے خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا ہے (بخاری مسلم) اور فقہ کے مخالف کو شیطان فرمایا ہے۔ (ترمذی) تو آپ اس خیر سے روک کر خدا کے لئے اس آیت کے مصداق نہ بنیں۔

مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذالک زنیم.

میں دست بدعا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو فقہاء کرام سے بدگمانی اور بد زبانی سے محفوظ رکھے۔

آپ نے لکھا ہے کہ عالمگیری میں ہے کہ بادشاہ کے لئے شراب اور زنا جائز ہے، اگر وہاں یہ جائز کا لفظ دکھا دیں تو دس لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ورنہ روزانہ فجر کے بعد نماز کے بعد دس لاکھ مرتبہ **لعنت اللہ علی الکذبین** پڑھ کر اپنے منہ پر دم کر لیا کریں۔ آپ نے لکھا ہے کہ اجرت دے کر اگر کسی عورت سے زنا کر لیا تو اس پر حد نہیں، آپ اس پر حد ہونے کی حدیث لکھیں۔ اگر آپ حد نہ ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ جائز ہے، تو خنزیر کا گوشت کھانے اور پیشاب پینے اور پاخانہ کھانے پر قرآن وحدیث سے حد دکھائیں وگرنہ خود بھی اور گھر والوں کو

بھی کھلانا شروع فرمائیں۔اور ابوداؤد،ابن ماجہ،ترمذی میں ہے کہ جانور سے صحبت کرنے پر حد نہیں آپ کتیا اور خنزیرنی سے شغل فرمائیں اور گدھے اور گھوڑے سے ورنہ منکرین حدیث آپ پر اعتراض کریں گے کہ یہ کیسے اہل حدیث ہیں جو صحاح ستہ پر بھی عمل نہیں کرتے۔

آپ نے لکھا ہے کہ گیہوں، جو،شہد اور جوار کی شراب امام ابوحنیفہؒ کے ہاں جائز ہے،(ہدایہ)۔اگر آپ اس عبارت میں لفظ خمر دکھا دیں تو آپ کو دس لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔وگرنہ لعنۃ اللہ علی الکذبین کو اپنا وظیفہ بنالیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ محرمات سے زنا کرنے پر حد نہیں۔تو سنئے ہمارے ہاں محرمات سے نکاح کو جائز کہنے والا اور زنا کرنے والا مرتد اور واجب القتل ہو جاتا ہے (فتح القدیر)۔ہاں نکاح باطل کے بعد صحبت سے حد زنا ہونا کسی حدیث سے ثابت فرمادیں۔ہمارے ہاں ان دونوں کو تعزیراً قتل کیا جائے گا۔(کذافی درالمختار کتاب القاضی) حدیث میں تو بلکہ آپ ﷺ نے نکاح باطل کے بعد مہر دے دیا ہے۔(کذافی الترمذی)

خط کا جواب ختم ھوا۔

عمیق بات

یاد رہے کہ جس طرح قادیانیوں کا کوئی ترجمہ قرآن اور حدیث کی کتاب کا ترجمہ انگریز کے دور سے پہلے کا نہیں،اسی طرح غیر مقلدین کا کوئی ترجمہ قرآن انگریز سے پہلے کا نہیں ہے،اور نہ ہی ان کا کسی حدیث کی کتاب کا ترجمہ انگریز کے دور سے پہلے کا ہے۔جبکہ اہل سنت والجماعت کا ترجمہ فارسی میں شاہ ولی اللہؒ کا،اور اردو میں تحت الفظ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ،کا اور بامحاورہ ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ صاحب کا ہے۔

نوٹ

علمائے دیوبند نے انہی ترجموں کو باقی رکھا البتہ اردو زبان کے کچھ محاورے بدل گئے ہیں اس لئے حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کو ہی نئی اردو میں تبدیل فرمایا۔

اور حضرت تھانویؒ نے شاہ رفیع الدینؒ صاحب کے ترجمہ کو ہی نئی اردو میں تبدیل فرمایا۔ کیونکہ بعض پرانے محاورے عام بول چال میں متروک ہو چکے تھے اور ان کا سمجھنا مشکل تھا۔ اگر مدعی رافضی ہے تو اس سے پہلے لکھوالیا جائے گا کہ میں اپنے ہر دعویٰ فقط قرآن اور آئمہ معصومین کے مسلمہ بین الفریقین اقوال سے ثابت کروں گا۔

نوٹ

یاد رہے کہ شیعہ کتب میں ان کے آئمہ کے اقوال اکثر ہر مسئلہ میں مختلف ہوتے ہیں۔ ایک قول سنیوں کے خلاف ہوتا ہے اور دوسرا موافق ہوتا ہے۔ تو ہم ان سے متفق علیہ قول کا مطالبہ کریں گے۔ اس کے لئے ان کی صحاح اربعہ میں الاستبصار بہترین کتاب ہے۔ وہ لکھی ہی اس وجہ سے گئی ہے کہ اس میں ہر مسئلہ کے دو قول ہوتے ہیں اور اگر مدعی اہل سنت والجماعت ہے تو اس سے پہلے ہی لکھوالیا جائے گا کہ وہ بالترتیب ادلہ اربعہ کو مانتا ہے۔

(۱) کتاب اللہ۔

(۲) سنت رسول اللہ ﷺ۔

(۳) اجماع۔

(۴) قیاس۔

وہ کسی مسئلہ میں ان چاروں سے باہر نہیں نکلے گا۔

علمی نوٹ۔

نفی کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔

(۱) نافی نفی اس لئے کر رہا ہے کہ مدعی کے دعوے کا کسی دلیل شرعی سے ثبوت نہیں، جیسے بدعات وغیرہ ہیں۔ یہاں نافی کے ذمے دلیل نہیں ہے اور اگر نافی نفی کی بنیاد کسی دلیل شرعی کو بنا رہا ہے، مثلاً قرآن سے ثابت ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، کوئی باپ نہیں، کوئی بیٹا نہیں وغیرہ اور مثلاً قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ روح کا جسد اطہر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں وغیرہ۔ چونکہ اس

نفی کی بنیاد دلیل پر ہے، اس لئے یہ نافی مدعی ہوگا۔ اور دلیل سے ثابت کرنا اس کے ذمے ہوگا۔ ہم اہل سنت والجماعت ادلہ اربعہ کو مانتے ہیں اس لئے ہم مخالف کو حق دیں گے کہ ہم جو بات بھی کریں وہ ہم سے پوچھے کہ یہ بات کس دلیل سے ثابت ہے اور ہم اس کے جواب دہ ہوں گے۔ مثلاً مدعی اور سائل کی جو تعریف ہے اگر کوئی یہ پوچھے کہ یہ کس دلیل سے ثابت ہے تو ہم فوراً جواب دیں گے کہ اجماع سے، کیونکہ جس طرح اہل فن نے یہ کہا **کل فاعل مرفوع** تو اہل فن میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ بلکہ سب مانتے ہیں کہ یہ فن کا اجماعی مسئلہ ہے اور اجماع ہمارے ہاں دلیل شرعی ہے۔ البتہ اہل قرآن سے ہمارا مطالبہ یہی ہوگا کہ وہ مدعی اور سائل کی تعریف صرف قرآن کے ترجمے سے سنائیں اور دکھائیں۔

نوٹ۔

یہ بات یاد رہے کہ کسی فن کی تعریفات کتاب وسنت میں موجود نہیں، یہ تعریفات اہل فن اپنے اجتہاد سے کرتے ہیں۔ اگر کسی تعریف پر اہل فن کا اتفاق ہوگیا تو اس تعریف کو اجماعی تعریف کہیں گے اور وہ بطور حجت ملزمہ سب پر حجت ہوگی، اور اگر کسی تعریف میں اہل فن کا اختلاف ہوگیا تو ہم اپنے اصول کی کتاب کو مانیں گے، اور بطور حجت مطمئنہ اس کو چوتھی دلیل سے ثابت مانیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اصول کو ماننے کے لئے اجماع اور قیاس کا ماننا ضروری ہے۔ **واللہ اعلم.**

مسلمانوں کی کل تعداد۔

برصغیر پاک وہند میں احناف کی اکثریت ہے اور وہاں ان کی تعداد تقریباً چار کروڑ اسی لاکھ ہے، وہاں شوافع بھی تقریباً دس لاکھ کی تعداد میں ہوں گے۔ اہل حدیث بھی کثرت سے ہیں۔ بعض دیگر مذاہب اثنا عشریہ وغیرہ کے متبعین بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ اعداد وشمار ۱۹۳۰ء یا اس سے قبل کے ہیں، جبکہ برصغیر ہند (پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش) کی کل آبادی تقریباً چالیس کروڑ یا اس سے کچھ کم تھی۔ لیکن اب ۱۹۹۴ء میں اس برصغیر کی کل آبادی تقریباً ایک ارب

ساڑھے چونتیس کروڑ ہے۔ اس میں سے صرف بھارت کی آبادی تقریباً ساڑھے چوراسی کروڑ ہے، اور اس کا آٹھواں حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یعنی وہاں تقریباً ساڑھے دس کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ ان میں سے حنفی تقریباً دس کروڑ ہوں گے۔

اب ۱۹۹۴ء میں پاکستان کی آبادی تقریباً ساڑھے بارہ کروڑ ہے اور بنگلہ دیش کی آبادی بھی تقریباً اتنی ہی ہے، گویا ان دونوں ملکوں کی آبادی ۲۵ کروڑ ہے اور ان میں سے مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲۲ کروڑ ۷۵ لاکھ ہے، جن میں سے حنفی مسلک کے مسلمان تقریباً ساڑھے اکیس کروڑ ہیں۔ اس حساب سے پورے برصغیر پاک و ہند میں آج احناف کی تعداد ساڑھے اکتیس کروڑ کے قریب ہے۔

پوری دنیا میں احناف کی کل تعداد۔

روئے زمین پر آج کل تقریباً ایک ارب تیس کروڑ مسلمان آباد ہیں اور ماہرین کے اندازہ کے مطابق حنفی مذہب کے پیرو تمام مسلمانوں کا دوتہائی ہیں۔ اس لحاظ سے آج کل پوری دنیا میں حنفی مسلمانوں کی تعداد تقریباً ساڑھے چھیاسی کروڑ ہے۔ از اسلامی دنیا میں فقہی مذاہب کا فروغ۔ مترجم معراج محمد بارق ص ۱۳۱ حاشیہ نمبر ۹ ناشر قدیمی کتب خانہ کراچی نمبر ۱)

خلاصہ کلام۔

خلاصہ کلام یہ کہ آج کل پندھرویں صدی کے آغاز میں حنفی مذہب کے پیرو افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، عراق، ترکی، شام، مشرقی ترکستان، مغربی ترکستان، (ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان اور قازقستان، وغیرہ) بوسنیا، البانیہ و بلقان میں اکثریت میں پائے جاتے ہیں۔ ایران، انڈونیشیاء، عدن، برازیل، برما، سری لنکا، ملائیشیا، تھائی لینڈ، سعودی عرب و دیگر ممالک میں اقلیت میں ہیں۔ (ص ۸۵ حوالہ مذکورہ بالا)

آج کل یعنی پندھرویں صدی ہجری میں مالکی مذہب کے پیروکار شمالی مغربی افریقہ کے ممالک مثلاً مراکش، موریطانیہ، تونس، الجزائر اور لیبیاء میں اکثریت میں ہیں۔ مصر، سوڈان

،شام، لبنان، اور حجاز میں ان کی اقلیت ہے ۱۹۳۰ء میں اس مذہب کے مقلدین کی تعداد کا اندازہ ساڑھے چار کروڑ لگایا گیا تھا۔

آج کل یعنی پندھرویں صدی ہجری میں یعنی اس کے آغاز میں شافعی مذہب کے پیرو اکثر انڈونیشیاء، ملائشیا، فلپائن، تھائی لینڈ، سری لنکا، مصر، سوڈان، اردن، لیبیا، فلسطین، اور لبنان میں آباد ہیں۔ جزوی طور پر یہ شمالی افریقہ کے دیگر ممالک برصغیر پاک و ہند کے ساحلی علاقوں ،سعودی عرب، عراق، شام اور یمن میں بھی آباد ہیں ۱۹۳۰ء میں شوافع کی دنیا میں تعداد کا اندازہ دس کروڑ لگایا گیا تھا۔ (ص ۱۱٦ حوالہ مذکورہ بالا)

امام شافعیؒ کا پورا نام محمد بن ادریس الشافعی القرشی ہے۔ ان کی ولادت غزہ میں ۱۵۰ھ میں ہوئی اور وفات مصر میں ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبلؒ شیبانی کی ولادت ۱٦۴ھ بغداد میں ہوئی اور وہیں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

امام مالکؒ بن انس اصبحی کی ولادت مشہور روایت کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی اور وفات صحیح روایات کے مطابق ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

مذہب حنفی۔

آج کل غیر مقلدین احناف کو دھوکہ دیتے ہیں کہ احناف میں سے چند اشخاص کے شاذ اقوال کو مفتٰی بہا اقوال کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ جیسے مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کے اقوال شاذہ، رفع یدین یا قرأت خلف الامام کے بارہ میں۔ اور علامہ ابن الھمامؒ کا تراویح کے مسئلہ میں، اور اسی طرح دیگر بزرگوں کے اقوال شاذہ پیش کرتے ہیں۔ یہ محض ان کا دھوکہ اور فریب ہے، تو اس فریب اور دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ مذہب حنفی نام کس چیز کا ہے؟۔ تو یاد رکھئے مذہب حنفی کہتے ہیں مفتٰی بہا اقوال کو، یعنی جن پر سب حنفی عمل کر رہے ہیں۔ تو جب بھی غیر مقلدین اکابرین میں سے

کسی کے اقوال پیش کریں، تو پہلے ان کو دیکھ لو کہ وہ مفتی بہا ہیں یا نہیں۔ اگر مفتی بہا ہوں تو فبھا، اس پر سرِ تسلیم خم ہوگا ورنہ وہ اقول شاذ کہلائیں گے۔ ان اقوال شاذہ کی مفتی بہا اقوال کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ جیسے متواتر قراءتوں کے مقابلے میں شاذ قراءتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور شاذ اقوال مرجوح اور ضعیف اقوال ہوتے ہیں، ان پر فتویٰ دینا حرام ہے۔ کیونکہ خرق اجماع (اجماع کا توڑنا) لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔ (لہذا غیر مقلدین کے اس دھوکہ کو خوب ذہن نشین کرلیں، کبھی ان شاء اللہ ان سے مار نہیں کھائیں گے۔

مذہب کا معنی۔

مذہب کہتے ہیں راستہ کو اور وہ راستہ جس پر تمام لوگ چلیں تو اسی طرح یہ سمجھیں کہ اگر کسی مسئلہ میں تمام حنفی اس پر نہیں چلتے تو وہ مذہب نہیں کہلائے گا وہ اقوال شاذہ کے زمرے میں آئے گا۔ جیسا کہ ماقبل میں اوپر گزرا۔

مسئلہ کا ماخذ سب سے پہلا اجماع ہے۔

سب سے پہلے جو مسئلہ اخذ کیا جائے گا وہ کس سے لیا جائے گا، اس کے بارے میں وضاحت ہے کہ سب سے پہلا ماخذ اجماع ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کے اندر نسخ کا احتمال موجود ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو اور اسی طرح حدیث پاک کے اندر بھی نسخ کا احتمال موجود ہے کہ شاید یہ حدیث منسوخ نہ ہو اور جس پر عمل کرنا ہو وہ دوسری ہو۔ اور اس نسخ سے محفوظ اجماع ہے، اس کے اندر کسی قسم کے نسخ کا احتمال موجود نہیں ہے۔ وہ ایک پکی بات یا عمل ہوتا ہے۔ آیت یا حدیث اگرچہ بہت پکی اور مضبوط ہیں لیکن ان میں نسخ کا احتمال یقیناً موجود ہے۔ اس لئے خرق اجماع سے آدمی جہنم میں اپنا ٹھکانہ بناتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

حدیث پاک میں جو وارد ہے کہ **اختلاف امتی رحمۃ** یعنی میری امت کا اختلاف

رحمت ہے، یہ رحمت کیوں ہے؟۔اس کی وجہ کیا ہے؟۔تو اس کی وجہ سن لیجئے، کہ رحمت اس طرح ہے کہ اختلاف سے حکم میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے، اگر ایک ہی مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہ ہو تو اس میں بہت سختی ہوتی ہے، ادھر ادھر پھرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔اختلاف سے پہلے کی طرح حکم ٹھوس اور مظبوط نہیں رہتا، بلکہ اپنے اندر نرمی اور رحمت سمو لیتا ہے۔(پھر بھی اگر کوئی عمل نہ کرے تو اس کی مرضی **قد تبین الرشد من الغی**)اس سلسلہ میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا قول قابل ذکر ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ میں باہم جو فقہی اختلاف پایا جاتا ہے اس سے مجھے اس قدر خوشی ہوتی ہے کہ قیمتی سرخ اونٹوں کے حاصل ہونے سے بھی نہ ہو۔سوچو!اگر سب صحابہ کرام ؓ ہر مسئلہ میں صرف ایک ہی رائے پر جمع ہوتے تو لوگوں کو ہر معاملہ میں کس قدر تنگی پیش آتی۔

یہاں پر ہم یہ بتاتے چلیں کہ بے شک صحابہ کرام ؓ میں فقہی اختلاف موجود تھا اور اسی طرح تابعین حضرات میں بھی اختلاف پایا جاتا تھا۔درحقیقت فقہی مسائل میں فروعی اختلاف ہونے سے نہ مسلمانوں کو کوئی نقصان ہے اور نہ اسلامی حقائق و شریعت کو، بشرطیکہ ہر ایک کا مقصد حق بات تک پہنچنا ہو اور کسی اختلافی رائے سے کوئی نص کالعدم نہ ہوتی ہو، اور نہ کسی اصول اسلام پر زد پڑتی ہو اور نہ مقاصد شریعت میں سے کوئی مقصد فوت ہوتا ہو۔تو اس ساری تفصیل سے واضح ہو گیا کہ فروعی اختلاف کوئی مذموم یا حق و باطل کا اختلاف نہیں، اصل اختلاف یہ ہے کہ عقائد میں اختلاف ہو۔یاد رکھئے کہ آئمہ اربعہ کا اختلاف کوئی عقائد کا اختلاف نہیں جس کو مذموم یا حق و باطل کا اختلاف کہا جائے، بلکہ فقہی مسائل میں فروعی اختلاف ہے، اور یہ کوئی عقائد کا اختلاف ہرگز نہیں۔(اس لئے آئمہ اربعہ پر بھونکنے والے ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ جب وہ لوگ یہ بکواس کرتے ہیں کہ آئمہ اربعہ نے دین میں اختلاف پیدا کر دیا ہے، حالانکہ دین تو ایک ہے۔یاد رکھئے آئمہ اربعہ نے چار مذہب نہیں بنائے بلکہ کئی سینکڑوں سے چار باقی بچے، اور ان میں آپس کا اختلاف عقائد کا اختلاف ہرگز نہیں، ہر ایک کا مقصد ایک ہی ہے کہ رضائے مصطفیٰ ﷺ حاصل ہو

جائے اور باجماع امت خدا اور رسول ﷺ کی رضا ان چار مذاہب میں منحصر ہے، کسی اور جگہ سے تلاش کرنے والا اجماع کا خارق ہے یعنی اجماع کا منکر ہے، اور بتصریح آیت کریمہ۔

ومن يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى و نصله جهنم و ساء ت مصيراً.

اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا رہا ہے، اور یاد رکھنا وہ ٹھکانہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے اور آئمہ اربعہ اور خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اللہ تعالیٰ آئمہ اربعہ کی عزت وقدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین.)

قانون کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

ہر دور میں ہر انسان کے ہاں قانون کی بڑی اہمیت ہوتی ہے چاہے وہ جس طرح کا بھی قانون ہو۔ مثلاً شریعت میں تصویر کشی حرام ہے، لیکن ہمارے ملک پاکستان کا قانون ہے کہ بغیر شناختی کارڈ (جس پر تصویر لازمی ہے) کہیں باہر کے ملک اور کسی جگہ نوکری نہیں لگ سکتا۔ غرضیکہ ہر آدمی کے ہاں قانون کی اہمیت ہے۔ جو آدمی بااصول ہوگا وہ اصول کو مدنظر رکھ کر بات کرے گا کہ کہیں قانون پر حرف نہ آئے، اور جو آدمی بے اصولا ہوتا ہے جو منہ میں آئے کہتا ہے اس کا اصول چونکہ ہے ہی نہیں اس کو اصول سے کیا واسطہ۔ مثلاً غیر مقلدین کا کوئی اصول نہیں ہے اگر کسی روایت میں جو ان کے موافق ہو عن عن آ جائے یعنی مدلس کی روایت ہو تو وہ ان کے نزدیک حجت ہوتی ہے، اگر وہ ہی مدلس روایت مخالف مذہب کی تائید کرتی ہو تو پھر اس کو نہیں مانتے اور پھر فوراً شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ تدلیس بھی جرح ہوتی ہے، اور یہ بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ پتہ نہیں کیا کیا پھر بکواس کرتے ہیں۔ اور احناف کے چونکہ اصول ہیں، وہ اصول کے مطابق بات کرتے ہیں۔ اصول کے مطابق ہی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہتے ہیں۔ مثلاً احناف کے ہاں ایک اصول ہے کہ خیر القرون کی تدلیس وارسال وانقطاع کوئی مضر نہیں، اور یہ کوئی جرح نہیں۔

اب اگر احناف کی کسی روایت میں مدلس وغیرہ کی روایت ہوگی تو دیکھتے ہیں کہ یہ تدلیس خیر القرون کی ہے یا نہیں؟۔ اگر ہوگی تو قبول ہوگی، ورنہ نہیں۔ایسے بلاوجہ تدلیس وغیرہ کو رد کر دینا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔اس لئے جو آدمی اصولی ہوگا وہ اصول کو مدنظر رکھ کر بات کرے گا کہ کہیں یہ بات یا عمل قانون کے خلاف نہ ہو۔اور بے اصولا وہ ہی بات کہتا ہے جو منہ میں آ گئی، جیسے غیر مقلدین۔اللہ تعالیٰ ہمیں اصولی بنائے اور غیر اصولیوں سے محفوظ فرمائے۔(آمین. ثم آمین.)

شعیب ناصر نامی غیر مقلد کے خط کا جواب۔

نمبر ا۔

شعیب ناصر نے غیر مجتہد کے لئے مجتہد کی تقلید کو حرام، کفر اور شرک لکھا ہے، اور خنزیر کا گوشت قرار دیا ہے۔لیکن اس پر کوئی آیت یا حدیث بطور دلیل نقل نہیں کی۔قرآن پاک نے یہودی علماء کی یہی عادت بیان کی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بلا دلیل حرام کے فتوے دیا کرتے تھے۔شعیب ناصر نے اپنی طرف سے حرام کہہ کر یہود کی تقلید کر کے پیٹ بھر کر سور کا گوشت کھایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہاں نذیر حسین دہلوی معیار الحق میں، مولوی محمد حسین بٹالوی اشاعۃ السنۃ میں، مولوی ابراہیم سیالکوٹی تاریخ اہل حدیث میں، مولوی داؤد غزنوی کتاب داؤد غزنوی میں، مولوی ثناء اللہ اخبار اہل حدیث میں، میاں نور حسین گرجاکھی ارکان اسلام میں، تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔تو دیکھئے آپ کے علماء نے آپ پر صبح شام سور کا گوشت کھانا واجب کر دیا ہے۔

نمبر ۲۔

شعیب ناصر نے لکھا ہے کہ مجھے امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ حدیثیں آتی ہیں، بڑا کم ہمت آدمی ہے امام ابو حنیفہؒ تک ہی رہا، فرقہ غیر مقلدیت کا بانی عبد الحق بنارسی زیادہ ہمت والا تھا جو کہتا تھا کہ مجھے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت زیادہ حدیثیں آتی ہیں، کیونکہ کتب حدیث میں کسی صحابی سے پانچ کسی صحابی سے تین، کسی سے سو یا کسی سے دو سو مروی ہیں، مجھے ہزاروں حدیثیں یاد ہیں۔

(بحوالہ کشف الحجاب)

نمبر۳۔

شعیب ناصر نے ابن خلدون کا قول نقل کیا ہے۔

و یقال بلغت روایته الی سبعة عشر حدیثاً.

یعنی کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی روایات کی تعداد سترہ تک پہنچتی ہے۔ اس کا قائل مجہول ہے، تو اس قول پر شعیب ناصر جیسا اجہل مجہول ہی ایمان لاسکتا ہے۔ ابن خلدون جو معروف ہے اس نے آگے اس کی تردید کی ہے، شعیب ناصر نے **لا تقربوا الصلوة** کی مثال پوری کر ہی دی۔ اس کے بعد قیام اللیل سے ابن مبارک کا قول نقل کیا ہے کہ **کان ابو حنیفه یتیماً فی الحدیث** کہ ابوحنیفہؒ حدیث میں یتیم تھے۔ بے سند قول اور وہ بھی شوافع کی کتاب میں، کسی حنفی کی کتاب میں اس کا نام ونشان ہی نہیں۔ کہ حنفی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس حدیث کے کئی صندوق تھے۔ حنفیہ کی کتابیں چھوڑ کر مخالفین کی کتاب سے بلاثبوت الزام دینا شعیب ناصر جیسے انصاف دشمن اور عقل کے اندھے ہی کو زیبا ہے، جبکہ عبداللہ ابن مبارکؒ کی امام صاحب کے بارے میں مشہور نظم درمختار میں ہے۔ اس کے بعد امام احمد کا قول **لا رأی ولا حدیث** نقل کیا ہے۔ (یعنی) یہ بھی کسی حنفی کی کتاب میں نہیں ہے، جبکہ علامہ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہؒ میں امام احمدؒ سے نقل کیا ہے۔

''سبحان اللہ امام ابوحنیفہؒ تو علم، ورع، زہد اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں کہ جہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔'' (مناقب ابی حنیفہ ص ۲۷)

ظاہر ہے کہ علم سے مراد علم حدیث اور علم فقہ ہی ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کا قول نقل فرمایا ہے کہ اگر امام صاحب احادیث کے جمع ہونے تک زندہ رہتے تو اپنے قیاسات کو ترک فرما دیتے، اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ شعیب کے نزدیک صحاح ستہ کے جمع ہونے سے پہلے سب کے سب حدیث میں کم علم تھے۔ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین وغیرہ) احادیث کے

جمع ہونے کے بعد بھی علماء نے فقہ حنفی میں اوراحادیث میں ایسی واضح تطبیق دی ہے کہ جس سے یہ گمان غلط ثابت ہوا ہے۔

نمبر۴۔

شعیب ناصر مقلدین کو جاہل سمجھتا ہے، لیکن خود غیر مقلد رہ کر بھی جاہل مرکب ہی رہا، کہ ملا معین الدین کو حنفی لکھا حالانکہ وہ رافضی (شیعہ) ہے۔

نمبر ۵۔

قرآن پاک میں ایک جگہ پاگل عورت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ سوت کاتتی تھی، اور پھر توڑ دیتی تھی۔ شعیب ناصر نے بھی اپنا پاگل پن واضح کر دیا کہ پہلے امام صاحب کو **یتیم فی الحدیث قلت حدیث** اور عدم رائے وغیرہ کے الزامات لگائے۔ اور اب یہ لکھ دیا کہ **قلت عربیت** کے سوا ان میں کوئی عیب نہیں تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب نے اپنی فقہ عربی زبان میں ہی مرتب فرمائی ہے، وہ عرب وعجم میں مقبول عام ہوئی۔ اگر ان کو عربی نہیں آتی تھی تو انہوں نے فقہ کو عربی میں کیسے مرتب فرمایا، ان کی عربی فقہ دیکھ کر یہ کہنا کہ ان کو تھوڑی عربی آتی تھی تو یہ دوپہر کے سورج کا انکار ہے۔

ایک ضروری نوٹ۔

ایک قصیدہ جو امام صاحب کی طرف منسوب ہے جو فتح المبین کے آخری صفحات میں تحریر ہے، جس کو پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ امام صاحب میں عربیت کا کتنا کمال تھا۔ قلت عربیت پر اعتراض کرنے والوں کو ہوش کرنا چاہئے۔ جس میں سے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

یا سید السادات جئتک قاصداً

اے سرداروں کے سردار میں آپ کے پاس آپ ہی کا قصد لے کر آیا ہوں۔

ارجو رضاک واحتمی بحماکا

امیدوار ہوں آپ کی خوشنودی کا اور بچنا چاہتا ہوں آپ کے پاؤں میں۔

و اللہ یا خیر الخلائق ان لی

بخدا اے بہترین مخلوق میرے پہلو میں ایک ایسا دل ہے۔

قلباً معشوقاً لا یروم سواکا

جو آپ کا ہی شیفتہ ہے اور آپ کے سوا کسی کو نہیں چاہتا۔الخ۔

تقریباً ۱۵۳ اشعار کے قریب مشہور قصیدہ ہے، عقلمند کے لئے دو ہی اشعار اشارہ کے لئے کافی ہیں، اگر کوئی پھر بھی قلت عربیت کا الزام لگائے تو اس پر قلیل العربیت کا اطلاق کیا جائے گا۔

نمبر۶۔

شعیب ناصر نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا حافظہ کمزور ہے۔حافظہ کے بارے میں استاد کی رائے شاگرد کے بارے میں یقینی ہوتی ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے استاد حدیث امام اعمشؒ اور استاد فقہ امام حمادؒ ان کے حافظہ کے بے حد مداح تھے۔امام صاحب کے برسوں بعد ایک بے دلیل بات لکھ دینا کہ ان کا حافظہ کمزور تھا اور شعیب ناصر کا ان کی بے دلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل مان کر اس کی تقلید کرنا بقول شعیب ناصر کے سؤر کا گوشت کھانا ہے۔

نمبر۷۔

شعیب ناصر نے لکھا ہے کہ بعض معتزلہ فروع میں حنفی تھے، تو ہمیں ان کی فہرست بھیجیں، ہم ان کو بخاری کے ان راویوں کی فہرست مہیا کریں گے جو معتزلی، خارجی، رافضی اور ناصبی ہیں، اور ان کی روایت پر شعیب ناصر کا ایمان ہے۔

نمبر۸۔

ص ۳ شرح وقایہ سے جو قول نقل کیا ہے، یہ شرح وقایہ میں قطعاً موجود نہیں ہے، شرح وقایہ کا متن اصل عربی عبارت لکھ کر بھیجیں ورنہ ہمیں تو یقین ہے کہ غیر مقلد صرف دل کا اندھا ہی نہیں آنکھوں کا بھی اندھا ہوتا ہے۔

نمبر۹۔

فلعنة ربنا تعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفة

والاشعر نقل کیا ہے، شامی میں لکھا ہے کہ بعض کتابوں میں اس نظم میں یہ شعر موجود نہیں ہے، اور لکھا ہے کہ اس شعر سے مراد یہ ہے کہ جو امام ابو حنیفہؒ کے بیان کردہ احکام شرعیہ کی تحقیر کرے وہ رحمت الٰہی سے دور ہے۔ ایسی بات بخاری کے شاگرد نے بھی کہی ہے جو بخاری کے خلاف کچھ کہے، اس پر ہزار لعنت۔ تو کیا بخاریؒ کے اساتذہ امام ذہبیؒ، ابو حاتمؒ، ابو زرعہؒ، جنہوں نے بخاریؒ کو متروک قرار دیا، واقعی شعیب کے نزدیک ہزار ہزار لعنت کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ امام مسلمؒ جنہوں نے امام بخاریؒ کو چھوٹا موٹا محدث کہا ہے اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

نمبر۱۰۔

درمختار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارا مذہب برحق اور دوسرے کا خطا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ درمختار کی عبارت شعیب کو نظر نہیں آئی، وہاں صواب اور خطا کا لفظ ہے جو حدیث متفق علیہ سے ماخذ ہے، شعیب کا اعتراض حدیث نبوی پر ہوا نہ کہ درمختار پر۔

نمبر۱۱۔

یہ لکھا ہے کہ فقہ سیکھنا باقی قرآن سے افضل ہے، یہ مسئلہ کس حدیث کے خلاف ہے۔ شعیب ناصر ہی بتائیں کہ اگر کوئی آدمی نیا مسلمان ہو تو کیا شعیب ناصر اسے یہ کہے گا کہ پہلے پورا قرآن حفظ کرو، پھر نماز کا پورا طریقہ سیکھنا جو فقہ میں ہے۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ جس کو قرآن یاد نہ ہو وہ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر کہہ کر نماز پڑھ لے، یہاں اس شخص کو ایک آیت بھی یاد نہیں، لیکن حضور ﷺ اس کو پورا طریقہ نماز سکھا رہے ہیں۔ شعیب اپنی جہالت سے نبی اقدس ﷺ کی احادیث پر حملہ کر رہا ہے۔

نمبر۱۲۔

عام مسلمان فرشتوں سے افضل ہیں۔ درمختار کی اصل عبارت بھیجیں۔ اس کے بعد ایمان

کے گھٹنے بڑھنے کی بات چھیڑی ہے۔ اہل سنت کا ایمان تو جتنی چیزوں پر ہے اتنی ہی چیزوں پر رہتا ہے، شعیب بتائے کہ اس کے ایمان کا کیا حال ہے، کسی دن ایمان مفصل کی ایک چیز پر ایمان رکھتا ہے، کسی دن دوسری پر، کسی دن تین پر، کسی دن پانچ پر، کسی دن سات پر۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ جو صحابہ ؓ کو گالی دے وہ کافر نہیں، بخاری کی متفق علیہ حدیث ہے **سباب المسلم فسق و قتاله کفر**۔ حضور ﷺ کے پاک زمانہ میں مسلمان صحابہ ؓ تھے تو ان کو گالی دینے والے کو فاسق کہا گیا ہے نہ کہ کافر۔ یہاں اس کا اعتراض حدیث نبوی پر ہے نہ کہ در مختار پر۔

نمبر ۱۳۔

لکھا ہے کہ زندہ یا مردہ جانور یا کم عمر لڑکی سے جماع کیا تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہ مسئلہ آپ کی فقہ کا ہے، نزل الابرار ص ۲۳ ج ا پر موجود ہے تو آپ عالمگیری کے محتاج کیوں بنتے ہیں، فقہ محمدی پر عمل کر لیا کریں۔

نمبر ۱۴۔

محض ننگے مرد عورت کی شرمگاہیں ملنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہاں بھی اندھے کو شیخین کا مفتیٰ بہ قول نظر نہیں آیا کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور امام صاحبؒ کا شاذ قول نقل کر دیا ہے اور اس حدیث کا ذرا خیال نہ کیا **من شذ شذ فی النار**۔

نمبر ۱۵۔

لکھا ہے کہ حالت جنابت میں آیت سے کم پڑھنا جائز ہے، اس لئے کہ آیت سے کم کو قرآن نہیں کہتے۔ جیسے لفظ شیطان اور فرعون قرآن میں آتا ہے، اب کسی دیوار پر لفظ شیطان یا فرعون ہو تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ قرآن لکھا ہے۔ وہ ہی آیت

ان الشیطان کان ضعیفاً

ہو تو اس کو قرآن کہا جائے گا۔ آیت سے کم کو قرآن کہنا تو شعیب کا کید شیطانی ہے، اور

ذرا اپنے گھر کی طرف نظر ڈال لینا فتاوی ثنائیہ میں لکھا ہے کہ حالت حیض میں اور حالت جنابت میں پورا قرآن پڑھنے کی اجازت ہے۔اب دیکھئے شعیب ناصر فتاوی ثنائیہ پر کیا فتویٰ لگاتا ہے؟

نمبر۱۶۔

لکھا ہے کہ دہ در دہ حوض میں آدمی کا پیشاب یا نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے، یہاں بھی یہود کی طرح خیانت کی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نجاست سے پانی کا رنگ بو یا ذائقہ نہ بدلے پھر پاک ہے۔ شعیب ناصر اس مسئلہ کا تقابل بئر بضاعہ والی حدیث سے کر دیتے جو ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں ہے۔ جو ایک کنواں تھا وہ دہ در دہ نہیں تھا، اس میں کتے، حیض کے چیتھڑے وغیرہ غلاظتیں پھینکی جاتی تھیں۔اور لکھا ہے کہ حضور پاک ﷺ اس سے پانی پیتے تھے۔

نمبر۱۷۔

لکھا ہے کہ کنویں میں اگر کتا گر جائے اور منہ نہ ڈالے تو پانی ناپاک ہے۔(درمختار) تو آپ کے ہاں کتا مردار بھی پاک ہے،اس کا لعاب بھی پاک ہے،اس کا خون بھی پاک ہے، قے، پاخانہ، پیشاب پاک ہیں۔تو آپ کو اس مسئلہ پر کیا اعتراض؟(بدور الاہلۃ۔نزل الابرار)

نمبر۱۸۔

چوہے کی دم کٹ کر گر جائے تو سارا پانی کنویں کا نکالا جائے۔(بہشتی زیور) آگے لکھا ہے کہ دونوں مسئلے قابل غور ہیں۔ بات بالکل ٹھیک ہے کتا جو کنویں پر گرا اس پر کوئی نجاست نہ تھی، البتہ اس کا لعاب ناپاک تھا تو جب تک اس کا منہ پانی کو نہ لگے تو پاک ہے، البتہ چوہے کی جو دم گری اس میں دم مسفوح لگا ہوا تھا، وہ نجس تھی اس لئے پانی ناپاک ہے۔ باقی رہا یہ کہ بہشتی زیور کو جہنمی زیور لکھا ہے، تو واقعی جہنمیوں کو یہی کچھ نظر آتا ہے۔(دعا ہے کہ اللہ ہمیں حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان شریروں کے شر سے محفوظ فرمائے)۔

اللھم انا نعوذ بک من شرورھم اللھم فرق جمعھم

چار مذاہب اور چار قاضی۔

۶۶۵ھ میں چار مذاہب کے چار قاضی مقرر ہوئے (الارشاد ص۱۰۰)

اوائل نویں ہجری میں سلطان فرخ بن برقوق نے چار مصلے قائم کئے۔

(الارشاد ص۱۰۱، الارشاد رسائل شوکانی ص۹۵)

مکہ کا سرکاری اخبار ام القریٰ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ راوی ہے کہ مذاہب اربعہ کے علماء حقہ نے جمع ہو کر یہ تجویز دی کہ حرم شریف میں جماعت ایک ہونی چاہئے، جس کی صورت یہ ہوئی کہ شافعیہ کے تین امام، حنفیوں کے تین امام، مالکیوں کے تین امام اور حنبلیوں (نجدیوں) کے دو امام منتخب ہوئے۔ یہ امام نوبت بنوبت جماعت کروایا کریں گے، مگر جماعت ایک ہی ہوگی۔ یہ تجویز سلطان ابن مسعود کے حضور پیش ہوئی تو انہوں نے اس کو منظور فرمالیا چنانچہ حرم میں ایک ہی جماعت ہوتی ہے (ص۱۳ کالم۳)

مسلک اہل حرم	مسلک غیر مقلدین
اجماع کے قائل ہیں۔	اجماع کے منکر ہیں۔
قیاس شرعی کے قائل ہیں۔	قیاس شرعی کو کار ابلیس کہتے ہیں۔
اجتہاد آئمہ کو مظہر کتاب وسنت کہتے ہیں۔	یہ اس کو شریعت سازی کہتے ہیں۔
وہ ہر عربی دان کو بھی اجتہاد کا حق نہیں دیتے۔	ہر ان پڑھ پنجابی بھی اجتہاد کر سکتا ہے۔
غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔	تقلید شرک ہے۔
اہل نجد حنبلی مقلد ہیں۔	یہ ان کو قرن شیطان کہتے ہیں۔

فقہ کے قائل وفاعل ہیں۔	فقہ کو کوک شاستر، خنزیر، مردار کہتے ہیں۔
ان کے باقاعدہ اصول فقہ ہیں۔	مرزائیوں کی طرح ان کی کوئی اصول فقہ نہیں ہے۔
ترجیح فقہ حنبلی کو دیتے ہیں۔	چار متوازی دین کہتے ہیں۔
وہ چاروں کے فقہ کے متون معتبرہ کو آئمہ سے متواتر مانتے ہیں۔	یہ کہتے ہیں کہ سب فقہ جعفریہ کی طرح جھوٹی نسبتیں ہیں۔
چاروں مذاہب ناجی ہیں۔	مشرک اور جہنمی ہیں۔
چاروں اہل سنت والجماعت ہیں۔	کوئی بھی اہل سنت نہیں۔
وہ صحابہ کو معیار حق مانتے ہیں	ان میں سب کا اپنا نفس معیار حق ہے۔
سنت خلفاء راشدین کو شریعت کا حصہ مانتے ہیں۔	خلفاء راشدین کے طریقوں کو بدعت کہتے ہیں۔
ان میں اہل حدیث نامی کوئی فرقہ نہیں۔	یہ سب اہل حدیث ہیں۔
اہل حدیث طبقہ علمی کا لقب ہے۔	ہر جاہل اہل حدیث ہے۔
حیات النبی ﷺ فی القبر کے قائل ہیں۔	یہ اسے کفر وشرک کہتے ہیں۔
روضہ پاک پر پڑھا ہوا درود حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔	یہ عقیدہ کفر وشرک ہے۔

روضہ پاک کی زیارت و حفاظت ضروری ہے۔	گرانا واجب ہے (عرف الجادی)۔
ان کے ہاں ترک رفع یدین بھی سنت ہے۔	ان کے ہاں نماز باطل ہے۔
جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والا گدھا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ)۔	وہ بے نماز ہے۔
مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔	رکعت دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔
ان کے ہاں جلسہ استراحت نہیں	یہ ان کی نماز کو خلاف سنت کہتے ہیں۔
مسنون تراویح بیس رکعت ہیں۔	بیس رکعت تراویح بدعت ہے۔
وہ ہمیشہ تین وتر پڑھتے ہیں۔	یہ دو وتر کھا جاتے ہیں۔
جنازہ میں فاتحہ واجب نہیں۔	ان کی نماز جنازہ صحیح نہیں۔
وہ جنازہ پست آواز سے پڑھتے ہیں۔	یہ اس جنازہ کو غلط سمجھتے ہیں۔
ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہیں۔	یہ یہود کی طرح ایک مانتے ہیں۔
وہ حلالہ شرعی کے قائل ہیں۔	یہ ساری عمر حرام کرواتے ہیں۔
وہ عذاب قبر کے قائل ہیں۔	یہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔
ایصال ثواب کے قائل ہیں۔	ایصال ثواب کے منکر ہیں۔

عدالتوں میں فقہی نظام رائج ہے۔ ان کے ہاں فقہ کفر کے مترادف

ہے۔

قارئین کرام۔

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کتنا واضح فرق ہے اہل حرم مکہ مدینہ اور غیر مقلدین کے درمیان، اور بھی بہت سے فرق ہیں، چند ان میں سے یہاں درج کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ہر وقت غیر مقلد یہی کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ میں رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ ہوتا ہے۔ لیکن کیا ان خاص چیزوں میں شرکت سے ان کے ساتھ مل جائیں گے؟۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو نماز تو مرزائی بھی پڑھتے ہیں، اور زکوٰۃ وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ تو کیا مرزائی مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ یاد رکھئے یہ ان کا دھوکہ ہے، یہ بھی بات ذہن میں رکھیں کہ مسائل کا نام مذہب نہیں ورنہ مرزائی وغیرہ ہمارے ساتھ مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جائیں گے، بلکہ قواعد کا نام مذہب ہے، اور مرزائیوں اور غیر مقلدین کے کوئی قواعد اور اصول نہیں، تو جب بھی خبیث غیر مقلدین آپ کو اس قسم کے وسوسے میں ڈالیں تو ان کو مذکورہ مسائل دکھاؤ اور لکھواؤ کہ تم مانتے ہو یا نہیں؟۔ پھر ان کا پتا چل جائے گا، کہ ان کو کتنا مکہ اور مدینہ سے محبت اور پیار ہے اور دعویٰ ہے ،لیکن کبھی مذکورہ مسلک اہل حرم پر دستخط نہیں کریں گے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

نام نہاد اہل حدیث یا مرزائی؟ ایک لمحہ فکریہ۔

''میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے اقتداء جائز ہے، چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی ہو۔''

(اخبار اہل حدیث امرتسر ص ٦ ١٢ اپریل ١٩١٥ء)

اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطہ محمدیت پر جو درجہ ہے

والذین معه کا سب شریک ہیں، گو ان میں سخت باہمی شقاق ہے، مگر اس نقطہ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رحماء بینهم ہونا چاہئے۔ مرزائیوں کا سب سے بڑا مخالف ہوں، مگر نقطہ محمدیت کی وجہ سے ان کو بھی اس میں شامل سمجھتا ہوں۔

(اخبار اہل حدیث ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء)

سوال۔

عورت مرزائی کی بیٹی ہے، باپ بیٹا دونوں مرزائی ہیں، غیر مرزائی سے نکاح پر راضی ہے۔ کیا نکاح جائز ہے؟۔

الجواب۔

مرد عورت جب محمدی مسلمان ہیں، تو نکاح بلاشبہ جائز ہے، اگر عورت مرزائن ہے تو اور مسلمان کی رائے ممکن ہو مخالف ہو، میرے علم ناقص میں نکاح جائز ہے۔ کیونکہ مذکورہ عورت رسالت محمدیہ کی قائل ہے۔

(اخبار اہل حدیث امرتسر ۲ نومبر ۱۹۳۴ء)

مولوی عبد الواحد غزنوی کے بیٹے محمد اسماعیل غزنوی نے (داؤد غزنوی کے چچا زاد بھائی) نے کہا کہ احمدی پکے مسلمان ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔

(اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۰ دسمبر ص ۳ ۱۹۲۶ء۔

ان مذکورہ تحریرات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار یں اہل حدیثوں کی نہیں تھیں، بلکہ شیعوں اور مرزائیوں کی تھیں۔ ادھر عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ نعرہ لگاتے ہیں اہل حدیث کے دو اصول **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول**. اور ادھر جو رسالت مآب ﷺ کی نبوت اور رسالت پر حملہ آور ہو اور رسالت والی کرسی پر خود بیٹھنا چاہے اس کو اور اس کی رعایا کو مسلمان سمجھتا ہے۔ آیا یہ خود بھی مسلمان ہے یا نہیں۔؟

ایک عقلمند اور باشعور انسان کے لئے لمحہ فکر یہ یہ ہے کہ کیا ایسے عقیدے رکھنے والے کو اہل حدیث سمجھے گا یا کچھ اور؟۔

اہل حدیثوں (غیر مقلدین) کو اچھا جاننے والوں کو ذرا اسی قسم کی تحریرات پر غور کرنا چاہئے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی تحریرات ہیں جن کی بنا پر ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ غیر مقلدین پکے شیطان اور منافق ہیں۔ ہم جو یہ کہتے ہیں اس کا ثبوت بھی رکھتے ہیں۔

(ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین)

کثرت روایت کا اعتبار نہیں۔

آج کل غیر مقلدین بے چارے عوام کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہمارے پاس روایات کثیر تعداد میں ہیں اور حنفیوں کے پاس روایات نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی کم ہیں۔ اس لئے ہمارا مسلک درست ہے۔ لیکن یہ ان کا محض دھوکہ ہے اسکا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اب مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

تقبیل صائم میں (روزے دار کا بوس و کنار کرنا) آٹھ صحابہ روایت کرتے ہیں، جبکہ اس کے خلاف ایک صحابی بھی روایت نہیں کرتا۔ کیا کوئی غیر مقلد روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کرتا ہے؟۔ اگر کرتا ہوگا تو ہم اس کو سچا اہل حدیث کہیں گے، ورنہ جھوٹا اہل حدیث ہوگا۔

امر بالسواک (آپ ﷺ نے مسواک کا حکم فرمایا) اس میں فی الباب اٹھارہ صحابہ ہیں۔ (ترمذی ص۱۲)

کلی کرنے میں آٹھ صحابہ ہیں (ص۱۴)

سر کا مسح میں فی الباب چار صحابہ ہیں (ص۱۵)

کانوں کا مسح اس میں چار صحابہ ہیں (ص۱۶)

رفع یدین میں چودہ صحابہ ہیں (ص۵۹)

ایک کپڑے میں نماز چودہ صحابہ ہیں (ص۷۹)

صلوٰۃ فی النعال اس میں آٹھ صحابہ ہیں (ص۹۷)

امام ترمذیؒ کے ہاں نماز کی رفع یدین کا مسئلہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے اور جوتا پہن کر نماز پڑھنے سے بھی زیادہ کمزور ہے، کیونکہ وہاں کئی صحابہ ﷺ سے روایت ہے، اور بعد میں اس کے خلاف کوئی روایت نقل نہیں کی۔ اور یہاں باقاعدہ ترک رفع یدین کی روایت نقل کی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کثرت روایت محض ندرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے جوتا اتار کر نماز پڑھنا حضرت پاک ﷺ کی مستقل عادت تھی، اس کو صحابہ ﷺ نے روایت کرنا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ مگر جوتے پہن کر نماز پڑھنے (جو ایک آدھ دفعہ کا فعل ہے) اس کو خوب روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کی کتابوں میں کتاب اللباس سے پتا چلتا ہے کہ جس طرح حضرت پاک ﷺ ازار اور قمیص استعمال فرماتے تھے اور یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی تو آپ ﷺ کا تین کپڑوں میں نماز ادا فرمانا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی، اس کو روایت کرنے کی ضرورت نہیں تھی، البتہ ایک آدھ دفعہ آپ ﷺ نے جو ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی یہ چونکہ ایک عجیب بات تھی، عادت کے خلاف تھی، اس لئے اس کو اٹھارہ صحابہ ﷺ نے روایت کیا۔

نوٹ۔

یہ بھی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ روایت ہمیشہ فعل کی ہوتی ہے نہ کہ ترک کی۔ مثلاً اگر

صدر نے ملتان آنا ہوتو ہر اخبار میں خبر ہوگی اور ہر ایک کی زبان پر یہ بات ہوگی کہ آج صدر ملتان آرہا ہے۔ لیکن جس دن نہ آنا ہواس کی کوئی خبر اخبار میں نہیں چھپتی اور نہ ہی لوگ ایک دوسرے کو کہتے پھرتے ہیں کہ آج صدر نہیں آئے گا۔

اس کی دو مثالیں ہیں۔

(۱) سجدوں کے وقت حضرت پاک ﷺ کا رفع یدین کرنا دس گیارہ صحابہ ؓ نے روایت کیا ہے، جبکہ سجدوں کے وقت ترک رفع یدین ایک یا زیادہ سے زیادہ دو نے روایت کیا ہے۔

(۲) اسی طرح حضرت ﷺ کا جوتے پہن کر نماز پڑھنا روایۃً متواتر ہے، جبکہ جوتے اتار کر پڑھنا عملاً متواتر ہے اور عملیات میں مدار عمل ہوتا ہے نہ کہ روایت کا اعتبار ہوتا ہے۔

فعل قول کا ناسخ ہوسکتا ہے۔

غیر مقلدین عوام کو یہ بھی دھوکہ دیتے ہیں کہ فعل اور عمل قول کا ناسخ نہیں ہوسکتا حالانکہ یہ بھی ان کا دھوکہ ہے، جیسے ابھی مثالوں سے ظاہر ہوگا۔

بخاری ص ۹۶ ج ۱ پر ہے **اذا صلی قائماً فصلوا قائماً.** اس کو آخری فعل سے منسوخ قرار دیا۔ یعنی آپ ﷺ نے آخری عمر میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی تو معلوم ہوا کہ پہلے جو حکم تھا کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، یہ منسوخ ہوا۔ اور **واذا صلی قائماً ------ الخ** قول ہے اور فعل اس کے ناسخ بن رہا ہے،

(فتح المبین ص ۳۴۱)

اسی طرح **توضؤ مما مست النار** ہے اور یہ قول ہے کہ اس چیز سے وضو کرو، جس کو آگ نے چھوا ہو۔ اس کو فعل سے منسوخ قرار دیا۔ مسلم ص ۱۵۶ ج ۱ پر اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد **ترک وضو مما مست النار** والی حدیث لائے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا اخطأ الحاجب والمحجوب کہ پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں خطا پر ہیں۔ لیکن بخاری کے اندر فعلی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے، اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قول کے لئے ضروری نہیں ہے کہ قول ہی ناسخ ہو، ورنہ ان حدیثوں کا آپ کیا جواب دیں گے۔ بلکہ فعل بھی ناسخ بن سکتا ہے، جیسا کہ اوپر والی مثالوں سے ظاہر ہوا ہے۔ فافهم هذا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ اذان اور اقامت دوہری کہتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مؤذن کے پاس آئے تو دیکھا کہ اقامت اکہری کہہ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تو کیا اس کو دوہری نہیں بناتا تیری ماں ہلاک ہو۔

(ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۱)

اس لئے جو مؤذن اکہری اقامت کہے، اس کو کہو کہ تیری ماں مرے۔ یہ خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

صحت اور ضعف کی بحث۔

متواترات، مشہورات اور وہ اخبار احاد جن کو تلقی بالقبول حاصل ہے اسنادی بحثوں کی محتاج نہیں ہوتیں۔ اس کے علاوہ جو اخبار احاد ہیں ان میں صحیح، ضعیف، متروک، منسوخ وغیرہ ہر قسم کی احادیث ہوتی ہیں۔

خیر القرون میں حدیث صحیح کی ایک پہچان تھی کہ اس پر فقہاء کا تعامل ہو۔ اور کسی حدیث کے متروک یا منسوخ ہونے کی ایک ہی پہچان تھی کہ اس پر فقہاء کا تعامل نہ ہو۔ موطا امام مالک اور موطا امام محمد ایک ہی کتاب کے نسخے ہیں اس میں فرق یہ ہے کہ امام مالکؒ احادیث کے ساتھ تعامل اہل مدینہ کا ذکر کرتے ہیں تاکہ پتا چل جائے کہ اس حدیث پر عمل جاری رہا۔ موطا امام محمد میں امام محمدؒ احادیث کے بعد فقہاء اہل کوفہ کا تعامل ذکر کرتے ہیں۔ اور اختلافی روایات میں ایک

شہر اور ایک علاقہ میں ایک حدیث پر تعامل ہوتا، دوسرے شہر میں دوسری حدیث پر، تو ہر علاقہ کے لوگ اپنے ہی علاقہ کے تعامل کا ساتھ دیتے، اور اس حدیث پر عمل کرتے جس علاقے میں اس حدیث پر عمل ہو رہا ہے۔

خلیفہ وقت امام مالکؒ کی خدمت میں۔

امام مالکؒ کے پاس خلیفہ وقت نے حاضر ہو کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ موطا امام مالک کو پوری اسلامی دنیا کا دستور بنا دوں۔ لیکن امام مالکؒ نے خلیفہ سے کہا بالکل ایسا نہ کریں، کیونکہ صحابہ کرام مختلف علاقوں میں پھیلے ہیں جہاں جس صحابی ؓ کا مسلک رائج ہوگا وہاں اس مسلک پر رہنے دو اس کے خلاف دوسری روایات کی وجہ سے فتنہ میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ خلیفہ نے بھی اس بات سے اتفاق کر لیا۔ اس لئے خیر القرون میں حجت حدیث کے لئے اپنے علاقہ کا تعامل دیکھا جاتا ہے۔

مثال سے وضاحت۔

رفع یدین کے سلسلے میں امام مالکؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کی روایت کو موطا میں لکھا اور اس کی اسنادی حیثیت کو واضح کیا کہ اس حدیث کی صحت مشکوک ہے، سالم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور نافع موقوف بیان کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کے شاگرد ابو القاسم نے المدونۃ الکبریٰ ص ۷۰ ج ۱، پر امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کرنا ضعیف ہے اور میں نہیں پہچانتا کہ جو پہلی تکبیر کے بعد نماز میں رفع یدین کرتا ہو گو حدیث سنداً بھی مشکوک اور عملاً بھی متروک تھی۔ اس حدیث کی سند مدنی ہے اس کے برعکس عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث کی سند کوفی ہے۔ اس حدیث کے سارے راوی کوفی ہیں اور تمام اہل کوفہ کا اس کے مطابق عمل تھا، خود

امام ترمذیؒ بھی اس کے بعد فرماتے ہیں وھو قول سفیان و اھل کوفه. اس لئے خیر القرون میں حجت اور ضعف کا معیار اپنے اپنے علاقہ میں فقہاء کا تعامل ہی رہا۔ (خیر القرون کے اس بعد میں صحیح اور ضعیف کی تعریفیں بنائی گئیں) شوافع کے ہاں صحیح حدیث کی دس قسمیں ہیں جو حاکم کی کتاب المدخل میں مذکور ہیں اور ان سب قسموں کو نووی نے مقدمہ صحیح مسلم میں لکھا ہے۔

جمع حدیث تاریخ کے آئینے میں۔

صحابہ اور تابعین کے زمانے میں محدثین صرف اپنے علاقہ کی احادیث کو جمع کیا کرتے تھے، اور اس کے ساتھ اپنے علاقے کے فقہاء کا تعامل بھی ذکر کر دیتے تھے، تبع تابعین کے دور میں پھر محدثین نے دنیا کا چکر لگایا، اور تمام ذخیرہ حدیث کو اکٹھا کیا۔ اس بارے میں مصنف عبد الرزاق جو بڑی گیارہ جلدوں میں ہے، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد عبد الرزاق ضعانی نے جمع کی اور مصنف ابن ابی شیبہ سولہ جلدوں میں لکھی گئی۔ کتابوں میں مرفوع احادیث کے ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتاوٰی مذکور ہیں جس سے پتا چل جاتا ہے کہ اس علاقے میں کن احادیث پر عمل جاری رہا۔ خیر القرون کے بعد پھر احادیث میں انتخاب کا سلسلہ شروع ہوا اور صحاح ستہ لکھی گئی، اب اس دور میں ان حضرات کا کیا پیمانہ تھا؟۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ محدثین جس امام کی تقلید کرتے تھے اس کے دلائل کو جمع کرتے تھے اب محدثین میں روش یہی شروع ہو گئی، حنفی ان احادیث کی سند ثابت کرتے جو امام ابو حنیفہؒ کے ہاں معمول بہا تھیں، اور شافعی محدث ان احادیث کی سند ثابت کرتے جو ان کے امام کے ہاں معمول بہا تھیں۔ امام بخاریؒ کے علاوہ باقی اصحاب صحاح خمسہ کا مقلد ہونا تاریخ کا اتفاقی مسئلہ رہا ہے، البتہ امام بخاریؒ کے بارے میں بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ مقلد تھے، چنانچہ امام بخاریؒ کے استاد ابو عاصم نبیل کا یہی قول ہے۔ طبقات شافعیہ ص ۲ ج ۲ پر مذکور ہے فقہاء نے امام بخاریؒ کو طبقہ فقہاء میں شمار کیا ہے، اصحاب صحاح ستہ میں صرف امام ابو داؤد کا تذکرہ صرف طبقات فقہاء میں ملتا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد تھے، لیکن یہ

بات واضح ہے کہ آپ مجتہد مطلق مجتہد فی الشرع تھے، کیونکہ آپ کا کوئی اصول فقہ نہیں۔ البتہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ **مجتهد فی المذهب** تھے، جیسا کہ امام حسن بن زیادؒ مجتہد فی المذہب ہیں۔ مجتہد فی المذہب من وجہ مقلد ہوتا ہے اور من وجہ مجتہد ہوتا ہے۔ اس کو کوئی مجتہد لکھتا ہے اوہ کوئی مقلد لکھتا ہے۔

ادلہ شریعہ چار ہیں 1۔کتاب اللہ 2۔سنت رسول اللہﷺ 3۔اجماع امت 4۔قیاس شرعی۔

سنت حاصل کرنے کے لئے احادیث رسول سے واسطہ پڑنا ضروری ہے اور احادیث میں قبول ورد کا مدار اصول حدیث پر ہے۔جس طرح دوسرے علوم میں کچھ اصول اجماعی ہوتے ہیں کچھ اختلافی اسی طرح اصول حدیث میں بھی کچھ اصول اجماعی ہیں کچھ اختلافی۔ہم احناف اجماعی اصولوں کو تو اسی درجہ میں تسلیم کرتے ہیں اور جہاں اصولوں میں اختلاف واقع ہوجاتا ہے وہاں ہم ان اصولوں کو تسلیم کریں گے جو محدثین وفقہاء احناف کے ہاں مقبول ومعتبر ہوں گے۔

نیز یہ بات بھی مدنظر رہے کہ ردوقبول میں فقہاء کا معیار اور ہوتا ہے اور محدثین کا اور اس لئے کہ محدثین کی خدمت کا دائرہ اور ہے اور فقہاء کی خدمت کا دائرہ اور ہے۔

محدث نے صرف حدیث کے نفس ثبوت سے بحث کرنی ہوتی ہے اور فقیہ نے ثبوت کے ساتھ ساتھ دلالت اور رفع تعارض کی ابحاث کا مرحلہ بھی طے کرنا ہوتا ہے اس لئے دونوں کے اصولوں اور معیار ردوقبول کا مختلف ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

ایک جماعت کے اصولوں کو لیکر دوسری جماعت پر طعن وتشنیع کرنا یہ ایک ایسی حرکت ہے جو کسی بھی انصاف پسند طبیعت کے حامل کے لئے قابل برداشت نہیں۔اسلام اور عیسائیت دو علیحدۃ، علیحدۃ دین ہیں اگر ایک عیسائی کہے کہ تم ہمارے اصولوں پر اپنے اسلام کو ثابت کرو ورنہ اپنے غلط ہونے کا اعلان کرو تو یہ ایک انصاف کے خلاف بات ہوگی۔

اسلام اسلامی اصولوں کی روشنی میں ثابت کیا جائے گا نہ کہ عیسائیت کے اصولوں پر ہاں اگر اسلام عیسائیت کے اصولوں پر بھی ثابت ہوجائے تو یہ ایک مزید اعزاز ہوگا اور روافض کا اختلاف صدیوں سے چلا آرہا ہے اہل اسلام اپنے اصول رکھتے ہیں اور روافض اپنے

۔جب ان سے کسی مسئلہ پر بات ہوگی تو اہل اسلام کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ ضرور بالضرور، روافض کے اصولوں پر ہر سنی مسلک کا حق ہونا ثابت کریں بلکہ سنی اپنے مسلک کو اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولوں کی روشنی میں ثابت کردئے گا۔

ہاں اگر سنی روافض کے اصولوں پر بھی سنی مذہب کا سچا ہونا ثابت کردے تو یہ ایک مزید فتح ہوگی۔اس پر ہر دو ایسے طبقوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے جن کے درمیان اصولوں میں اختلاف ہو۔

موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین کا باوہ آدم ہی نرالا ہے کہ احناف کثر اللہ سوادھم کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنا ہر ہر مسئلہ یا کتب شوافع اور اصول شوافع کی روشنی میں ثابت کرو یا ہمارے (غیر مقلدین) کے اصولوں (جو کہ مختلف فقہاء کرام سے چوری شدہ ہیں) ان کی روشنی میں ثابت کرو۔ان کے اس رویہ سے انکا خبث باطن اور اہل السنۃ والجماعۃ احناف کے خلاف بغض وتعصب کی آگ کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ہمیں اصول سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے بقدر ضرورت اصول حدیث بیان کیا جاتا ہے۔

نوٹ: حوالہ جات کیلئے ''ق'' کا اشارہ قواعد فی علوم الحدیث کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔

علم حدیث کی تعریف: علم حدیث کی تعریف روایت کے اعتبار سے الگ ہے اور درایت کے اعتبار سے الگ ہے۔

روایت کے اعتبار سے تعریف: **علم یعرف به اقوال رسول الله وافعاله واحواله وروایتها و ضبطها و تحریر الفاظها .**

ترجمہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال افعال احوال کا علم حاصل ہوتا ہے اور ان کو نقل کرنے ضبط کرنے اور انکے الفاظ کو تحریر کرنے کا علم حاصل ہو۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۴)

درایت کے اعتبار سے تعریف: **علم یعر ف منه حقیقه الروایة و شرطها و**

انواعها و احکامها و حال الرواة و شروطهم و اصناف المرویا ت وما یتعلق بها

ترجمہ : وہ علم ہے جس سے روایت کی حقیقت اس کی شرائط اسکی اقسام اسکے راویوں کے حالات انکی شرائط مرویات کی اقسام اور انکے متعلق چیزوں کا علم حاصل ہو۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۳)

فائدہ : الفوز بسعادة الدارین و معرفة الصحیح من غیر ہ (و معر فة دلائل الاحکام الفقیة فان غالبهامستمد من علم الحدیث.

ترجمہ : دنیاو آخرت کی کامیابی اور حدیث صحیح کا غیر صحیح سے امتیاز اور احکام فقیہ کے دلائل کی معرفت ۔اس لئے کہ اکثر احکام فقیہ کا ماخذ علم حدیث ہے۔(ایضاً)

اقوال : نبی اقدس ﷺ کے اقوال چونکہ عربی زبان میں ہیں جو شخص عربی کلام کے حقیقت مجاز صریح کنایہ عام خاص مطلق مقید محذوف مضمر منطوق مفہوم اقتضاء النص ،اشارۃ النص ،عبارۃ النص دلالۃ النص ،تنبیہ اور اشارہ کو نہ سمجھتا ہو وہ اس علم میں کمال حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح جو شخص نحو

عربی محاورات کے استعمال سے واقف نہ ہو لغت عرب کا استعمال صحیح نہ جانتا ہو اس کو بھی اس علم میں دسترس حاصل نہیں ہو سکتی۔

افعال :افعال سے مراد وہ امور ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے صادر ہوئے اور ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا گیا۔اس سے وہ امور مراد جو آپ ﷺ نے طبعی طور پر کیئے یا آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھے وہ خارج ہو جائیں گے۔

علم حدیث کا موضوع:ھو السند والمتن وقیل ذات رسو ل اللہ من حیث انه رسو ل اللہ (کذا فی تد ریب الراوی ص ۹)

ترجمہ :سند اور متن اسکا موضوع ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکا موضوع نبی

اقدس ﷺ کی ذات مبارکہ ہے اللہ کے رسول ہونے کی حیثیت سے۔علامہ سیوطیؒ اوران کے استا د علامہ محی الدین الکافیجیؒ نے پہلے قول کوترجیح دی ہے۔

حدیث کی تعریف: حدیث کی دوتعریفیں کی گئی ہیں۔

(۱)مایضاف الی النبی (تدریب الراوی ص ۱۱)

ترجمہ : جونبی ﷺ کی طرف مضاف ہو۔یعنی نبی اقدس ﷺ کےقول،فعل اورتقریر کوحدیث کہتے ہیں۔

(۲)علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں **"الحدیث اعم من ان یکون قول النبی او الصحابی و التابعی وفعلھم وتقریرھم (تدریب الراوی ص ۱۱)**

ترجمہ : حدیث اعم ہے اسکا اطلاق نبی صحابی تابعی کےاقوال،افعال وتقریرات سب پرکیا

جائے گا۔" دوصد کےقریب کتب کے مصنف مشہور مورخ فقیہ اصولی محدث علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں **"وکذا آثار الصحابہ و التابعین وغیر ھم و فتاوھم مما کان السلف یطلقون علی کل حدیثا ."** (فتح المغیث ص۱۲بحوالہ ابن ماجہ اورعلم حدیث)۔

ترجمہ : "اوراسی طرح اس تعداد میں (مکررات موقوفات کےعلاوہ) صحابہ وتابعین کےفتاوی بھی داخل ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہرایک کے لئے متقدمین حدیث کالفظ استعمال کرتے تھے۔دونوں تعریفوں میں سے آخر الذکر تعریف راجح نظرآتی ہے اس لئے کہ محدثین نے کتب حدیث میں جہاں نبی اقدس ﷺ کےاقوال وافعال وتقریرات کوذکرکیا ہے وہاں حضرات صحابہ کرامؓ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کےاقوال وفتاوی جات کوبھی نقل کیا ہے

صرف اگرامام عبدالرزاقؒ اورامام ابوبکر بن ابی شیبہؒ کی مصنفات کوہی دیکھ لیں توان دونوں حدیث کی کتابوں میں سترہ ہزار کےقریب صحابہ وتابعین کےاقوال وفتاوی وغیرہ

مذکور ہیں۔

فائدہ: اس تعریف کے اعتبار سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اقوال وفتاوی حدیث کے حکم میں ہوں گے۔ امام اعظمؒ کے اقوال کا منکر منکر حدیث ہوگا۔

حدیث قولی: قول کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی اقدس ﷺ کی بات منقول ہو مثلاً حدیث قال رسول اللہ سے شروع ہو رہی ہو۔

حدیث فعلی: حدیث فعلی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبی اقدس ﷺ کے کام کرنے یا نہ کرنے کا ذکر ہو مثلاً **فعل رسول الله كذا او لم يفعل رسو ل الله كذا** ہو۔

حدیث تقریری: حدیث تقریری اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں اس بات کا ذکر ہو کہ نبی اقدس ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا مگر آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا ہو مثلاً **فعل بحضرة رسو ل الله كذا هو.**

حدیث اور خبر میں فرق:

(۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "**الخبر عند علماء الفن مرادف للحديث**"

ترجمہ: علمائے فن کے نزدیک خبر حدیث کے مترادف ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر)

پس اس اعتبار سے دونوں کا اطلاق مرفوع، موقوف اور مقطوع پر درست ہوگا۔

(۲) **قيل الحديث ماجاء عن النبى و الخبر ما جاء عن غيره**

ترجمہ: "کہا گیا ہے کہ حدیث تو وہ ہوگئی جو نبی اقدس ﷺ سے منقول ہو اور خبر جو غیر سے منقول ہو"۔ (ایضاً)

(۳) **قيل بينهما عموم و خصوص مطلق فكل حديث خبر ولا عكس**

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے پس ہر حدیث خبر ہوگی ہر خبر کا حدیث ہونا ضروری نہیں۔

والمحدثون یسمون المرفوع والموقوف بالاثر و فقهاء خراسان یسمون الموقوف بالاثر و المرفوع بالخبر و الحدیث(ص ۲۵)

ترجمہ: محدثین مرفوع اور موقوف کو اثر کہتے ہیں اور فقہاء خراسان موقوف روایت کو اثر اور مرفوع روایت کو حدیث اور خبر کہتے ہیں۔'' اسی وجہ سے محدث کو اثری بھی کہتے ہیں۔

متن: وہ الفاظ حدیث جن کے ساتھ معانی قائم ہوتے ہیں۔

المتن ھو الفاظ الحدیث التی تتقوم بھا المعانی

سند: **السند الطریق الموصلة الی المتن و بھذا ظھر ان المتن ھو غایة ما ینتھی الیه الاسناد من الکلام و قال ابن جماعة المحدثون یستعملون السند و الاسنا د لشیئی واحد (تدریب الراوی ص ۱۰)**

ترجمہ: وہ راستہ جو متن تک پہنچاتا ہے۔ اور اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ متن اس کلام کو کہتے ہیں جس پر سند کی انتہا ہو۔ ابن جماعہؒ نے فرمایا محدثین سند اور اسناد کا لفظ ایک ہی شئے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

مسند: اس کے کئی معنی ہیں۔

(1) الحدیث الذی اتصل سندہ من راویه الی منتھاہ فشمل المرفوع و الموقوف و المقطوع .

ترجمہ: جس حدیث کی سند راوی سے لیکر آخر تک متصل ہو اس کو مسند کہتے ہیں ۔ اس تعریف کے اعتبار سے یہ مرفوع، موقوف، اور مقطوع کو شامل ہوگئی''۔

یعنی اگر حدیث مرفوع ہے اور اسکی سند متصل ہے تو اس کو مسند کہیں گے اسی طرح اگر حدیث موقوف ہے یا مقطوع ہے اور سند متصل ہے تو اسکو بھی مسند کہیں گے۔

لکن اکثر ما یستعمل فیما جاء عن النبی ﷺ دون غیرہ و قال الحاکم وغیر ہ لایستعمل الا فی المرفوع المتصل وھو الا صح.

ترجمہ: لیکن اکثر اسکا استعمال مرفوع روایت پر ہوتا ہے۔اس کے غیر پر نہیں ہوتا حاکم وغیرہ نے کہا ہے کہ مرفوع کے علاوہ اس لفظ کو استعمال نہ کیا جائے اور یہی اصح ہے۔

(۲)الکتاب الذی جمع فیہ ما اسندہ الصحابة ای رووہ فھو اسم مفعول.

ترجمہ: وہ کتاب جس میں ان روایات کو ذکر کیا ہو جن کو صحابہ نے روایت کیا ہو۔اس صورت میں مسند کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(۳)ان یطلق و یراد بہ الا سناد فیکون مصدرا.

ترجمہ: اس کو مطلق رکھا جائے اور اس سے مراد اسناد ہو یہ مصدراً ہوگا۔

مسنِد: **ھو من یروی الحدیث باسناد ہ سواء کان عندہ علم بہ اولیس لہ الا مجرد روایة.**

ترجمہ: مسنِد اس کو کہتے ہیں جو اپنی سند سے حدیث کو روایت کرے عام ہے کہ اس کے پاس اس حدیث کا علم بھی یا محض روایت یاد ہو۔

محدث: **ھو ارفع منہ وھو من علم طرق اثبات الحدیث وعلم عدالة رجالہ وجرحھم دون المقتصر علی السماع.**

ترجمہ: محدث مسند سے شان میں بلند ہے اور محدث وہ ہے جو حدیث کو ثابت کرنے کے طرق سے واقف ہو حدیث کے راویوں کی عدالت اور جرح کا علم رکھتا ہو۔صرف سماع پر اکتفا نہ کرے۔

قال ابن سید الناس و المحدث فی عصرنا من اشتغل بالحدیث روایة و درایة و جمع رواة واطلع علی کثیر من الرواة و الروایات فی عصرہ و تمیزہ

فی ذلک حق عرف فیه خطه و اشتهر فیه ضبطه.

ترجمہ: ابن سید الناسؒ فرماتے ہیں اور محدث ہمارے زمانے میں وہ ہے جو روایہ اور درایۃ علمِ حدیث کے ساتھ مشغول ہو اور اس نے راویوں کو جمع کیا ہوا ہو۔ اور اکثر رواۃ اور راویوں کے حالات اپنے زمانے کے سے واقف ہو۔ اور اس میں ممتاز ہو جائے حتیٰ کہ اس کا خط معروف ہو جائے اور اسکا ضبط مشہور ہو جائے۔

فان توسع فی ذلک حتی عرف شیوخه و شیوخ شیوخه طبقة بعد طبقة بحیث یکون ما یعرفه فی کل طبقة اکثر مما یجهله منها فهذا هو الحافظ (تدریب الروی ص۷)

ترجمہ: اگر اس میں مزید وسعت پیدا ہو جائے یہاں تک کہ اپنے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کو بھی پہچانتا ہو۔ اس طرح ہر طبقہ کے مشائخ کا علم ہو اور ہر طبقہ کے اکثر راویوں کی تعداد کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کو حافظ کہتے ہیں۔

قال الشیخ تقی الدین السبکی :.انه سئال الحافظ جمال الدین المزی عن حد الحافظ الذی اذا انتهی الیه الرجل جاز ان یطلق علیه الحافظ قال یرجع الی اهل العرف.

ترجمہ: شیخ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حافظ جمال الدین المزیؒ سے حفظ کی حد پوچھی کہ جس تک آدمی پہنچے پر اسے حافظ کہا جا سکے تو فرمایا اہل عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا"۔

محدث ظفر احمد تھانویؒ فرماتے ہیں۔"وهذا هو الصواب ان مدار ذلک فی کل زمان علی عرف اهله فالمحدث فی زماننا من کان کثیر الاشتغال بمطالعة کتب الحدیث و درسه و تدریسه باجازة الشیوخ له مع معرفة معانی الحدیث روایة و درایة و الحافظ من اذا سمع الحدیث عرف انه فی الصحاح ام فی

غیرھا و کان یحفظ الف حدیث فصاعدا بالمعنی و الحجة من کان قوله ان فی الحدیث کذا حجة بین اقرانه لاینکرونه علیه" (حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۸)

ترجمہ: اور یہی درست ہے کہ اس کا مدار اھل زمانہ کے عرف پر ہوگا۔ پس ہمارے زمانے میں محدث وہ ہوگا جو کتب حدیث کے مطالعہ میں اور ان کی درس وتدریس میں کثرت سے مشغول ہو اور حافظ وہ ہوگا جو جب حدیث کو سنے تو اسے معلوم ہو جائے کہ صحاح میں ہے یا غیر میں اور ایک ہزار احادیث اسے بالمعنی یاد ہوں اور حجت وہ ہے جس کی بات اس کے ہم زمانہ علماء حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں تسلیم کرتے ہوں۔

قاضی محمد اعلی تھانویؒ کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں۔

فائدہ: محدثین کے کئی مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ طالب کا ہے طالب اسے کہتے ہیں جو اس علم میں ابتدائی طور پر داخل ہوا ہو اور اس میں رغبت رکھتا ہو۔ پھر محدث کا مرتبہ ہے محدث اس کو کہتے ہیں جو استاذِ کامل ہو۔ اسی طرح شیخ اور امام بھی اسی کے ہم معنی ہیں پھر حافظ کا مرتبہ ہے۔ حافظ وہ ہے جس کا علم ایک لاکھ احادیث کو متن اور سند کے اعتبار سے محیط ہو یعنی اسناد کے ساتھ ایک لاکھ احادیث یاد ہوں اور ان احادیث کے راویوں کے حالات کو بھی جرح وتعدیل اور تاریخی اعتبار سے جانتا ہو۔ پھر حجت ہے۔ حجت وہ ہے جس کا علم تین لاکھ احادیث کو محیط ہو۔ ابن المطری نے اسی طرح کہا ہے۔ (ق ۲۹)

۲۔ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں "راوی اس کو کہتے ہیں جو حدیث کو سند سے نقل کرے اور محدث وہ ہے جو اس کی روایت کو اٹھائے اور اس روایت کا فہم حاصل کرے اور حافظ وہ ہے جو اس تک پہنچنے والی حدیث کی روایت کرے اور جن چیزوں کی طرف احتیاج ہوتی ہے ان کو محفوظ رکھنے والا ہو۔

۳۔ میں (ظفر احمد عثمانیؒ) کہتا ہوں اس میں اصطلاحات کا اختلاف ہر زمانے کے عرف

کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔اور حاکم حجت سے اوپر کا مرتبہ ہے۔حاکم وہ ہے جو تمام احادیث کا سند اور متن اور راویوں کے حالات کا جرح و تعدیل اور تاریخ کے اعتبار سے علم رکھتا ہو۔ مجھے اسی طرح یاد ہے اگرچہ اس کی تصریح اس وقت میں کہیں نہیں پا رہا تھا۔ پھر (ق ۲۸) میں شرح نخبۃ الفکر کے حاشیہ میں اسی طرح پالیا۔اس میں ملا علی قاریؒ کی شرح الشرح کے حوالے سے یہ بات لکھی ہوئی ہے۔(ق ۳۵)

۴۔جان لیجئے کہ محدثین کے ہاں متن پر بحث بہت کم کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کے ہاں حدیث کی قوت اور ضعف وغیرہ کی صفات سے بحث کی جاتی ہے اور یہ بحث عدالت، ضبط، حفظ، غیر حفظ کے اعتبار سے راویوں کے اوصاف سے ہوتی ہے۔اس طرح اس سے بحث ہوتی ہے کہ حدیث کے راوی قلیل ہیں یا کثیر۔سند کے متصل، منقطع، مرسل، مضطرب ہونے کے اعتبار سے بحث ہوتی ہے۔پس ان چیزوں کی وجہ سے حدیث صحیح، حسن، ضعیف، متواتر، اور مشہور خبر واحد کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

۵۔پس متواتر وہ روایت ہے جو ایسی سند کے ساتھ نقل کی جائے جو اس بات تک پہنچائے جو حسی ہو عقلی نہ ہو۔اور اتنی تعداد اس کو نقل کرنے والی ہو کہ عقل ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال سمجھے یا وہ اس کو اپنی مثل سے ابتدا سے انتہا تک روایت کریں اور اس روایت جس پر انتہا ہو رہی ہو وہ کام حسی ہو پس نوع اول وہ ہے جس کا کوئی طبقہ نہیں ہے۔اور ثانی وہ ہے جس کے دو یا اس سے زائد طبقے ہوں۔

پھر اس کی دونوں قسمیں علم ضروری کا فائدہ دیتی ہیں نہ کہ علم نظری کا اور کسی عدد معین میں منحصر نہیں ہے اور یہ کثرت سے پائی جاتی ہے۔یہ بھی نہیں کہ متواتر بالکل معدوم ہی ہو یا موجود ہو لیکن قلیل ہو جنہوں نے متواتر کے قلیل ہونے کا گمان کیا ہے۔یہ بات ان کے خلاف ہے۔

جب متواتر کی مکمل شرائط پائی جانے کے باوجود وہ یقین کا فائدہ نہ دے تو وہ کسی دوسرے مانع کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اس کی ذات کی وجہ سے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے راویوں کی عدالت

سے بحث نہیں کی جاتی۔خبر متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔متواتر روایات کثرت سے موجود ہیں ۔(ق۳۲)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ”ما ادعاه ابن الصلاح من العزة ممنوع و كذا ما ادعاه غيره من العدلان ذلک نشاء عن قلة الا طلاع على كثرة الطرق و احوال الرجال و صفاتهم المقتضية لا بعا د العادة ان يتوا طئو وا على الكذب او يحصل منهم اتفاقا(شرح نخبۃ الفکر)

ترجمہ: اور ابن صلاحؒ نے جو متواتر کے قلیل الوجود ہونے کا دعوی کیا ہے یہ قابل تسلیم نہیں ہے۔اور اسی طرح جس نے اس کے معدوم ہونے کا دعوی کیا ہے وہ بھی ممنوع ہے اس لئے کہ یہ بات تو کثرت طرق اور احوال رجال اور وہ صفات جو عادۃً کذب کے محال ہونے یا اتفاق کذب کا عدم تقاضہ کرنے پر قلت اطلاع کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

علامہ سیوطیؒ حافظ ابن حجرؒ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قلت صدق شيخ الاسلام و برء ،وماقا له هو الصواب الذى لا يمترى فيه من لـه مما رسة بالحديث و اطلاع على طرقه فقد و صف جماعة من المتقد مين و المتاخرين احاديث كثيرة بالتواتر (اتمام الدرايه بشرح النقايه)

ترجمہ: میں کہتا ہوں شیخ الاسلام نے سچ کہا اور بری ہو گئے جو انہوں نے فرمایا وہ درست ہے جس کو ادنی سی بھی علمِ حدیث سے مناسبت ہے اور اسکی اسناد پر اطلاع ہے وہ اس میں شک نہیں کرے گا متقدمین اور متاخرین کی ایک جماعت نے بہت سی احادیث کو تواتر کے ساتھ متصف کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ،علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث میں ،ابریؒ نے مناقب شافعیؒ میں ،

ابن تیمیہؒ نے الفرقان بین الحق والباطل میں ،قاضی محبّ اللہ بہاریؒ نے مسلم الثبوت

میں اسکی امثلہ پیش کی ہیں۔

محدث کشمیریؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں

و التواتر عندی ایضاً علی اربعة اقسام احدها تواتر الاسناد ....وهذا التواتر تواتر المحدثین و الثانی تواتر الطبقه ...وهذا تواتر الفقها و تواتر التعامل .....وهذا التواتر قریب من التواتر الثانی ومثال هذا تواتر نعمل برفع الیدین عند الرکوع و ترکه فانه عمل به غیر واحد فی القران ثلاثه ،و الربع تواتر القد رالمشترک ...و حکم ثلاثه الاول تکفیر جاحده و اما الربع فان کان ضروریاًفکذالک وان کان نظریاًفلا.

ترجمہ: اور میرے نزدیک تواتر کی بھی چار قسمیں ہیں 1- تواتر اسنادا سے تواتر محدثین بھی کہتے ہیں 2- تواتر طبقہ اسے تواتر فقہا کہتے ہیں 3- تواتر تعامل 4- تواتر قدر مشترک ۔پہلے تین تواتر ایسے ہیں کہ انکا منکر کافر ٹھرتا ہے چوتھے تواتر کا موضوع اگر ضروریات کے درجہ میں ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے اور اگر نظری درجے کا ہے تو اسکے منکر کو کافر نہ کہا جائے گا۔

موجودہ زمانے میں چونکہ اکثر حضرات ان اصولوں سے ناواقف ہیں اس لئے وہ ہر حدیث کو سند کے اعتبار سے پرکھنا شروع کر دیتے ہیں اور گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں ۔منکرین حیات انبیاء علیہم السلام نے مسئلہ حیات کا انکار اس وجہ سے کیا ہے۔حالانکہ احادیث حیات تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں ۔ہم یہاں رک کر تواتر کی چاروں قسموں کی ذرا وضاحت کرتے ہیں ۔

تواتر طبقہ:

دین کا وہ حصہ جو عوام وخواص کے تواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسے قرآن پاک کا تواتر کہ ساری دنیا کے عوام وخواص مسلمان اسی قرآن کی تلاوت کرتے آرہے ہیں یہ سینہ اور سفینہ میں متواتر ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کا دعوی نبوت ،آپ ﷺ کا خاتم النبین بمعنی آخری نبی ہونا

وغیرہ ایسے عقائد کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں، ان تمام ضروریات دین کو اسی مفہوم کے مطابق ماننا جس طرح پوری امت مانتی آ رہی ہے ایمان ہے اوران میں سے کسی ایک کا انکار یا تاویل باطل کفر ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ میں پانچ نمازوں کو فرض نہیں مانتا وہ کافر ہے، اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں نمازوں کو فرض تو مانتا ہوں مگر نماز سے مراد وہ نماز نہیں جو مسلمان پڑھتے ہیں بلکہ نماز سے صرف دل میں اللہ کو یاد کرنا مراد ہے تو وہ بھی کافر ہوگا۔ ساری امت خاتم النبیین کا معنی آخری نبی کرتی آ رہی ہے لیکن مرزا قادیانی نے اس کا معنی یہ کرلیا کہ آپ ﷺ کی روحانی توجہ نبی تراش تھی جس کو چاہتے نبی بنا سکتے تھے۔ جس طرح آیت خاتم النبیین کا انکار کفر ہے اسی طرح مرزا کی یہ تاویل باطل بھی کفر ہے۔

(۲) تواتر تعامل:

پہلا تواتر ایسا عام تھا کہ اس میں نہ صرف مسلمانوں کے سب فرقے شریک تھے بلکہ وہ کافر جو مسلمانوں میں آباد تھے وہ ہر زمانے میں جانتے رہے ہیں کہ مسلمان قرآن پاک کو آخری کتاب، حضور پاک ﷺ کو آخری نبی اور دن رات میں پانچ نمازوں کو فرض جانتے ہیں ، مال دار کو اڑھائی فیصد زکوۃ اور صاحب استطاعت کے لئے زندگی میں ایک دفعہ حج فرض ہے ، اس کے لئے کچھ متواترات وہ ہیں جو دائرہ اہل السنۃ والجماعۃ میں ہیں۔ روزمرہ کے عملی مسائل جو آنحضرت ﷺ سے لیکر آج اہل سنت میں متواتر چلے آ رہے ہیں مثلاً وضو کا طریقہ، نماز کا طریقہ (علاوہ اجتہادی اختلاف) دوا، علاج، تعویذات، میت کا غسل، دفن، کفن، قبور پر سلام کہنا، توسل اور تقلید وغیرہ۔ اس کو تواتر فقہا بھی کہتے ہیں۔

(۳) تواتر اسنادی:

وہ احادیث جن کو روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اتنے ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال جانے، اس تواتر کو محدثین بھی کہتے ہیں۔ جیسے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا وغیرہ۔

(4) تواتر معنوی یا تواتر قدرِ مشترک:

اگرچہ الگ الگ احادیث احاد ہوں مگر ان میں قدر مشترک ایک یقینی بات نکل آئے موجودہ زمانے میں اس کی مثال جیسے ایک اخبار میں یہ خبر ہو کہ قندھار میں اتنے امریکی فوجی مار دیئے گئے دوسرے اخبار میں ہو خوست میں امریکی ہیلی کاپٹر تباہ تمام امریکی فوجی ہلاک ،تیسرے اخبار میں ہو کہ کابل میں امریکی کانوائے پر حملہ ۳۵ فوجی ہلاک ۷۰ زخمی وغیرہ اس طرح کی روزانہ خبروں سے ایک بات یقینی طور پر حاصل ہوگئی کہ امریکیوں کو افغانستان میں بہت مار پڑ رہی ہے۔

یہی قدر مشترک ہے ۔دینی مسائل میں اسکی مثال جیسے پہلی تکبر کی رفع یدین ،اکثر معجزات، کرامات اعادہ روح فی القبر ،سوال و جواب فی القبر ،زیارت قبور، حیات انبیا علیہم السلام فی القبور۔ان مسائل کو ضروریات اہل سنت مانتے ہیں فرقہ ناجیہ اہل السنّت کے لئے ان کا ماننا ضروری ہے اوران میں سے کسی ایک کا انکار کر دینا یا باطل تاویل کرنے سے انسان اہل سنت سے نکل جاتا ہے۔

احادیث حیات انبیاء علیہم السلام بھی متواتر ہیں۔صاحب نظم المتناثر من االحدیث المتواتر لکھتے ہیں۔

ان من جملة ما تواتر عن النبی ﷺ حیا ت الانبیا فی قبورھم

ترجمہ: جو روایات نبی اقدس ﷺ سے متواتر ہیں ان میں انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں زندہ ہونا بھی ہے۔۶۰۰ کے قریب کتب کے مصنف علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

حیات النبی ﷺ فی قبرہ ھو و سائر الانبیا ء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذالک و توا تر ت له الاخبار الدالة علی ذالک

ترجمہ: نبی اقدس ﷺ کا اور دوسرے انبیا علیہم السلام کا قبر میں حیات ہونا ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے،اس لئے کہ ہمارے نزدیک اس پر دلائل قائم ہیں اور اس مسئلہ پر دلالت کرنے

والی روایات ہمارے نزدیک متواتر ہیں۔(الحاوی للفتاوی ص ۱۳۹ ج ۲)

علامہ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں ابوعبداللہ قرطبیؒ سے بھی اسی طرح کی بات نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ یقینی طور پر ثابت ہے، یقین تواتر سے حاصل ہوتا ہے۔

چونکہ احادیث حیات انبیاء علیہم السّلام کوتواتر حاصل ہے، اس لئے اسکا انکار کرنے والا اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔دارالعلوم دیوبند اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا فتوی شائع ہوکر پھیل چکا ہے۔

عذاب قبر کی احادیث بھی متواتر ہیں:

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں **فا ما احادیث عذاب القبر و مسالة منكر و نكير كثيرة متواترة عن النبی ﷺ .**

ترجمہ: بہرحال عذاب قبر اور منکر نکیر کے سوال وجواب کی احادیث نبی اقدس ﷺ سے متواتر ہیں۔(کتاب الروح ص 65)

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

قد تواترت الاحاديث عن النبی ﷺ فی هذه الفتنة

ترجمہ: عذاب قبر کے بارے میں احادیث نبی اقدس ﷺ سے متواتر ہیں۔(فتاوی ابن تیمیہ ص 257 ج 4)

اسی طرح شرح مواقف میں لکھا ہے

والاحاديث الصحيحة الدالة عليه ای عذاب القبر اكثر من ان تحصى بحيث تواتر القدر المشترك وان كان كل واحد منها من قبيل الاحاد .

ترجمہ: اور احادیث صحیح اس بات پر کہ عذاب قبر ہوتا ہے اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اس حیثیت سے کہ انکار قدر مشترک تواتر تک پہنچا ہوا ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک از قبیل خبر واحد ہو۔(شرح مواقف ص 218 ج 8)

اس پر مزید حوالہ جات تسکین الاذکیا فی حیات الانبیا علیہم السّلام میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں، چونکہ عذاب قبر کی احادیث متواتر تھیں اس لئے امام ابن ھمامؒ نے تو عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے، لکھتے ہیں ''**لا تجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة و الروئیةوعذاب القبر و الکرام الکتابین لا نہ کا فر**''

ترجمہ: شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں اس لئے کہ وہ کافر ہے (فتح القدیر ص304ج1)

جو لوگ عذاب قبر کی تاویل باطل کرتے ہیں کہ عذاب قبر اس جسم کو نہیں ہوتا، صرف جسم مثالی کو ہوتا ہے یہ بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ بہر حال عذاب قبر کا انکار کفر ہے، ورنہ کم از کم اہل السنۃ والجماعۃ سے خروج تو بہر صورت ہے، یہ مسائل جو کسی قسم کے تواتر سے ثابت ہیں ان کی مثال سورج کی سی ہے، اور جو مسائل شہرت سے ثابت ہوں کہ زمانہ صحابہؓ میں اگر چہ احاد ہوں مگر زمانہ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں شہرت کو پہنچ گئے ان کی مثال چودھویں رات کے چاند کی سی ہے، نہ سورج گواہی کا محتاج ہے نہ بدر کامل۔ اس لئے یہ مسائل سند کے محتاج نہیں ہوتے۔ متواتر کی سند سے اسی لئے بحث نہیں کی جاتی۔ علامہ سیوطیؒ کا ایک رسالہ الازھار المتناثرہ ہے جس میں متواتر روایات کی نشاندہی کی گئی ہے، اسی طرح متواتر روایات پر ایک رسالہ نظم المتناثر من حدیث المتواتر ہے، یہ دونوں رسالے نہایت عمدہ ہیں۔

اسی طرح الامام الحافظ ابن طولون حنفی دمشقی صالحی ۹۵۳ھ کی کتاب اللئالئی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترۃ'' بھی نہایت عمدہ کتاب ہے۔ نیز شیخ ابو الفیض محمد مرتضی الحسینی الزبیدی المصری ۱۲۰۵ھ کی کتاب بھی اسی موضوع پر ہے جس کا نام ''**لقط اللئالئی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترۃ**''۔ کچھ متواترت کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے۔

(1) احادیث شفاعت

(2) تعداد رکعات

(3) بدر واحد اور غزوات میں شرکت

(4) اذان واقامت

(5) خلفائے راشدین کے فضائل

(6) اصحاب بدر کے فضائل

(7) احادیث حوض کوثر

(8) احادیث مغفرت

(9) احادیث شفاعت

(10) حدیث جبرائیل

(11) 73 فرقے

(12) احادیث مسواک

(13) غسل رجلین

(14) مسح علی الخفین

(15) فجر اسفار میں پڑھنا

(16) ظہر تاخیر سے پڑھنا

(17) سوال وجواب فی القبر

(18) قبر میں روح کا لوٹنا

(19) عذاب قبر

(20) حیات انبیاء علیہم السلام فی القبور

(21)شوال کے چھ روزے

(22)مجتہد سے اگر خطا بھی ہو جائے تو ایک اجر

(23)البینۃ علی المدعی

(24)افضیلت ابو بکرؓ علی جمیع الصحابہؓ

(25)اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا

(26)خیر القرون کی فضیلت

(27)روضہ پاک جنت

(28)احادیث ختم نبوت

(29)اسراء

(30)انبیاء کی میراث نہیں

(31)ظہور مہدی

(32)نزول عیسیٰؑ

(33)وزن اعمال

(34)جنت و دوزخ کا مخلوق ہونا

(35)آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کا توسل لینا

(36)قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار

چونکہ خبر متواتر قطعیت اور یقین کا فائدہ دیتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قطعی الثبوت کی دلالت کے بارے میں کچھ عرض کر دجائے۔

☆☆☆☆☆

قطعی الثبوت کی دلالت:

جوامورشریعت میں قطعی اور یقینی طور ثابت ہیں۔اگران کی اپنے مدعا پر دلالت بھی قطعی ہےتو وہ امور قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوں گے اور انکا منکر یقیناً کافر ہوگا اور اگر قطعی الثبوت امور کی اپنے مدعا پر دلالت ظنی ہو اور اسمیں کسی اور معنی کا بھی احتمال ہوتو اس صورت میں وہ دلیل ظن کا فائدہ دے گی۔صرف حدیث متواتر میں ہی یہ اصول نہیں چلے گا بلکہ اگر قرآن کریم کے احکامات میں بھی اگر باعتبار معنی اگر اختلاف کی گنجائش ہوتو اس کے منکر کو گمراہ ہی کہا جائے گا نہ کے کافر کیونکہ اس قطعی الثبوت کی دلالت میں ظنیت آ گئی جس سے حکم بدل گیا۔دلالت میں قطعیت کبھی تواتر معنوی سے بھی آجاتی ہےاور کبھی امت کا اجماع بھی اسے قطعی بنادیتا ہے۔علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں" وانما الادلة المعتبرة هٰهنا المستقرء اة من جمله ادلة ظنية تضافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ماليس للافتراق ولاجله افادالتواتر القطع وهذانوع منه .فاذا حصل من استقراء ادلة المسائلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو سبيه بالتواتر المعنوى

.

ترجمہ: جن دلائل کا یہاں اعتبار ہےوہ اس طرح کے ہیں کہ ادلہ ظنیہ کے استقراء سے ایک معنی واحد پر آجمع ہوئے ہیں۔یہاں تک کہ ان میں قطعیت آگئی ہے۔دلائل کے ایک موضوع پر مل جانے سے ان میں وہ قوت آجاتی ہے جوان کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں نہ تھی اور اسی لئے تواتر بھی قطعیت کا فائدہ بخشتا ہےاور یہ بھی اسی کی ایک قسم ہے جب کسی مسئلہ کے دلائل کا استقراء کرتے ہوئے ایسا مجموع حاصل ہوجائے۔جو یقین کا فائدہ دےتو وہ دلیل اس باب میں مطلوب ہے۔اور یہ تواتر معنوی کی ہی طرح ہے۔دلائل اپنے اپنے مقام پر گو اخبار احاد ہوں لیکن ان کا مجموعی مفاد ضرور یقین کا فائدہ بخشتا ہے۔مثلاً:

1- آنحضرت ﷺ نے خبردی کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ دوبارہ تشریف

لائیں گے یہ بات اپنی جگہ واضح تھی۔عیسیٰ بن مریم کے تشخص میں امت میں کبھی کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا تھا۔ بلکہ حضورﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمادی تھی کہ وہی عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جو مجھ سے پہلے آئے تھے اور میرے اور ان کے مابین کوئی نبی نہیں گزرا۔حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا:۔

لیس بینی وبینه یعنی عیسیٰ علیه السلام نبی وانه نازل واجمعت الامة علی ما تضمنه الحدیث المتواتر عیسیٰ فی السماء حی وانه ینزل فی اٰخر الزمان .

اس سے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر جس طرح تواتر معنوی سے یقینی درجہ رکھتی ہے۔اس کی دلالت بھی اپنے مدعا پر اسی طرح واضح اور قطعی ہے۔ جہاں تک حدیث لا نبی بعدی کی دلالت کا تعلق ہے۔قاضی عیاض کا بیان اس باب میں بہت واضح ہے۔

لانه اخبرانه ﷺ خاتم النبین ولا نبی بعده و اخبر عن الله تعالیٰ انه خاتم النبین واجمعت الامة علی حمل هذا الکلام علی ظاهره وان مفهومه المراد به دون تاویل ولاتخصیص فلا شک فی کفره هوء لا الطواف کلها قطعا اجماعا سمعاً.

ترجمہ: یہ اس کہ حضورﷺ نے خودفرمایا کہ آپﷺ خاتم النبین ہیں اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا ہوگا اور خدا کی طرف سے بھی حضورﷺ نے یہی بتلایا کہ آپﷺ خاتم النبین ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے وہی اس میں تغیر کسی تاویل وتخصیص کے مراد ہے۔پس ان لوگوں کے کفر میں قطعاً کوئی شک نہیں جو اس معنی کا انکار کریں۔حضرت امام غزالیؒ کی تصریح بھی سن لیں۔

ان الامة فهمت بالاجماع من هذا الفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبی بعده ابدًا و عدام رسول بعده ابدًا وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص .

ترجمہ: امت نے اس لفظ خاتم النبین اور آنحضرت ﷺ کے احوال وقرائن سے یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول۔اس مسئلہ ختم نبوت میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی قسم کی تخصیص ہے"۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس طرح کا تواتر اور یقین تو چند امور کو ہی حاصل ہوگا۔ان کے سو اجوامور ہیں وہ تو سب ظنی ہوں گے۔پھر ان کا اعتبار کیسے کیا جائے۔

جواباً عرض ہے کہ اصول دین تو واقعی سب قطعی ہونے چاہئیں اور یہ صحیح ہے کہ اسلام کے سب اصول ودلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہیں لیکن فروع میں اگر کہیں باعتبار ثبوت یا باعتبار دلالت ظنیت آجائے تو اس کا نقصان نہیں ہے۔

فروع میں ظنیت آجائے تو حرج نہیں:

محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی لکھتے ہیں "فروع میں اگر ظنیت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس کی مثال بالکل قانونی دفعات کی سمجھئے۔قانون کے الفاظ اپنے اجمال کے ساتھ قطعی ہوتے ہیں اور اس کی ضمنی دفعات وتشریحات بسا اوقات ظنی ہوتے ہیں۔اس لئے ان میں ہر عدالت کو اختلاف کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے۔امام شاطبیؒ نے مقدمات کتاب کے پہلے مقدمہ میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔پس فروعی مسائل کے ظنی ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔نہ ان مسائل کے تسلیم کرنے سے دین کی بنیاد ہونا ثابت ہوتا ہے"۔

حدیث کے ظنی الثبوت ہونے پر تشویش کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ قرآن کا ایک ایک حرف اگرچہ متواتر ہے لیکن اس کے باوجود جو مسائل اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک کے قطعی ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا جاسکتا۔بہت سے مسائل ایسے ہوں گے جو قرآن سے مستنبط ہوں۔لیکن ان کی دلالت اپنے مدلول پر ظنی ہو تو اگر احتمال ظن سے حدیث چھوڑی جاسکے گی۔تو کیا اسی راہ سے قرآن کے بہت سے مسائل بھی پا در ہوا نہ ہو جائیں گے۔فرق رہ جائے گا تو صرف یہی کہ حدیث میں ظن ثبوت سے آرہا ہے اور ان قرآنی احکام میں دلالت کی راہ سے باقی

رہا نتیجہ سو وہ صاف ہے۔علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:۔

کسی متواتر کا قطعیت کو مفید ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کے جمیع مقدمات بھی متواتر ہوں۔لیکن اس کے مقدمات ظنی ہیں تو وہ پھر ظن ہی کو مفید ہوگا۔مثلاً ہر کلام کا سمجھنا لغت اور نحویوں کی رائے پر بھی موقوف ہے۔پس اگر کسی مسئلہ نحوی میں نحویوں کی رائے مختلف ہے یا کسی لغت میں اہل لغت کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کا اثر اس متواتر کلام کے مفہوم پر بھی ضرور پڑھتا ہے۔کیوں کہ جن امور پر اس کلام کے مفہوم کا سمجھنا موقوف ہے۔جب وہی ظنی ہیں تو پھر اس کلام کو مفید قطع کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔

ہاں جہاں ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہو جائیں تو ان متواترت دین کا انکار کہیں نہیں جاسکتا۔نہ تواتر اسناد کا نہ تواتر معنی کا،نہ تواتر طبقہ کا،نہ عمل طبقہ کا،نہ توارث تعامل کا،نہ تواتر قدر مشترک کا،کسی تواتر سے ثابت ہونے والے مسئلے میں ضرور کچھ تفصیل کی گنجائش ہے کہ اگر مسئلہ نظری ہو تو ہوسکتا ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھرئے گا۔حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

و التواتر عندی ایضاًعلی اربعة اقسام احدها تواتر الاسناد ....وهذا التواتر تواتر المحدثين و الثانی تواتر الطبقه ...وهذا تواتر الفقها و تواتر التعامل .....وهذا التواتر قريب من التواتر الثانی ومثال هذا تواتر نعمل برفع اليدين عند الركوع و تركه فانه عمل به غير واحد فی القران ثلاثه ،و الربع تواتر القدرالمشترک ...و حكم ثلاثه الاول تكفير جاحده و اما الربع فان كان ضرورياًفكذالک وان كان نظرياًفلا.

ترجمہ: اور میرے نزدیک تواتر کی بھی چار قسمیں ہیں 1- تواتر اسنادا سے تواتر محدثین بھی کہتے ہیں 2- تواتر طبقہ اسے تواتر فقہا کہتے ہیں 3- تواتر تعامل 4- تواتر قدر مشترک۔پہلے تین تواتر ایسے ہیں کہ انکا منکر کافر ٹھرتا ہے چوتھے تواتر کا موضوع اگر ضروریات کے درجہ

میں ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے اور اگر نظری درجے کا ہے تو اسکے منکر کو کافر نہ کہا جائے گا۔

تواتر کی ایک اور قسم تواتر سکوتی:

مقدمہ مظاہر حق میں تواتر کی بحث میں ایک قسم تواتر سکوتی بھی بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے ایک بات نقل کی اور دیگر حضرات نے اس پر سکوت کیا اور پھر وہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ تواتر کے درجے میں آ گئی۔ احقر کے نزدیک اس میں یہ بات احتمال باقی رہے گا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر اس لئے سکوت کیا ہو کہ وہ خبر واحد کو لائق قبول سمجھتے تھے اور خبر واحد کے طور پر ہی اسے آگے مشہور کر دیا ہو۔ پہلے مرحلے میں وہ خبر واحد ہی رہے گی اس صورت میں اس میں تواتر کو دعوے نہ کیا جا سکے گا۔

الحاصل حدیث باعتبار علم دو قسموں پر منقسم ہے

اول حدیث متواتر دوم اخبار احاد

اور اخبار احاد پھر آگے تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گی۔

1- حدیث مشہور 2- حدیث عزیز 3- حدیث غریب

حدیث متواتر کے مقابل حدیث احاد ہے۔ اسے خبر واحد بھی کہتے ہیں جس کی اعلیٰ ترین قسم حدیث مشہور ہے۔ حدیث متواتر پر گفتگو گزر چکی ہے۔ اب حدیث مشہور، حدیث عزیز اور حدیث غریب کی کچھ تفصیل لیجئے۔

مشہور وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے دو سے زائد ہوں اور محدود ہوں تواتر کی حد تک نہ پہنچے ہوں یعنی بذاتہ وہ یقین کا فائدہ نہ دے۔ آئمہ فقہا کے ہاں اس کو مستفیض کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کی دونوں طرفوں اور وسط میں روایت کی تعداد برابر ہو اور مشہور اسی سے اعم ہے کبھی مشہور کا اطلاق اس حدیث پر بھی کر دیتے ہیں جو زبانوں پر مشہور ہو چکی ہو اگرچہ اسکی ایک سند بھی نہ ہو۔ یہ مشہور کی تعریف تھی محدثین کے نزدیک،

اصول فقہ میں مشہور کی تعریف یہ ہے۔

صاحب منار لکھتے ہیں

وھو ما کان من الاحاد فی الاصل ثم انتشر حتی ینقلہ قوم لا یتوھم تواطؤھم علی الکذب وھو القرن الثانی ومن بعدھم (نورالانوار ص۱۸۰)

ترجمہ ......خبر مشہور وہ ہے جو اصل یعنی صحابہ کے زمانے میں تو خبر واحد تھی پھر وہ پھیل گئی یہاں تک کہ اس کو ایسی قوم نے نقل کیا جن کا جھوٹ پر اتفاق کا وہم نہیں کیا جاتا اور یہ نقل ہونا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں ہو۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں

المشھور فی اصول الحدیث ما یرویہ اکثر من اثنین فی کل طبقۃ من طبقات الرواۃ ولم یصل الی حد التواتر وفی اصول الفقہ ما یکون من الاحاد فی العصر الاول ای عصر الصحابۃ ثم ینقلہ فی العصر الثانی وما بعدہ قوم لا یتوھم تواطؤھم علی الکذب فان کان کذالک فی العصر الاول ایضا فھو المتواتر وان لم یکن کذلک فی العصر الثانی ایضا فھو الاحاد وبہ علم ان المشھور عند الاصولیین قسیم للاحاد والمتواتر واما عند المحدثین فھو قسم من الاحاد وھو ما لم یبلغ رتبۃ التواتر.

ترجمہ ......مشہور اصول حدیث میں اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو روات کے طبقات میں سے ہر طبقہ میں دو سے زائد روایت کرنے والے ہوں لیکن وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچے اور اصول فقہ میں وہ ہے جو عصر اول یعنی صحابہ کے زمانہ میں تو

خبر واحد ہو پھر عصر ثانی یا اس کے بعد اتنی قوم اس کو روایت کرے جن کا جھوٹ پر اتفاق کا وہم نہ ہو۔ اگر وہ اس طرح ہو عصر اول میں تو وہ متواتر ہوگی اور اگر عصر ثانی میں بھی اس طرح نہ ہو تو وہ احاد سے ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اصولیین کے نزدیک مشہور احاد اور متواتر کی قسیم ہے اور محدثین کے نزدیک وہ احاد کی قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔ (رد المحتار ص ۴۴۶ ج ۱)

مشہور کے منکر کا حکم:

صاحب نور الانوار لکھتے ہیں

لا یکفر جاحده بل یضلل علی الاصح وقال الجصاص انه احد قسمی المتواتر فیفید علم الیقین و یکفر جاحده کالمتواتر

علیمامر.

ترجمہ......اس کا انکار کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ اصح قول کے مطابق وہ گمراہ قرار دیا جائے گا امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں یہ بھی متواتر کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی مثل متواتر کے جیسا کہ گزر چکا ہے۔(نور الانوار ص ۱۸۱)

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ھیں

والذی وقع الخلاف فی تبدیع منکره او تکفیره هو المشهور المصطلح عن الاصولیین لا عند المحدثین فافهم قوله "وعلی رای الثانی کافر ای بناء علی جعله المشهور قسما من المتواتر لکن قال فی التحریر والحق الاتفاق علی عدم الاکفار بانکار المشهور لآحادیة اصله.

ترجمہ......خبر مشہور کے منکر کے بدعتی ہونے اور اس کی تکفیر کے بارے میں جو اختلاف ہوا ہے یہ اس مشہور (کے منکر کے) کے متعلق ہے، جو اصولیین کے نزدیک ہے، نہ کہ جو محدثین کے نزدیک۔ پس سمجھ لو اور انکا (صاحب درمختار کا) قول ''رائے ثانی کی بنا پر کافر ہے۔یعنی مشہور متواتر کی قسم بنانے کی بنا پر وہ کافر ہوگا۔لیکن (ابن ہمامؒ نے) فرمایا ہے تحریر الاصول میں حق یہ ہے کہ مشہور کے منکر کی عدم تکفیر پر اتفاق ہے مشہور کے اصل کے اعتبار سے آحاد ہونے کی وجہ سے۔(ردالمحتار ص ۴۴۶ ج ۱)

مشہور کے منکر کی تکفیر کے بارے میں اختلاف اس وقت ہے جب اس کی تحقیر نہ کرے۔ اگر تحقیر کرے تو خواہ تحقیر یا استہزاء خبر واحد کا ہی کیوں نہ ہو کافر ہو جائے گا۔موجودہ زمانے میں منکرین حیات اور غیر مقلدین میں یہ چیز کثرت سے پائی جارہی ہے، **اعاذنا اللہ منھم.**

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ مشہور کی دو قسمیں ہیں

(۱) صحیح (۲) غیر صحیح پھر غیر صحیح ہو کر عام ہے کہ حسن ہو یا ضعیف۔(تدریب ص ۱۰۱ ج ۲)

ابن صلاح نے مقدمہ میں مشہور صحیح کی مثال میں حدیث **انما الاعمال بالنیات** کو بیان کیا ہے اور مشہور غیر صحیح کی مثال میں حدیث **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** کو بیان کیا ہے۔ **(مقدمہ ص ۱۶۱)**

ابن صلاح نے مشہور کی مثال میں حدیث **انما الاعمال بالنیات** کو جو بیان کیا ہے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ حدیث مشہور نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ خیر القرون کے بعد ہوئی۔ کیونکہ اسے شہرت حاصل ہوئی ہے یحییٰ بن سعید سے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں

فانه لم یروه من طریق صحیح عن النبی ﷺ الا عمر ولم یرو عن عمر الا علقمة ولم یرو عن علقمة الا محمد بن

ابـراهيـم التيـمـي ولـم يـرو عـنــه الا يحيىٰ بن سعيد الانصاری.

ترجمہ ......پس بے شک نہیں روایت کیا اس کو صحیح طریق سے نبی اقدس ﷺ سے مگر عمرؓ نے اور نہیں روایت کیا عمرؓ سے مگر علقمہ نے اور نہیں روایت کیا علقمۃ سے مگر محمد بن ابراہیم تیمی نے اور نہیں روایت کیا ان سے مگر یحییٰ بن سعید نے۔(مرقات ص ۴۷ ج ۱)

مزید لکھتے ھیں وما قیل انه متواتر غیر صحیح.

(ص ۴۷)

مزید لکھتے ہیں

ثـم تواتر عنه بحيث رواه عنه اكثر من مأة انسان اكثرهم آئمة.

ترجمہ ......پھر یحییٰ بن سعید سے یہ روایت متواتر ہوئی ہے بایں طور کہ ان سے اس روایت کو ایک سو سے زائد راویوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے اکثر ائمہ ہیں۔(ص ۴۷)

حافظ اسماعیل ہرویؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو اس کے راوی یحییٰ بن سعید انصاری سے ان کے سات سو شاگردوں کی سند سے روایت کیا ہے۔(فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ص ۳۲۱ بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث، مصنفہ محدّث العصر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ)

ابن صلاحؒ پر جو اعتراض ہوا وہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ حدیث تو یحییٰ بن سعید سے مشہور ہوئی ہے پہلے غریب تھی، بندہ محمود بن اشرف کے ذہن میں ابن صلاح کے قول کی ایک توجیہ آرہی ہے وہ یہ ہے۔

توجیہ:

صاحب منار لکھتے ہیں

وهو ما كان من الاحاد في الاصل ثم انتشر حتى ينقله قوم لا يتوهم تواطؤهم على الكذب وهو القرن الثاني ومن بعدهم.

ترجمہ......وہ حدیث جو اصل میں تو خبر واحد ہی تھی پھر وہ پھیل گئی حتی کہ اس کو اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو کہ عقل ان کے جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال سمجھے وہ زمانہ قرن ثانی اور اس کے بعد کا زمانہ۔　(نور الانوار ص۱۸۰)

صاحب نور الانوار قرن ثانی اور قرن ثالث کی تشریح میں لکھتے ہیں

يعني قرن التابعين و تبع التابعين ولا اعتبار للشهرة بعد ذالک.　(نور الانوار ص ۱۸۰)

ترجمہ......یعنی تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ اس لئے کہ اس کے بعد شہرت کا کوئی اعتبار نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حدیث ایسی ہو کہ اس کو نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ عقل ان کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو محال سمجھے اور یہ شہرت تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں حاصل ہو چکی ہو تو یہ حدیث مشہور کہلائے گی۔حدیث **انما الاعمال بالنیات یحییٰ بن سعید سے مشہور ہوئی ہے، یحییٰ بن سعید کی وفات ۱۴۴ھ یا ۱۴۶ھ میں ہے، (تہذیب التہذیب ص ۲۲۳ ج ۱۱) یہ تابعین کا زمانہ ہے.**

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں قال ابن المديني في العلل لا اعلمه سمع من صحابي غير انس رضی اللہ عنہ

ترجمہ......ابن مدینی کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا

کہ یحییٰ بن

سعید نے کسی صحابی سے سماع کیا ہو سوائے حضرت انسؓ کے۔

(تہذیب التہذیب ص۲۲۳ ج۱۱)

علی بن مدینیؒ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت انسؓ سے سماع کیا ہے، اس سے ان کی تابعیت کیا سماع بھی ثابت ہو رہا ہے۔ اور تابعی سے حدیث مشہور ہو جانا یہ گویا قرن تابعین میں حدیث مشہور ہوئی، اس لئے قاعدہ مذکورہ کے تحت اس کو مشہور کہنا صحیح ہے۔ ابن صلاح کا یہ قول اس قاعدہ کے مطابق ہے۔ میر سید شریف نے اس کو رسالہ اصول الحدیث میں مشہور لکھا ہے، ممکن ہے وہ بھی اسی قاعدہ کے اعتبار سے ہو۔ البتہ محدثین والی تعریف کے اعتبار سے اعتراض باقی رہے گا۔

واللہ اعلم بالصواب وھو الھادی الی کل باب البتہ ابن صلاحؒ نے جو یہ لکھا ہے کہ حدیث "**طلب العلم فریضۃ**" مشہور غیر صحیح ہے، ممکن ہے ابن صلاحؒ کے سامنے وہ سند نہ ہو جو امام اعظمؒ کے واسطہ سے ہے، اس حدیث کو امام اعظمؒ نے خود حضرت انسؓ سے سنا ہے یہ روایت امام صاحبؒ کی وحدانیات میں مذکور ہے۔ پھر مشہور کبھی تمام کے نزدیک ہوتی ہے کبھی مشہور عند المحدثین ہوتی ہے، کبھی عند الفقہاء۔

محدثین، فقہاء، علماء، عوام سب کے نزدیک مشہور کی مثال:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ.

مشہور عند الفقہاء کی مثال:

ابغض الحلال عند اللہ الطلاق

مشہور عند المحدثین کی مثال:

ل ان رسول اللہ قنت شھرا بعد الرکوع ید عو علی رعل

و ذکوان (تدریب الراوی ص ۱۰۲ ج ۲)

حدیث مشہور کا حکم:

صاحب منار کہتے ہیں انه یوجب علم طمانیة (نور الانوار ص ۱۸۱)

ترجمہ...... یہ علم طمانیت کو واجب کرتی ہے۔

صاحب نور الانوار لکھتے ہیں

اطمینان یرجح جھۃ الصدق فھو دون المتواتر وفوق الواحد حتی جازت الزیادۃ بہ علی کتاب اللہ تعالیٰ۔ (ایضاً ص ۱۸۱)

ترجمہ...... (خبر مشہور) اطمینان کو واجب کرتی ہے حدیث کے جہت صدق کو راجح کرتی ہے، اس کا مرتبہ متواتر سے کم ہے اور خبر واحد سے بلند ہے حتی کہ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی کی مثال:

قرآن پاک میں صرف طواف کا ذکر ہے، یہ ذکر نہیں کہ سات چکر لگائے جائیں ا بکتاب اللہ کا مقتضیٰ یہی ہے کہ طواف ہو خواہ کتنے ہی چکر ہوں، لیکن طواف کی تعداد کو ضروری قرار دینا یہ اخبار مشہورہ کی وجہ سے ہے اور خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

مثال نمبر ۲۔

اگر ایک مرد اپنی بیوی کو تین طلاق دے خواہ تین مجلسوں میں دے یا ایک مجلس میں خواہ تین الفاظ کے ساتھ دے یا ایک ہی لفظ میں تو وہ عورت اس کے لئے حرام ہو جائے گی اب وہ اس مرد سے نکاح نہیں کر سکتی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ دوسرا مرد اس سے جماع کر لے۔ اب قرآن پاک میں تو صرف اتنا حکم ہے حتی تنکح زوجا غیرہ یہاں تک کہ یہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔ لیکن حدیث مبارکہ ہے

ان امرأ ة رفاعة القرظی جاء ت الی رسول اللہ ﷺ فقالت یا رسول اللہ ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعده بعدالرحمن بن الزبیر القرظی وانما معه مثل هدبة قال رسول اللہ لعلک تریدین ان ترجعی الی رفاعة لا حتی یذوق عسیلتک و تذوقی عسیلته.

ترجمہ......حضرت رفاعہ قرظیؓ کی بیوی نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ رفاعہ نے مجھے طلاق دی اور مجھے طلاق بتہ دی (اس میں تین کی نیت تھی) اور میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کرلیا اور اس کے پاس کپڑے کے کنارے کی مثل ہے (یعنی نامرد ہے) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ کیا تو اس بات کا ارادہ رکھتی ہے کہ رفاعہ کے پاس واپس لوٹ جائے ایسے ہرگز نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ تیرا ذائقہ اور تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے (یعنی جماع نہ کرلے) **(بخاری ص ۷۹۱ ج ۲)**

بخاری کے علاوہ یہ حدیث مندرجہ ذیل کتب میں بھی ہے، ابن ابی شیبہ ص۳۷۷ ج۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، مسند دارمی ص ۱۱۳ ج ۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، مجمع الزوائد ص ۳۴۴ ج۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مسند البزار، طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد. نسائی ص ۱۰۱ ج ۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، مسند احمد ص۳۸ ج۶، نمبر ۲۴۱۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت. مسند حمیدی ص ۱۱۱ ج ۱، نمبر ۲۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، موارد الظمأن ص ۳۲۱ نمبر ۱۳۲۳،

مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت، السنن الکبریٰ للبیهقی ص ۳۳۳ ج۷، مطبوعه اداره تالیفات اشرفیه ملتان، الجامع للامام الترمذی ص ۲۲۳ ج ا ، مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی.

یہ حدیث مشہور ہے اور مشہور کی بنیاد پر کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔اس حدیث کی وجہ سے ہم نے تین طلاق کی صورت میں عورت کے زوج اول کے لئے حلت کے ثبوت کے لئے زوج ثانی کی وطی کی شرط لگا دی۔

حدیث عزیز: حافظ ابن حجرؒ شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ

والثالث العزیز وهو ان لا یرویه اقل من اثنین عن اثنین و سمی بذلک اما لقلة وجوده واما لکونه عزّا ای قوی بمجیئه من طریق اخر ولیس شرطا للصحیح خلافا لمن زعمه وهو ابو علی الجبائی من المعتزلة والیه یومیئکلام الحاکم ابی عبدالله فی علوم الحدیث حیث قال الصحیح هو الذی یرویه الصحابی الزائل عنه اسم الجهالة بان یکون له راویان ثم یتداوله اهل الحدیث الی وقتنا کالشهادة علی الشهادة

ترجمہ...... اور تیسری قسم عزیز ہے۔عزیز وہ ہے جسے ہر زمانے میں نقل کرنے والے کم از کم دو ہوں دو سے کم نہ ہوں۔اس کا نام عزیز یا تو اس کے وجود کی قلت کی وجہ سے ہے یا قوی ہونے کی وجہ سے طریق ثانی کے پائے جانے کی وجہ سے۔اور عزیز ہونا صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں۔خلاف ہے اس کے جس نے اس کا گمان کیا وہ ابوعلی جبائی معتزلی ہے اور اسی کی طرف حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے کتاب ”علومِ حدیث“ میں اشارہ کیا ہے کیونکہ اس نے کہا

کہ صحیح وہ ہے جسے ایسا صحابی روایت کرے جس سے جہالتِ اسم زائل ہو بایں طور کہ اس کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ یوں ہی چلا ہو محدثین کے ہاں ہمارے وقت تک جیسے **شهادة على الشهادة.**

حدیث عزیز کی مثال: جیسے حدیث لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔ اس حدیث کو حضور اکرم ﷺ سے دو صحابیوں نے ان سے ہر ایک سے دو تابعیوں نے اور پھر ان سے دو تابعیوں نے روایت کیا ہے۔ اس تعدد رواۃ سے روایت بڑی قوی ہو جاتی ہے لیکن اس سند سے بھی ایسا قطع و یقین حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے منکر کو کافر کہا جاسکے۔

حنفیہ کے ہاں حدیث وتر اسی درجہ میں ہے کہ اس پر عمل تو فرض کے درجہ میں ہے۔ لیکن اس کا منکر کافر نہیں۔ حضرت شامیؒ لکھتے ہیں

اعلم ان الفرض نوعان فرض عملاً وعلماً وفرض عملاً فقط فالاول کا لصلوة الخمس فانها فرض من جهة العمل لایحل ترکها ....وفرض من جهة العلم و الاعتقاد بمعنی انه یفترض علیه اعتقاد ها حتی یکفر بانکا رها والثانی کالوتر فانه فرض عملا کماذکرنا .ولیس بفرض علماً ای لا یفترض اعتقاده حتی انه لا یکفر منکر ہ لظنیة دلیله و شبهة الاختلاف فیه و لذا یسمیٰ واجباً.

ترجمہ: یہ جانو کہ فرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جو علماً اور عملاً ہر دو پہلوؤں سے فرض ٹھہرے اور دوسرا وہ جو صرف عملاً فرض ہو اعتقاداً فرض نہ ہو ـــــ پہلے فرض کی مثال نماز پنجگانہ ہے وہ عمل کی طرف سے بھی فرض ہے کہ اسے چھوڑنا حلال نہیں اور علم کی رو سے بھی فرض ہے کہ اس سے کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا بھی فرض ہے۔ یہاں تک کہ اس کا انکار بھی کفر ہے اور دوسری قسم کی مثال میں وتر کو لے لیجئے۔ وہ عملاً فرض ہے علماً فرض نہیں۔ اس کا اعتقاد فرض نہیں ٹھہرتا۔ یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر نہ کی جاسکے گی۔ کیوں کہ اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے اور اس

میں شبہ اختلاف بھی ہے اور لئے اسے فرض نہیں کہتے واجب کہتے ہیں۔

حدیث غریب:

وہ خبر واحد جس کی سند کسی مقام پر صرف ایک ہی راوی سے چلی ہو۔ مثلاً کسی صحابی سے ایک ہی تابعی نے روایت کیا ہو۔ گو اس کے بعد پھر تفرد نہ رہا ہو۔ جیسے بخاری کی یہ روایت ہے **الایمان بصنع وسبعون افضلها لااله الا الله وادنا ها اماطة الاذی عن الطریق .**

اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے صرف ابو صالح نے روایت کیا ہے اور ابو صالح سے حضرت عبداللہ بن دینار نے۔ اس طرح کی حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔ یہ ضعیف کی کوئی قسم نہیں ہے۔

خبر متواتر، خبر مشہور، عزیز، غریب اب تک حدیث کی یہ اقسام بیان کی گئی ہیں ان میں متواتر کے علاوہ جتنی بھی اقسام ہیں تمام کو اخبار احاد کہا جاتا ہے۔ اور یہ تقسیم راویوں کی تعداد کے اعتبار سے تھی نیز خبر متواتر کے مقابل خبر واحد ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں "**ویقال لکل منها خبر واحد فی اللغة ما یرویه شخص واحد فی الاصطلاح ما لم یجمع شروط المتواتر** (شرح شرح نخبۃ الفکر)

ترجمہ: ان میں سے ہر ایک کو خبر واحد کہا جاتا ہے اور خبر واحد لغت میں اس کو کہتے ہیں جیسے ایک شخص روایت کرے اور اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جس میں خبر متواتر کی شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے۔ حدیث کی گزشتہ اقسام باعتبار علم کے راویوں کی تعداد کے لحاظ سے کس طرح علم کے مختلف درجے قائم ہوتے ہیں۔ گزشتہ اقسام میں راویوں کی ذات سے بحث نہ تھی، صرف ان کی تعداد پیش نظر تھی اگر ان راویوں کی ذات سے بحث کی جائے اور ان کی صفات صدق وضبط وغیرہ کو دیکھا جائے تو حدیث کی اور اقسام پیدا ہوں گی۔ اخبار احاد میں بعض مقبول ہوتی ہیں، بعض غیر مقبول۔ محدث تھانویؒ لکھتے ہیں

7: متواتر کے ماسوا سب اخبار احاد اور ان میں سے بعض مقبول ہیں وہ وہ ہیں جن کے راوی کا صدق راجح ہو گیا اور بعض مردود اور وہ وہ ہیں جن کے راوی کا کذب غالب ہو گیا۔ اور بعض وہ ہیں جن کے رد و قبول میں توقف کیا جائے گا۔ اس کے راویوں کے حالات سے بحث پر اس سے استدلال کے موقوف ہونے کیوجہ سے بخلاف متواتر کے کہ وہ ساری کی ساری مقبول ہے۔

خبر واحد کی جو اقسام مقبول ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔

(1) صحیح لذاتہ (2) صحیح لغیرہ (3) حسن لذاتہ (4) حسن لغیرہ

ضعیف قوی بتعدد طرق۔ نقشہ یوں بنے گا۔

حدیث

صحیح حسن ضعیف

صحیح لذاتہ صحیح لغیرہ حسن لذاتہ حسن لغیرہ ضعیف

بتعدد طریق ضعیف متروک

یہ پانچ قسمیں مقبول ہیں۔ ان میں سب سے اعلی حدیث صحیح لذاتہ ہے۔ پھر صحیح لغیرہ ہے پھر حسن لذاتہ پھر حسن لغیرہ ہے پھر حدیث ضعیف قوی بتعدد طرق۔ صحیح حدیث کی کچھ اقسام اور بھی ہیں ان کو ہم آگے بیان کریں گے۔ پہلے ان پانچ قسموں کی تعریفات اور متعلقات کو ذکر کیا جاتا ہے

تعریف حدیث صحیح لذاتہ:

8: صحیح لذاتہ: وہ خبر واحد ہے جس کی سند متصل ہو اور اس کو نقل کرنے والے تمام راوی عادل ہوں شذوذ اور علل سے محفوظ ہوں۔

سند متصل:

سند متصل کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر راوی دوسرے راوی سے ملا ہو۔

عادل:

راوی کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ اور کبیرہ گناھوں سے بچنے والا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والا ہو۔

شذوذ سے محفوظ ہونا:

علل سے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسکا راوی ثقہ ہونے کے باوجود اپنے سے زیادہ ثقہ کی مخالفت نہ کرئے۔

☆☆☆☆☆

علل سے محفوظ ہونا:

علل سے محفوظ ہونے کا مطلب ہے کہ ایسی خفی علت جو حدیث کی صحت میں مضر ہو وہ اسمیں نہ پائی جائے۔ان علل پر بندہ نے اپنی کتاب جامع الاسرار شرح نورالانوار میں تفصیل سے بحث کر دی ہے۔

حدیث حسن کی تعریف:

9:اگر ضبط میں کچھ کمی ہو باقی تمام صفات صحیح والی پائی جائیں اسکو حسن لذاتہ کہتے ہیں۔

صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ میں فرق صرف ضبط کے کم زیادہ ہونے کا ہے۔ضبط کے بارے میں علامہ امیر یمانی اپنی کتاب ''توضیح الافکار'' جو کہ اصول حدیث پر بیش بہا کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں۔

اعلم انه يتصور هنا اربع صور

الاولى :تام الضبط

الثانيه :من تساوى ضبطه و عدمه

الثالثه :من کان ضبطه اکثر من عدمه

الرابعة :من عدم ضبطه اکثر من ضبطه

وینضاف الیه صورتان

الاولی من قل غلطه والثانیه من کثر غلطه

الاولی من الاربع شرط الصحیح و الخامسة شرط الحسن

(توضیح الافکارص19)

ترجمہ: جان لیجیے کہ ضبط کی کمی زیادتی کی چارصورتیں متصور ہوتی ہیں۔

(1) تام الضبط (2) ضبط اور عدم ضبط برابر ہو (3) ضبط عدم ضبط سے زیادہ ہو (4) عدم ضبط ضبط سے زیادہ ہو۔ (۵) جن کی غلطیاں قلیل ہوں (۶) جن کی غلطیاں کثیر ہوں۔ پہلی چار صورتیں صحیح کی شرائط میں سے ہیں، پانچویں حسن کی شرط ہے۔

10: اور اگر حسن لذاتہ کے طرق متعدد ہوں بایں طور کوئی اور سند بھی اس کی مل جائے خواہ وہ سند اس سے قوی ہو یا اسکے برابر ہو یا اور اس کی کئی سندیں ہوں اگرچہ درجہ میں اس سے کم ہوں تو ایسی روایت کو صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔

11: وہ خبر واحد جسے سئی الحفظ روایت کرے یا وہ اختلاط کا شکار ہو اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس روایت کو اختلاط سے پہلے بیان کیا یا بعد میں یا مستور ہو یا ارسال کرنے والا ہو روایت میں تدلیس کرنے والا ہو ان دونوں صورتوں میں یہ معلوم نہ ہو کہ محذوف کون ہے اب اگر اس کا کوئی متابع مل جائے خواہ وہ متابع اس کی مثل ہو یا اس سے قوی ہو تو یہ حدیث حسن لغیرہ ہوگی اور اگر وہ روایت جس کی قبولیت میں توقف تھا کوئی قرینہ اس کی قبولیت کی جانب کو ترجیح دینے پر قائم ہو جائے تو وہ روایت حسن ہوگی لیکن لذاتہ نہیں بلکہ لغیرہ ہوگی۔

حاصل یہ ہے کہ ضعیف حدیث کے طرق جب متعدد یا کوئی ایسے موئیدات حاصل ہو جائیں جو اس کی جانب قبول کو ترجیح دیں ایسی حدیث حسن لغیرہ ہوگی۔ نیز صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ

کے کئی مراتب ہیں جن میں سے بعض بعض سے مرتبہ میں بلند ہیں۔پس جس میں صحیح کی صفات پائی جائیں گی اوران صفات کے صحیح صفات ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا ایسی حدیث اس حدیث پر مقدم ہوگی کہ جس میں صحیح کی صفات پائی جائیں مگر اختلاف ہوخواہ وہ اختلاف بعض صفات کے وجود عدم وجود میں ہو یا اس میں کہ ان صفات کا پایا جانا صحیح کی شرائط میں سے ہے یا نہیں۔(ق ۳۵)

اصح الاسانید کی بحث:

بعض ائمہ نے بعض اسانید پر اصح ہونے کا اطلاق کیا ہے اگر چہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ کسی معین سند پر اس کا اطلاق نہ کیا جائے۔پس ایسی حدیث جس پر کسی نے اصح الاسانید کا اطلاق کیا ہووہ دوسروں پر مقدم ہوگی۔اسی طرح جس حدیث کو بخاری مسلم دونوں نے روایت کیا ہووہ اس حدیث پر مقدم ہوگی جس کو صرف بخاری نے روایت کیا ہواور وہ حدیث جس کو صرف بخاری نے روایت کیا ہووہ مقدم ہوگی اس پر جس کو صرف مسلم نے روایت کیا۔یہ اصول محدثین کے نزدیک ہے اور فقہاء کے نزدیک اس کا مدار صحت کی شرائط کے اجتماع پر ہے۔(ق ۳۶)

یہ جو اصول بیان کیا ہے ابن صلاحؒ اور ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔مگر یہ مسلم نہیں اس لئے کہ بہت سے محدثین نے اس سے اختلاف کیا ہے۔بندہ نے اپنی کتاب قطرات العطر میں اس پر کچھ بحث کی ہے وہ نقل کی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ صحیح لذاتہ میں اوصاف کے تفاوت کے لحاظ سے فرق ہوگا، چونکہ یہ حدیث اس ظن غالب کا فائدہ دینے والی ہے جس پر مدار صحت ہے لہذا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اوصاف کے اعتبار سے اس کے مختلف درجے ہونے چاہئیں اسی وجہ سے وہ روایت جو عدالت ضبط اور دیگر صفات راجحہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہوگی وہ اصح شمار ہوگی بہ نسبت اس حدیث کے جو کم مرتبہ ہے ان اوصاف کے لحاظ سے بعض ائمہ کے نزدیک مندرجہ ذیل اسناد اصح الاسانید ہیں، حافظ ابن حجر نے صرف تین کا ذکر کیا ہے۔

۱. حدیث زهریؒ عن سالم بن عبداللہ بن عمر عن ابیه.

۲. حدیث محمد بن سیرینؒ عن عبیدة بن عمرو عن علی

۳۔حدیث ابراہیم نخعیؒ عن علقمۃ عن ابن مسعود چونکہ ان احادیث کے رواۃ میں عدالت ضبط وغیرہ اوصاف اعلیٰ پیمانہ پر پائے جاتے ہیں، اس لئے ان حدیثوں میں صحت اعلیٰ رتبہ پر ہوگی۔

ان تینوں اسناد کی نسبت گو بعض ائمہ نے کہا کہ یہ اصح الاسانید علی الاطلاق ہیں مگر مسلمہ قول یہی ہے کہ کسی خاص اسناد کو اصح الاسانید علی الاطلاق نہیں کہا جا سکتا، تاہم ائمہ حدیث نے جس جس اسناد کو اصح الاسانید علی الاطلاق کہا ہے ان کو اوروں پر ترجیح ضرور ہوگی۔

حافظ ابن حجرؒ کے مطابق پہلی تین سے کم درجہ کی اسناد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔حدیث "یزید بن عبداللہ بن ابی بردة عن جده عن ابیه"۔

۲۔حدیث "ابی موسی" اور حدیث "حماد بن سلمة عن ثابت عن انس"۔

۳۔اس کے بعد حدیث" سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة"۔

۴۔اس کے بعد حدیث "علاء بن عبدالرحمن عن ابیه عن ابی هریرة" کا رتبہ ہے۔

چونکہ اول درجہ کی احادیث رواۃ کے اوصاف کے لحاظ سے صحت کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں، اس لئے وہ دوم سوم درجہ کی احادیث پر مقدم ہوں گی۔ اور دوم درجہ کی احادیث چونکہ رواۃ کے اوصاف کے لحاظ سے درجہ سوم کی احادیث سے اعلیٰ ہیں، اس لئے وہ سوم درجہ کی احادیث پر مقدم ہوں گی، اور سوم درجہ کی احادیث اس شخص پر مقدم ہوں گی جو اگر تنہا کسی حدیث کو روایت کرے تو وہ حسن سمجھی جاتی ہو جیسا کہ حدیث "محمد بن اسحق عن عاصم بن عمر عن جابر" اور حدیث "عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده"۔

اس مقام پر نہایت احتیاط سے کام لینا ہے، اس لئے کہ اصح الاسانید ہر ایک کے نزدیک علیحدہ علیحدہ ہیں اس میں اختلاف ممکن ہے نیز کسی ایک پر اصح الاسانید کا حکم نہیں لگانا چاہیئے علامہ نوویؒ تقریب میں لکھتے ہیں۔ والمختار انہ لایجزم فی اسناد انہ اصح الاسانید مطلقاً۔

ترجمہ ......اور مختار یہ ہے کہ مطلقا کسی سند کے بارے میں یقین سے نہ کہا جائے کہ اصح الاسانید ہے۔ (تقریب مع التدریب ص ۳۴ ج ۱)

نیز سند کی ترجیح اور اصح ہونے میں بھی مجتہدین اور محدثین کا اختلاف ہوتا رہتا ہے اس مقام پر نہایت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرتاج المحدثین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کا امام اوزاعیؒ سے جو مناظرہ ہوا تھا اس کو نقل کر دیا جائے۔

واقعہ:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ دار الحناطین گندم کی منڈی میں جمع ہوئے امام اوزاعی نے امام صاحب سے کہا تم نماز میں رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا اس لئے کہ اس بارے میں نبی اقدس ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا کیسے صحیح حدیث منقول نہیں حالانکہ مجھے زہری نے سالم سے انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے بیان کیا کہ نبی اقدس ﷺ شروع نماز میں اور رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا بیان کیا مجھے حماد نے ابراہیم سے وہ علقمہ اور اسود سے وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں پھر نہیں کرتے تھے، امام اوزاعی نے فرمایا میں آپ کو ایسی حدیث بیان کر رہا ہوں جو میں نے زہریؒ سے انہوں نے سالم سے انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنی اور آپ مجھے اس کے مقابلے میں وہ حدیث سنا رہے ہیں جسے حماد ابراہیم نخعی سے

نقل کر رہے ہیں، امام اوزاعیؒ کا مقصد یہ تھا کہ میری سند عالی اور اصح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں لکھا ہے کہ بعض نے زہری عن سالم عن ابیہ کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا حماد بن ابی سلیمانؒ زہریؒ سے افقہ تھے اور ابراہیم نخعیؒ سالم سے افقہ تھے اور علقمہؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فقاہت میں کم نہ تھے۔ اگرچہ ابن عمرؓ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے، لیکن اسود کو بھی بہت فضیلت ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ تھے اس پر امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

(مسند امام اعظمؒ ص ۵۰، مناقب موفق مکی ص ۱۳۱ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک اصح الاسانید کا معیار اور ہے اور ترجیح کا معیار اور ہے۔ حافظ صاحب نے جو لکھا ہے کہ جس کو اصح الاسانید کہا گیا ہو وہ دوسروں پر مقدم ہو گی ایسا بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ نے جن روایات پر عمل کیا تھا وہ ان کے نزدیک اصح الاسانید تھیں دوسروں کا معیار وہ قبول نہ کریں تو وہ امام اعظمؒ ہیں انہیں یہ حق حاصل ہے وہ افقہ الفقہاء ہیں خود حافظ ابن حجر جن کے مقلد ہیں یعنی امام شافعیؒ وہ امام صاحبؒ کی مدح میں رطب اللسان ہیں اور فرماتے ہیں لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں۔

لہذا امام صاحبؒ کا معیار ہی ہم مقلدین کے نزدیک بلند ہے، پھر امام صاحبؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ علقمہؒ فقاہت میں حضرت ابن عمرؓ سے کم نہ تھے اگرچہ ابن عمرؓ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے، اور یہ بات فرمانے کا امام صاحب حق رکھتے ہیں کیونکہ ایک فقیہ دوسرے فقیہ کو بخوبی جانتا ہے اور امام صاحب تو سید الفقہاء ہیں اور ویسے بھی یہ ممکن ہے کہ غیر صحابی صحابی سے زیادہ فقیہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بدری صحابی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں **کنت انا اصغر القوم** میں قوم میں سے سب سے چھوٹا تھا۔ (بخاری ص ۱۷) حضرت ابن مسعودؓ یقیناً عمر میں حضرت ابن عمرؓ سے بہت بڑے ہیں، اور بڑے صحابہ کو پہلی صف میں کھڑا ہونے کا حکم خود نبی اقدس ﷺ نے دیا، تو وہ نماز کے طریقہ سے زیادہ واقف ہوں گے بہ

نسبت حضرت ابن عمرؓ کے۔ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا چار صحابہ سے قرآن پڑھوان میں سے پہلے نمبر پر ابن مسعودؓ کا نام لیا۔ (بخاری ص ۵۳۴)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلہ میں جس کا نام سب سے پہلے لیا جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جو حدیث تمہیں عبداللہ بن مسعودؓ بیان کریں اسے مضبوطی سے پکڑلو۔ (ترمذی ص ۳۹ ج ۲)

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو اپنا جانشین بناتا تو ان (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا۔ (ابن ماجہ ص ۵)

نبی اقدس ﷺ نے فرمایا میری امت کا فقیہ ابن مسعودؓ ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

لہذا امام صاحب کا ابن مسعودؓ کو مقدم کرنا بجا تھا۔

12: وہ حسن حدیث جس کو حفاظ کی ایک تعداد نے صحیح کہا ہو اور اسے صحیح کے مراتب میں سے ادنی مرتبہ پر کہا ہو اس حدیث پر مقدم ہوگی جس کو کسی ایک نے بھی صحیح نہ کہا ہو۔ اور وہ حدیث جس کی کسی نہ کسی نے تصحیح کی ہو نہ تضعیف یہ اس حسن پر مقدم ہوگی جس کی بعض نے تضعیف کی ہوگی ۔امام ترمذیؒ اپنی ترمذی میں کبھی کبھی ایک ہی حدیث کے بارے میں فرمادیتے ہیں حسن صحیح ۔گذشتہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن اور صحیح میں فرق ہے تو ایک حدیث حسن بھی اور صحیح بھی ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ نیز کبھی کبھی فرماتے ہیں حسن غریب حالانکہ حسن کے لئے تو تعدد طرق شرط ہے اور غریب اس کے برعکس ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی حدیث حسن بھی ہو اور غریب بھی ہو حافظ ابن حجرؒ اسکا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فان قیل قد صرح الترمذی بان شرط الحسن ان یروی

من غیر وجه فکیف یقول فی بعض الاحادیث حسن غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه فالجواب ان الترمذی لم یعرف الحسن مطلقا وانما عرف بنوع خاص منه وقع فی کتابه وهو ما یقول فیه حسن من غیر صفة اخری و ذلک انه یقول فی بعض الاحادیث حسن وفی بعضها صحیح وفی بعضها غریب وفی بعضها حسن صحیح وفی بعضها حسن غریب وفی بعضها صحیح غریب وفی بعضها حسن صحیح غریب و تعریفه انما وقع علی الاول فقط و عبارته ترشد الی ذلک حیث قال فی اواخر کتابه وما قلنا فی کتابنا حدیث حسن فانما اردنا به حسن اسناده عندنا وکل حدیث یروی ولا یکون راویه متهماً بالکذب و یروی من غیر وجه نحو ذلک ولا یکون شاذا فهو عندنا حدیث حسن" فعرف بهذا انه انما عرف الذی یقول فیه حسن فقط اما ما یقول فیه حسن صحیح او حسن غریب او حسن صحیح غریب فلم یعرج علی تعریفه کما لم یعرج علی تعریف ما یقول فیه صحیح فقط اوغریب فقط فکانه ترک ذلک استغناء بشهرته عند اهل الفن واقتصر علی تعریف ما یقول فیه فی کتابه حسن فقط اما لغموضه واما لانه اصطلاح جدید ولذلک قیده بقوله "عندنا" ولم ینسبه الی اهل الحدیث کما فعل الخطابی و بهذا التقریر یندفع کثیر من الایرادات التی طال البحث فیها ولم یسفر وجه توجیهها فلله الحمد علی ما الهم وعلم

ترجمہ...... پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذی نے یہ تصریح کی ہے کہ حسن کی شرط یہ ہے کہ اس کی روایت متعدد طرق سے ہو تو وہ بعض احادیث میں کس طرح کہہ دیتے ہیں **"حسن غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه"**. تو جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے مطلقاً حسن کی یہ تعریف نہیں کی ہے یہ تعریف خاص حسن کی ہے، جو ان کی کتاب میں واقع ہے، وہ اس کے بارے میں صرف حسن کا اطلاق کرتے ہیں بغیر کسی دوسری صفت کے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کسی حدیث کے بارے میں حسن کہتے ہیں اور کسی کے بارے میں "صحیح" اور کسی کے متعلق غریب اور کسی کے بارے میں حسن غریب اور کسی کے بارے میں "صحیح غریب" اور کسی کے بارے میں حسن صحیح غریب کہہ دیتے ہیں اور تعریف صرف اول کی واقع ہے، اور اس کی عبارت اس کی نشاندہی کر رہی ہے، جو انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں کہا ہے کہ وہ جو ہم نے اپنی کتاب میں حسن کہا ہے تو ہم نے اس سے مراد لیا ہے سند کا حسن ہونا ہمارے نزدیک ہر وہ حدیث جو روایت کی جائے اور اس کا راوی کذب سے متہم نہ ہو اور شاذ نہ ہو، یہی میرے نزدیک حسن ہے۔ بس اسی سے معلوم ہو گیا کہ انہوں نے تعریف اس کی کی ہے جہاں وہ صرف وہ حسن کہتے ہیں، اور جس حدیث کے بارے میں وہ حسن صحیح یا حسن غریب یا حسن صحیح غریب کہتے ہیں اس کی تعریف انہوں نے ذکر نہیں کی جیسا کہ اس کی تعریف ذکر نہیں کی جس کے بارے میں صرف صحیح یا صرف غریب کہتے ہیں، تو گویا اہل فن کے نزدیک مشہور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ سمجھی اور اپنی تعریف میں صرف حسن کی تعریف پر اکتفا کیا یا تو غامض ہونے کی وجہ سے یا ایک نئی اصطلاح کی وجہ سے اسی وجہ سے تو عندنا کی قید کے ساتھ مقید کیا اور کسی ارباب حدیث کی جانب اس کی نسبت نہیں کی، جیسا کہ خطابی

نے کی ہے۔اس جواب سے بہت سے شبہات دور ہو جائیں گے جن کی بحث طویل ہے۔اوران کی کوئی خاص توجیہ بھی ظاہر نہیں ہوتی۔پس خدا ہی کی تعریف ہے کہ انہوں نے الہام کیا اور سکھلایا۔

امام ترمذیؒ کے قول "هذا حديث حسن غريب" کی وضاحت اگر اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذیؒ نے تصریح کی ہے کہ حسن کی یہ شرط کہ اس کی سندیں کئی ہوں پھر بعض احادیث کے متعلق امام ترمذیؒ کا یہ کہنا حسن غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه کیسے صحیح ہوگا اس لئے کہ غریب تو وہ ہوتی ہے جس کی ایک ہی سند ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ ترمذی نے حسن کی تعریف میں جو لکھا ہے کہ وہ متعدد طرق سے مروی ہو یہ تعریف مطلق حسن کی نہیں بلکہ اس کی ایک قسم کی ہے، کہ جو صرف حسن ذکر کیے بغیر کسی اور صفت کے ان کی کتاب میں موجود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بعض احادیث کو وہ صرف حسن اور بعض کو صرف صحیح اور بعض کو صرف غریب اور بعض کو حسن صحیح اور بعض کو حسن غریب اور بعض کو صحیح غریب اور بعض کو حسن صحیح غریب لکھتے ہیں مگر جو تعریف انہوں نے لکھی ہے وہ صرف حسن قسم اول ہی کی ہے چنانچہ اواخر کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے جس حدیث کو حسن لکھا ہے اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کی سند ہمارے نزدیک حسن ہو اور حسن سند وہ ہے جس کے راوی کذب سے متہم نہ ہوں اور وہ شاذ بھی نہ ہو اور اس کی روایت متعدد طرق سے ثابت ہو۔

اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تعریف مذکور صرف حسن ہی کی ہے اور صرف اسی کی اس لئے تعریف کی گئی کہ یہ مخفی ایک جدید اصطلاح تھی، چونکہ یہ ایک جدید اصطلاح تھی اس لئے تعریف مذکور میں لفظ عندنا کی قید لگائی گئی اور دوسرے محدثین کی جانب ان کا انتساب نہیں کیا گیا، جس طرح علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا ہے بخلاف اور اقسام کے کہ

ان کی تعریف چونکہ معروف تھی، اس لئے ان کو بیان نہیں کیا گیا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ حسن غریب جو حسن ہے اس کے لئے چونکہ ترمذی کے نزدیک تعدد طرق شرط نہیں اس لئے کہ وہ غریب کے ساتھ متصف ہوسکتی ہیں، بنا براس تقریر کے بہت شبہات جن کی کوئی ٹھیک توجیہ نہیں ہوسکتی تھی مندفع ہوگئے۔ فللہ الحمد

13: مواعظ، قصص اور فضائل اعمال کی احادیث میں علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساھل جائز ہے یعنی اس کے ضعف کو بیان کئے بغیر روایت کرنا جائز ہے البتہ صفات باری تعالیٰ اور حلال وحرام کی احادیث میں جائز نہیں ہے۔

شیخ الاسلام محقق علی الاطلاق علامہ ابن الھمامؒ لکھتے ہیں

الضعیف غیر الموضوع یعمل به فی فضائل الاعمال.

ترجمہ ......ضعیف جو کہ موضوع نہ ہو فضائل اعمال میں اس پر عمل کرلیا جاتا ہے۔ **(فتح القدیر لابن الھمام ص ۳۰۳ ج ۱)**

ابن تیمیہؒ باوجود اپنی تشدد پسندانہ طبیعت کے امام احمدؒ کا قول نقل کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں

قول احمد بن حنبل اذا جاء الحلال والحرام شددنا فی الاسانید و اذا جاء الترغیب والترھیب تساھلنا فی الاسانید، و کذالک ما علیه العلماء من العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال.

ترجمہ ......امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ جب حلال وحرام کی بات آئے گی تو ہم اسانید کی جانچ پرکھ میں سختی سے کام لیں گے، جب ترغیب وترھیب کی بات آئے گی تو ہم اسانید میں تساہل برتیں گے اسی طرح وہ ہے جس پر علماء ہیں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے۔ (الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ ص ۶۵ ج ۱۸)

محقق ابن ہمامؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

ولوضعف فالمقام یکفی فیہ مثلہ۔ اور اگر ضعیف بھی ہو تو یہ مقام ایسا ہے جس میں اس کی مثل یعنی ضعیف کافی ہے۔ (فتح القدیر ص ۳۱۸ ج ۱)

امام نوویؒ شارح مسلم لکھتے ہیں

الرابع انهم قد يروون عنهم احاديث الترغيب والترهيب و فضائل الاعمال و القصص و احاديث الزهدو مكارم الاخلاق و نحو ذالک مما لا يتعلق بالحلال والحرام و سائر الاحكام و هذا الضرب من الحديث يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فيه.

ترجمہ ...... چوتھی بات یہ ہے کہ محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب و ترہیب، فضائل اعمال وقصص واحادیث زہد ومکارم اخلاق اور ان جیسے موضوعات پر احادیث روایت کرتے ہیں جن کا تعلق حلال وحرام اور احکام کے ساتھ نہ ہو اور حدیث کی اس قسم سے محدثین کے نزدیک روایت میں تساہل جائز ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

(شرح مسلم نووی ص ۲۱ ج ۱)

امام نوویؒ لکھتے ہیں

و يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فى الاسانيد و رواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه من غير صفات الله تعالىٰ والاحكام كالحلال والحرام و مما لا تعلق له بالعقائد والاحكام.

ترجمہ ...... محدثین وغیرہم کے نزدیک اسانید میں تساہل اور ضعیف جو

موضوع نہ ہو اس کو روایت کرنا اور اس پر عمل کرنا بغیر اس کے ضعف کو بیان کئے جائز ہے ہاں اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام مثلاً حلال وحرام اور وہ چیزیں جن کا تعلق عقائد اور احکام سے ہو ان میں جائز نہیں ہے۔ (تقریب ص ۱۶۲ ج ۱)

علامہ سیوطیؒ اسی کے تحت لکھتے ہیں

کالقصص و فضائل الاعمال و المواعظ وغیرھا.

ترجمہ...... جیسے قصص اور فضائل اعمال اور مواعظ وغیرہ۔

آگے لکھتے ہیں،

ومن نقل عنہ ذالک ابن حنبل و ابن مھدی و ابن مبارک قالوا اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا.

ترجمہ ......اور جن سے یہ بات نقل کی گئی ہے وہ امام احمد بن حنبلؒ ابن مھدی اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ہیں انہوں نے فرمایا جب ہم حلال وحرام میں روایت کریں گے تو سخت جانچ پرکھ کریں گے اور جب ہم فضائل میں روایت لیں گے تو تساہل سے کام لیں گے۔

(تدریب الراوی ص ۱۶۲ ج ۱)

سلطا ن المحدثین ملا علی قاریؒ لکھتے ھیں "قال ابن حجرو احمد لکن فی اسنا دہ من ضعف ومع ذلک ھو حجۃ فیما نحن فیہ لا نہ من الفضائل (مرقاۃ ص247)

ترجمہ: کہا ابن حجرؒ اور احمدؒ نے اسکی سند میں ضعف ہے اس کے باوجود یہ اس مسئلہ میں جس میں ہم ہیں حجت ہے اس لئے کہ اسکا تعلق فضائل سے ہے۔

البتہ موضوع روایت کو اسکی حالت بیان کئے بغیر روایت کرنا جائز نہیں خواہ فضائل اعمال ہی

میں کیوں نہ ہو۔

14: **مسند**۔ وہ ہے جس کی سند نبی اقدس ﷺ تک متصل ہو۔ (ق ۳۸)

15: **متصل**۔ وہ ہے جس کی سند متصل ہو خواہ وہ مرفوع ہو یا موقوف اور اسکی مثل (ق ۳۸)

16: **مرفوع**۔ وہ حدیث ہے جو نبی اقدس ﷺ کی طرف منسوب ہو خواہ قول، فعل ہو یا تقریر عام ہے کہ متصل ہو یا منقطع۔ (ق ۳۸)

17: **معنعن**۔ وہ ہے جس کی سند میں فلاں عن فلاں ہو اور صحیح یہ ہے کہ جب دونوں کی آپس میں

ملاقات ممکن ہو اور تدلیس بھی نہ ہو تو یہ متصل کے حکم میں ہو گی اور ایسی روایات صحیحین میں درج ہیں (ق ۳۸)

18: **معلق**۔ وہ ہے جس کی سند کی ابتدا سے ایک یا کئی راوی گرے ہوئے ہوں اور بخاری نے اپنی صحیح میں اس نوع کی کثیر احادیث نقل کی ہیں جب جزم کے صیغے سے وہ بیان کریں تو وہ صحیح ہوں گی جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (ق ۳۹)

19: **منقطع**۔ وہ ہے جس کی سند کے درمیان سے راوی گرا ہوا ہو۔ (ق ۳۹)

20: **مرسل**۔ وہ ہے جس کی سند کے آخر سے راوری حذف ہو اور وہ تابعی کا قول قال رسول اللہ کذا یا فعل رسول اللہ کذا اور کبھی ارسال کا اطلاق مطلق حذف پر بھی کر دیا جاتا ہے خواہ جس مقام میں بھی ہو۔ (ق ۳۹)

21: **مدرج**۔ وہ ہے کہ حدیث میں راویوں میں کسی کا کلام درج ہو گیا ہو اور یہ سمجھا جا رہا ہو کہ یہ بھی حدیث کا حصہ ہے یا دو متن دو سندوں سے ہوں مگر ان کو ایک سند سے نقل کرے

یا ایک حدیث کو ایک جماعت سے سنا ہو اور اس جماعت نے اس کی سند یا متن میں اختلاف کیا ہو اور وہ ان کی روایت کو اتفاقی بنا کر نقل کر دے اور اختلاف کو ذکر نہ کرے ان تینوں صورتوں کو جان بوجھ کر کرنا حرام ہے۔ (ق ۳۹)

22: مسلسل ۔ وہ ہے جس میں راوی رسول ﷺ روایت کو نقل کرنے میں ایک ہی حالت پر ہوں یا تو یہ تسلسل کبھی راوی میں قول کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً ہر راوی سمعت فلانا یقول سمعت فلاں کہتا ہے یوں آخر تک سلسلہ چلتا ہے یا تسلسل صیغہ تحدیث یا صیغہ اخبار کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً ہر راوی کہتا ہے اخبرنا فلاں یا اس کی مثل یا تسلسل فعل کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے ہاتھ کو ہاتھ میں ڈالنے کا تسلسل کہ ہر راوی دوسرے کو حدیث سناتے وقت ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں ڈالتا ہے یا قولا اور فعلا دونوں طرح ہوتا ہے جیسا کہ ابوداؤد، احمد، نسائی کی روایت میں ہے کہ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں تجھ سے محبت کرتا ہوں پس تو یہ کہہ ''اے اللہ میری مدد فرما اپنے ذکر اپنے شکر اپنی اچھی عبادت پر اور پھر ہر راوی جس کو روایت بیان کر رہا ہو اس کو اسی طرح کہے اور اس کو کہے ''قل اور یا تسلسل صفات کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے فقہا یا خلفاء کی مسلسل روایت اور اسکی مثل۔

23: مصحف ۔ وہ روایت ہے نقطوں میں تغیر واقع ہو جائے خواہ یہ سند میں ہو یا متن میں۔

تصحیف فی السند کی مثال جیسے عوام بن مراجم را اور جیم کے ساتھ ابن معین نے اس کو تبدیل کر کے یوں پڑھ دیا مزاحم زاء اور حاء کے ساتھ اور متن کی مثال جیسے حدیث میں ہے من صام ستا من شوال صولی محدث نے اس میں تصحیف کی اور ستاً کو شیئاً پڑھ دیا۔ (ق ۴۰)

24: محرف ۔ وہ ہے جس میں حروف کو باقی رہنے کے باوجود شکل تبدیل ہو جائے اسکی مثال جیسے حفص کو جعفر کر دیا۔ (ق ۴۰)

علامہ عسکریؒ کی اس کے متعلق تصنیف ہے جس کا نام ہے ''تصحیفات المحد ثین'' اور امام دار قطنیؒ نے بھی اس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔

25: موقوف ۔وہ ہے کہ صحابی کا قول یا فعل مروی ہو خواہ سند متصل ہو یا منقطع ہو اور کبھی اسکا اطلاق غیر صحابی کی روایت پر بھی کر دیا جاتا ہے اس صورت میں اس کو مقید ذکر کیا جائے گا مثلاً کہا جائے گا معمر نے اس کو ہمام پر موقوف کیا ہے اور مالک نے اس کو نافع پر موقوف کیا ہے ۔(ق ۴۱)

26: مقطوع ۔وہ ہے جس میں تابعین کے اقوال و افعال کا ذکر ہو ان پر موقوف ہونے کے اعتبار سے۔(ق ۴۱)

27: معضل ۔وہ ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی پے در پے گرے ہوئے ہوں جیسے مالکؒ کا قول قال رسول اللہ ﷺ اور شافعیؒ کا قول قال ابن عمر کذا۔(ق ۴۱)

28: مدلس ۔وہ ہے جس کی سند میں مخفی گرا ہوا ہو بایں طور کہ راوی اس سے روایت کر رہا ہوں جس سے اس کی ملاقات ہو چکی ہو اور اس کا ہم زمانہ ہو ایسی حدیث اس سے روایت کرے جو اس سے سنی نہ ہو اور الفاظ سے یہ وہم پیدا ہو رہا ہو کہ اس نے یہ روایت اس سے سنی ہے جیسے راوی کہے فلاں عن فلاں یہ تو سند میں تدلیس ہے اور کبھی اساتذہ میں بھی تدلیس کی جاتی ہے مثلاً شیخ کا وہ نام یا وہ کنیت یا وہ نسبت یا وہ وصف ذکر کرے جس کے ساتھ وہ مشہور نہ ہو ۔اور تدلیس کی اقسام میں سے سب سے خطرناک قسم تدلیس تسویہ ہے اور وہ یہ ہے کہ شیخ کو تو ساقط نہ کرئے بلکہ اس کے غیر یعنی شیخ کے شیخ یا اس سے اوپر کے کسی شیخ کو ساقط کر دے اس کے ضعیف یا جھوٹا ہونے کی وجہ سے اور اس کا شیخ ثقہ ہو اور (مقام تدلیس میں) ایسا لفظ استعمال کرئے جو سماع کا احتمال رکھتے ہیں۔یہ کام اس لئے کرے تا کہ دوسرئے ثقہ سے حدیث درست ہو جائے ۔(ق ۴۲)

29: مرسل خفی ۔وہ روایت ہے جسے معاصر ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی ملاقات ہوئی یا نہیں بلکہ اس کے درمیان اور اس کے درمیان واسطہ ہو اور وہ روایت بھی ایسے الفاظ سے کرے جو سماع کا احتمال رکھتے ہوں مدلس اور مرسل خفی کے درمیان فرق یہ ہے کہ مدلس اس سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی ملاقات معروف ہو اور روایت کو نہ سنا ہو اور اگر صرف معاصر ہو اور ملاقات معروف نہ ہو تو مرسل خفی ہے ۔(ق۴۲)

30: شاذ ۔وہ ہے جو ثقہ یا سچا راوی اس کو روایت کرے اور وہ اپنے سے زیادہ قوی کی مخالفت کرے خواہ وہ غیر حافظہ میں اس سے زیادہ ہو یا ان کی تعداد کثیر ہو یا ان کے علاوہ کوئی مرجح ہو اور مخالفت بھی ایسی ہو جو ارجح کی روایت کی مخالفت کو مستلزم ہو۔اس کے مقابل کی روایت کو محفوظ کہیں گے۔(ق۴۲)

31: محفوظ ۔وہ ہے جس کو ارجح ادنی کی مخالفت کرتے ہوئے نقل کرے یعنی شاذ کے مقابل جو روایت ہوگی وہ محفوظ ہوگی۔(ق۴۲)

32: منکر ۔وہ روایت ہے جسے ضعیف ثقہ کی مخالفت کرتے ہوئے نقل کرے اس کے مقابل روایت کو معروف کہتے ہیں۔(ق۴۲)

33: معروف ۔وہ ہے کہ مقبول ضعیف کے مقابلہ میں اس کو نقل کرے۔(ق۴۲)

34: موضوع ۔وہ ہے جو جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹی روایت گھڑی گئی ہو اور یہ ضعیف کی شریر ترین اور قبیح ترین قسم ہے۔برابر ہے کہ اس کا موضوع ہونا واضع کے اقرار سے معلوم ہو یا راوی کے حال سے کوئی قرینہ ایسا مل جائے جس سے اس کا موضوع ہونا معلوم ہو جائے۔

جیسے بعض امراء کی خواہشات کی اتباع میں جھوٹ گھڑنا۔ یا اس کی سند میں واقع ہو یا راوی کے نام کے ساتھ کہ یہ کذاب ہے اور وہ حدیث اس راوی کے علاوہ کوئی اور نقل بھی نہ کر رہا ہو اور نہ اسکا کوئی متابع موجود ہو اور نہ شاہد یا روایت کے حال سے معلوم ہو جائے مثلاً اس کے الفاظ انتہائی گھٹیا ہوں یا معانی یا قرآن کریم کے کسی حصہ کے وہ مخالف ہوں یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا صریح عقل کے خلاف ہوں۔ پھر عام ہے کہ واضع نے ان الفاظ کو خود تراشا ہو یا غیر کی کلام سے لیا ہو یا حدیث کی سند ضعیف تھی اس نے ضعیف سند کو اتار کر صحیح سند چڑھا دی تا کہ وہ پھیل جائے۔ برابر ہے کہ اس نے یہ کام گمراہ کرنے کے لئے کیا ہو یا احتساباً یا تعصب کی وجہ سے یا جدت پیدا کرنے کے لئے یا بعض امیر لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے یا وضع وھم اور غلطی کی وجہ سے ہو گیا ہو۔ (ق ۴۳)

موضوع احادیث کے بارے میں اہم کتابیں:

علمائے اسلام نے اس میدان میں بھی امت مسلمہ کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ مکمل رہنمائی کی ہے اور موضوع روایات کی نشاندھی میں پوری محنت کی ہے۔ بعض محدثین نے اس بارے میں مستقل کتب بھی تصنیف کی ہیں۔

تذکرۃ الموضوعات لابن مقدسیؒ:

سب سے پہلے اس موضوع پر ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسیؒ المعروف بابن القیسر وانی ۵۰۷ھ نے کتاب لکھی۔ یہ کتاب نور محمد کتب خانہ کراچی میں الموضوعات الکبیر کے ساتھ شائع کر دی ہے۔

موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ):

مقدسی کے بعد اس میدان میں اولیت کا شرف علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ۵۹۷ھ کو حاصل ہے چونکہ آپکی اس فن میں یہ پہلی محنت تھی اس لئے بعض فرو

گزاشتیں ہوجانا یقینی ہے۔تاہم آپ نے اس بارے میں ایک بڑا علمی موادفراہم کیا ہے۔کہیں کہیں تشدد اور سختی بھی ہوگئی ہے کہ بعض غیر موضوع احادیث پر بھی وضع کا حکم لگا دیا اس کی اصلاح کے لئے امام سیوطیؒ ۹۱۱ھ نے تعقبات علی الموضوعات ابن الجوزی تحریر فرمائی۔حافظ ابن صلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن جوزیؒ کو موضوع قرار دینے میں بہت جلد باز ثابت ہوئے ہیں آپ نے بہت سے ضعیف حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا ہے حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔یہیں تک نہیں بلکہ کچھ حسن اور صحیح حدیثوں کو بھی آپ نے موضوعات میں شمار کرڈالا اور محدثین نے ان پر تعقبات لکھے۔

علامہ ابن الجوزیؒ کا تعارف:

ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی القرشی ۵۱۰ میں پیدا ہوئے۔۵۹۷ھ میں وفات ہوئی آپ زمانہ کے عجیب ترین لوگوں میں سے تھے۔علم تقوی کے اعتبار سے اپنے زمانے میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔حافظہ اور جلالت شان میں آپکی مثال ملنی مشکل تھی۔

ایک صد سے زائد آپکی تصانیف ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں

(1) المنتظم فی تاریخ الامم 20 جلد

(2) تہذیب السنن 20 جلد

(3) تلبیس ابلیس

(4) الوفاء فی فضائل المصطفی

(5) الموضوعات

الموضوعات پر علامہ سیوطیؒ نے تعاقب لکھا اور اسکا نام رکھا ’’النکت البدیعات فی الرد علی الموضوعات‘‘ اور پھر خود ہی اس کی تلخیص کی ’’اللآئی المصنوعہ فی الاخبار الموضوعہ‘‘ علامہ سیوطیؒ کی اس دوسری کتاب پر امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق نے رد لکھا ’’تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعة الموضوعة‘‘ کے نام سے لکھا

۔علامہ ابن جوزیؒ کتاب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں ’’احادیث کی کئی اقسام ہیں۔

(1) جس پر بخاری مسلم دونوں متفق ہوں

(2) جس کی تخریج میں بخاری مسلم منفرد ہوں جمہور اہل نقل کے نزدیک یہ حدیث درست ہوگی۔

(3) جس کی سند شیخین میں سے کسی ایک کی رائے پر درست ہو پس وہ روایت بھی شیخین کی روایت کے حکم میں سمجھی جائے گی جب تک کوئی علت مانعہ نہ آجائے اس قسم کا وجود بہت کم ہے ۔ابو حاکم نے اس پر ایک بڑی کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام رکھا ہے ’’المستدرک علی الصحیحین ‘‘اگرچہ بعض غلطیاں اس میں واقع ہوئی ہیں

(4) جس میں تھوڑا ضعف ہو یہ حسن ہے۔اس پر مسئلہ کی بنا کرنا اور عمل کرنا جائز ہے ۔امام احمد بن حنبلؒ ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم کرتے تھے۔

نوٹ: یہ مذہب امام اعظمؒ کا بھی ہے۔ بندہ نے جامع الاسرار شرح نورالانوار میں اس پر بحث کردی ہے

(5) جس میں شدید ضعف ہوتا ہے اس کے مراتب علماء کے نزدیک مختلف ہیں بعض تو انہیں حسن حدیث کے قریب کرتے ہیں ۔اور انہیں زیادہ ضعیف نہیں سمجھتے۔ بعض انہیں زیادہ ضعیف سمجھتے ہیں اور موضوعات کے ساتھ لاحق کردیتے ہیں۔

(6) جو یقینی طور پر موضوع ہیں کبھی وہ فی نفسھا موضوع ہوتی ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلام کسی اور کا ہوتا ہے اور بنا نبی اقدس ﷺ کا دیا جاتا ہے۔

پہلی چار قسموں کے بارے میں تو دل پر سکون ہے پانچویں قسم کے بارے میں میں نے کتاب لکھی ہے **العلل المتناهيه فى الاحاديث الواهيه**‘‘اور جو احادیث موضوع ہیں ان پر کتاب الموضوعات لکھی ہے یہ کتاب دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان سے تمام خوبیوں کے ساتھ شائع ہوچکی ہے جن کے ساتھ بیروت کی کتابیں مزین ہوتی ہیں۔

علامہ حسن صنعانی (لاہوری ۶۵۰ ھ) صاحب مشتاق الانوار نے بھی موضوعات پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو موضوعات صنعانی کے نام سے مشہور ہے۔ (یہ کتاب مصر سے ۱۳۰۶ھ میں بڑی تقطیع کے بارہ صفحات پر شائع ہوئی ہے) آپ نے ابن جوزیؒ کی کتاب سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی معلومات کا ایک ذخیرہ اکٹھا کیا ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اس فن میں چلنے کے لئے اس کتاب سے کافی سہارا لیا ہے آپ کی ۶۵۰ھ میں بغداد میں وفات ہوئی اور وصیت کے مطابق مکہ میں جا کر دفن کئے گئے۔ آپ کا ترجمہ الجواھر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ص201 ج1 النجوم الزاھرہ ص26 ج7، الفوائد البھیہ للکھنوی ص63 پر موجود ہے

4: موضوعات المصابیح: حضرت شیخ سراج الدین عمر بن علی القزوینی ۸۰۴ھ کی تصنیف ہے اور بہت نایاب ہے۔

5: اللآئی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ: یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تصنیف ہے۔

اس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے، آپ نے اس کے علاوہ کتاب الذیل اور کتاب الوجیز بھی اس باب میں تحریر فرمائی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

6: تذکرۃ الموضوعات:

یہ کتاب علامہ طاہر محمد فتنی کی ہے جو کہ لغت غریب الحدیث کی مشہور کتاب ''مجمع البحار'' کے مصنف ہیں۔ آپ لغت حدیث کے جلیل القدر امام تھے آپ کی اس کے علاوہ اس موضوع پر ایک اور کتاب بھی ''قانون الموضوعات'' ''تذکرۃ الموضوعات'' 310 صفحات پر مکتبہ مجیدیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔

7:الموضوعات الکبیر:

یہ سلطان المحدثین ملا علی قاریؒ کی کتاب ہے جو اس باب میں عظیم الشان کتاب ہے ۔اس کا نام ”الاسرار المرفوعه فی الاخبار الموضوعه “ ہے۔یہ کتاب نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی سے چھوٹی تقطیع میں 176 میں شائع ہوچکی ہے۔

8:الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ:

یہ علامہ شوکانی ۱۲۵۰ھ کی کتاب ہے انہوں نے بھی ابن جوزیؒ کی طرح وضع کا حکم لگانے میں تشدد سے کام لیا ہے، اور کئی حسن اور ضعیف احادیث کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے۔

9:الآثار المرفوعہ فی الاحادیث المصنوعہ:

یہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ ۱۳۰۷ھ کی کتاب ہے۔ادارہ احیاالسنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ سے شائع ہوچکی ہے۔یہ ایک غیر مقلدین کا ادارہ ہے جو بعض اوقات کتب میں تغیر و تبدل سے بھی گریز نہیں کرتا۔

10:المصنوع فی معرفۃ الموضوع:

یہ کتاب سلطان المحدثین ملا علی قاریؒ کی ہے اور موضوعات صغری کے نام سے مشہور ہے ۔اس کے قلمی نسخے مکتبہ رضا رامپور انڈیا میں موجود ہیں۔دیار عرب کے محدث اعظم امام المحققین الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ“ نے تحقیق و تعلیق کے ساتھ اسے حلب سے شائع کر کے چار چاند لگا دئے ہیں۔

11:المغنی عن الحفظ والکتاب:

یہ کتاب ضیاء الدین ابوحفص عمر بن بدر بن سعید الورانی الکردی الموصلی الحنفیؒ نے لکھی ہے جو اپنے وقت کے بلند پایہ محدث،فقیہ تھے۔آپ ۵۵۷ھ میں موصلی میں پیدا ہوئے۔اور ۶۲۲ھ میں دمشق میں وفات پائی۔آپ کی یہ کتاب ۱۳۲۴ھ میں مصر سے محدث جلیل الشیخ محمد الخضر حسین التونسی رحمہ اللہ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی۔اس پر بہت سے مواخذات بھی کئے گئے۔حافظ عراقی نے

التخریج الکبیر لاحیاء العلوم میں اور سخاوی نے فتح المغیث میں اس کی خبر لی ہے اسی طرح استاذ محدث حسام الدین القدسی نے ''انتقاد المغنی وبیان ان لاغناعن الحفظ والکتاب'' لکھی جو دمشق سے ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوئی اور یہ کتاب امام المحدثین الشیخ کوثریؒ کے حکم سے لکھی گئی اس کے شروع میں علامہ کوثریؒ کا مقدمہ بھی موجود ہے۔

12: المغیر علی الاحادیث الموضوعہ فی الجامع الصغیر:

یہ کتاب علامہ محدث ابوالفیض احمد بن الصدیق الغماریؒ کی ہے جس میں الجامع الصغیر للسیوطیؒ کی موضوع احادیث کی نشاندھی کی گئی ہے۔ نیز بیہقی کی تصانیف میں جو احادیث موضوعہ مذکور ہیں ان کی نشاندھی بھی کی ہے۔ بعض مقامات میں احناف اور مذاہب اربعہ پر بے جا غصہ نکالا ہے۔

غماری اس کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں۔

اما بعد فقد ذکر الحافظ السیوطیؒ فی خطبة کتابه ''الجامع الصغیر'' انه صانه عما تفرد به وضاع او کذاب ومعناه انه لم یذکر فیه حدیثاً موضوعاً بل جمیع احادیثه ثابتة، ولیس کذالک، فقداورد فیه احادیث تفرد بها الکذابون واخری ظاهرة الوضع وان لم یتفردوا بها لانها من روایة الکذابین امثالهم الذین یسرقون الاحادیث و یرکبّون لها اسانید اخری لقصد ترویج ذلک الحدیث الموضوع. لاغرض الاغراب' او الاحتجاج' او غیر ذلک من الاغراض ''

ترجمہ: امابعد حافظ سیوطیؒ نے اس کتاب جامع الصغیر کے خطبہ میں لکھا ہے کہ وہ اس سے بچے ہیں جو نقل کرنے میں وضاع یا کذاب راوی متفرد ہو معنی اسکا یہ ہے کہ انہوں نے کوئی موضوع روایت نقل نہیں کی بلکہ اس کی تمام احادیث ثابت ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے پس تحقیق انہوں نے اس میں بہت سی ایسی روایات نقل کی ہیں جن کو نقل کرنے میں کذاب راوی متفرد ہیں

اور بہت ساری ظاہراً موضوع ہیں اگرچہ وہ متفرد نہ بھی ہوں اس لئے کہ وہ کذاب لوگوں کی روایات ہیں جو احادیث کو چوری کرتے ہیں پھر دوسری سند میں ان پر لگا دیتے ہیں تاکہ وہ موضوع حدیث پھیل جائیں، غرابت یا استدلال کو پیدا کرنیکی کی غرض سے۔

محدثین نے مشہور کتب میں موضوعات کی تعداد شمار کی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں لکھا ہے "وہ احادیث جن کو ابن الجوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور ان کو موضوعات میں درج کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ان کی تعداد تین صد ہے جن کی ترتیب یہ ہے"۔

صحیح بخاری	1
صحیح مسلم	1
مسند احمد	38
سنن ابی داود	9
جامع ترمذی	30
سنن النسائی	10
سنن ابن ماجہ	30
مستدرک حاکم	60

کتب ستہ مسند احمد اور مستدرک ان تمام میں کل تعداد 130 ہے اس کے علاوہ امام بیہقی کے مولفات سنن شعب الایمان، البعث، دلائل النبوۃ وغیرہ اور صحیح ابن خزیمہ، التوحید لابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند دارمی، تاریخ بخاری، خلق افعال العباد للبخاری، جزالقراۃ للبخاری، سنن دارقطنی میں بھی بہت سی احادیث موضوع ہیں۔

35: متروک۔ وہ روایت ہے جسکے راوی پر نبی اقدس ﷺ پر جھوٹ بولنے کا الزام ہو۔ اور اس کی حدیث قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف ہو اور صرف اسی کی سند سے مروی ہو یا اسکا

خاص کر لوگوں کے کلام میں جھوٹ بولنا معروف ہو۔ یہ صورت پہلی کی نسبت کم ہے۔

36: **معلل** ۔ وہ ہے جس میں کسی علت پر اطلاع ہو جائے علت اس دقیق پوشیدہ سبب کو کہتے ہیں جو حدیث میں نقصان کا سبب بنتا ہے جبکہ حدیث کا ظاہر اس سے محفوظ ہوتا ہے اور یہ علت کبھی تو راوی کے متفرد ہونے اور غیر کے مخالف ہونے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ یا ایسے قرائن کی وجہ سے جو اس علم کے ماہر کو موصول حدیث کے مرسل یا مرفوع کے موقوف ہونے یا حدیث کے دوسروں حدیث میں داخل ہو یا واہمی کے وھم وغیرہ پر مطلع کر دیتا ہے بایں طور کہ اس ظن پر غالب آجاتا ہے اور وہ حدیث کی عدم صحت کا حکم لگا دیتا ہے یا متردد ہو جاتا ہے تو اس میں توقف کر لیتا ہے۔

یہ قسم علوم حدیث کی اقسام میں سب سے اہم اور دقیق ہے۔ اس پر اہل حفظ، اہل خبر اور فہم ثاقب والا آدمی ہی دسترس حاصل کر سکتا ہے کبھی علت سند میں واقع ہوتی ہے اور یہ اکثر ہوتا ہے اور کبھی متن میں۔

کبھی ایسی علت جو سند میں واقع ہوتی ہے وہ سند اور متن دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے کبھی صرف سند میں نقصان کا باعث بنتی ہے اور متن مرفوع اور صحیح رہتا ہے۔

37: **مضطرب** ۔ وہ حدیث ہے جو مختلف مساسوی وجوہ پر نقل کی جائے عام ہے کہ ایک راوی دو دفعہ یا دو سے زیادہ دفعہ اسے مختلف طرح سے نقل کرے یا دو راوی یا کئی راوی ایسے کرنے والے ہوں اور کسی ایک وجہ کا کوئی مرجح بھی موجود نہ ہو۔ اگر ان دو روایتوں یا کئی روایتوں میں سے ایک وجہ کی ترجیح ثابت ہو جائے خواہ اسکے راوی کی یادداشت کی وجہ سے یا وجوہ ترجیح میں سے کسی اور وجہ پس حکم راجح کے لئے ہوگا اور حدیث مضطرب نہیں رہے گی اور مرجوح کو شاذ اور منکر کہا جائے گا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کبھی اضطراب سند میں واقع ہوتا ہے اور کبھی متن میں اور کبھی دونوں میں۔

38:**مقلوب**۔جن میں وھم کی وجہ سے تقدیم وتاخیر ہو جائے یا تغیر وتبدل ہو جائے۔یا یہ سند میں ہوتا ہے راوی کا نام اس کے باپ کا نام بنانے کی وجہ سے یا اس کے باپ کے نام کو اس کا نام بنانے کی وجہ سے جیسے مرہ بن کعب اور کعب بن مرہ، اور یہ اکثر ہوتا ہے۔یا حدیث جس راوی کے طبقہ کے کسی دوسرے راوی کے ساتھ تبدیل کر دینے سے جیسے حدیث مشہور تو سالم سے ہو اور بنا نافع سے دی جائے۔اگر ایسا وہم کی وجہ سے نہ ہو بلکہ غرابت کو پیدا کرنے کی غرض سے قصداً ایسا کیا جائے تو یہ موضوع کی مثل ہوگی۔یا تغیر وتبدل متن میں ہوگا جیسے مسلم میں حدیث ابو ہریرہؓ ہے اور اس میں اس طرح ہے **رجل تصدق بصدقة اخفاها حتى لا تعلم يمينه ما تنفق شماله** راوی پر منقلب ہو گئی اصل میں **لا تعلم شماله ما تنفق يمنه تها** اور کبھی ایک متن کی سند کو دوسرے متن پر لگا دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس۔اس سے اگر تو اغراب مقصد ہو تو یہ موضوع کی طرح ہوگی اور کبھی ایسا کسی محدث کے امتحان کے لئے بھی کیا جاتا ہے یا اس کے تلقین کو قبول کرنے کے لئے بھی کیا جاتا ہے اور محدثین اس طرح کر لیتے تھے۔اھل بغداد نے امام بخاریؒ پر ایک صد احادیث اس طرح پیش کی تھی امتحان کی غرض سے، پس آپؒ نے ان کو ان کی صحیح اسناد کی طرف لوٹا دیا تو وہ آپ کی فضیلت کے قائل ہو گئے۔

39:**المزید فی متصل الاسانید**۔یہ ہے کہ سند کے اندر کوئی راوی زائد کر دیا جائے اور جو زیادہ نہ کرے وہ کرنے والے سے قابل اعتماد ہو اور اس کی شرط یہ ہے کہ جس مقام پر زیادتی نہیں کی اس مقام پر سماع کی تصریح ہو۔وگرنہ زیادتی کو ترجیح ہوگی۔اور وہ خبر جس میں زیادتی نہیں ہے تدلیس کی ہوئی یا منقطع یا مرسل خفی ہوگی۔

40 :**مہمل**۔جس کو راوی دو ایسے آدمیوں میں سے ایک سے روایت کرے جو نام میں فقط متفق ہوں کنیت میں نہ یا دونوں میں متفق ہوں یا نام اور باپ کے نام میں متفق ہوں یا ان دونوں میں متفق ہونے کے ساتھ ساتھ دادا کے نام میں بھی متفق ہوں یا ان سب میں متفق ہونے

کے ساتھ نسبت میں بھی متفق ہوں۔اور صرف اتفاقی چیز ذکر کر کے ایک کو دوسرے سے ممتاز نہ کرے۔اس صورت میں اہمال کو دور کرنے کیلئے قرائن اور ظن غالب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔مثلاً راوی کا ان میں سے ایک سے روایت کرنے میں اختصاص ہے کہ وہ صرف اسی سے روایت کرتا ہے دوسرے سے نہیں کرتا۔اور اگر تعین واضح نہیں تو اگر دونوں راوی ثقہ ہوں تو اہمال (نقصان) نہیں دے گا اور اگر ثقہ نہیں تب نقصان دے گا۔یہی صحیح ہے اور اگر دونوں مجہول ہیں تو اہمال شدید ہوگا۔

41: شاہد۔وہ روایت ہے جو دوسری کے مساوی ہو یا صرف معنی میں مشابہ ہو اور صحابی دوسرا ہو اور ایسی حدیث کو نقل کرنا استشہاد کہلاتا ہے۔(ق ۴۶)

42: متابعت۔یہ ہے کہ ایسے راوی جس کے تفرد کا گمان ہو کوئی اس کی متابعت اور موافقت کرے اور انہیں الفاظ کے ساتھ جن کو پہلے نے روایت کیا اور شرط یہ ہے کہ صحابی بھی ایک ہو اس غیر کو متابع کہا جاتا ہے اور تابع بھی اور اگر خود راوی کو حاصل ہو تو یہ تامہ ہوگی اور اگر راوی کے شیخ یا اس کے اوپر (شیخ کے شیخ) کو حاصل ہو تو قاصرہ ہو۔اور ایک قوم نے متابعت کو خاص کیا ہے کہ جب لفظوں کے ساتھ حاصل ہو خواہ صحابی ایک ہو یا نہ ہو اور شاہد کو خاص کیا ہے جب بالمعنی متابعت ہو۔(ق ۴۶)

43: اعتبار۔کہتے ہیں اس حدیث کے مختلف طرق کا تتبع کرنا جس کے بارے میں فرد ہونے کا گمان ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا متابع یا شاھد موجود ہے یا متابع اور شاہد نہیں ہے ۔(ق ۴۶)

44: محکم۔وہ حدیث ہے جو دوسری مقبول حدیث کے معارضہ سے صحیح سالم ہو اگرچہ یہ ظاہر کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو۔(ق ۴۶)

45: مختلف الحدیث۔وہ دو حدیثیں جو دونوں مقبول ہوں ظاہر کے اعتبار سے معنی

میں متعارض ہوں اوران دونوں کے مضمون کو جمع کرنا ان میں تطبیق دینا بغیر دشواری کے ممکن ہو۔ایسی حدیثوں کومحکم کہتے ہیں۔(ق۴۶)

46:وہ حدیثیں جومقبول ہوں اور معنی میں متعارض ہوں بایں طور کہ کےان کے مدلولوں کو جمع کرناممکن نہ ہولیکن ان میں سے ایک کو دوسری سے متاخر ہونا معلوم ہوجائے یا خارج سے تاریخ کے ساتھ یا غیر خارج سے۔ایسی حدیثوں کو ناسخ منسوخ کہتے ہیں۔پہلی کومنسوخ دوسری کو ناسخ ۔(ق۴۷)

47:روایت بالمعنی۔

اگرحدیث مشترک یا مجمل یامتشابہ یا جوامع الکلم سے ہوتو اصح یہی ہے کہ اس کو روایت بالمعنی کرنا جائز نہیں ہے۔اگر محکم ہوتو صرف لغت کے عالم کے لئے جائز ہے۔یا حدیث ظاہر ہے لیکن غیر کا احتمال بھی رکھتی ہے جیسے عام جو خاص کو احتمال رکھے یا حقیقت جو مجاز کا احتمال رکھے تو صرف مجتہد کے لئے اس کو روایت بالمعنی کرنا جائز ہے۔

جب معنی مخفی ہوجائے تو اس کے فردی معانی کو معلوم کرنے کیلئے ان کتب کی طرف احتیاجی ہوگی جو غریب الفاظ کی شرح کیلئے لکھی جاتی ہیں۔اورمشکل مرکب معانی کیلئے ان کتب کی طرف احتیاجی ہوگی جو معانی اخبار کی شرح کے لئے لکھی جاتی ہیں۔متن حدیث میں ایسے مشکل الفاظ آجائیں جوقلت استعمال کی وجہ سے سمجھ میں مشکل سے آئیں ایسے الفاظ کوغریب الحدیث کہتے ہیں۔(ق۴۷)

48:وہ الفاظ جو رجال حدیث کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔

طبقہ لغت میں متشابہ قوم کو کہتے ہیں۔اور اصطلاح میں ایسی قوم کو کہتے ہیں جو عمر اور سند حدیث میں قریب قریب ہوں یا صرف سند میں قریب ہوں بایں طور کہ ایک کے استاتذہ دوسرے ہوں یا ایک کے شیوخ دوسرے کے شیوخ کے قریب ہوں۔صحابہؓ سارے کے سارے ایک طبقہ میں اور تابعین دوسرا طبقہ میں اور طبع تابعین تیسرا طبقہ اسی طرح چلتے جاؤ۔اور کبھی دو راوی ایک اعتبار سے تو ایک طبقہ کے شمار ہوتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے دو طبقوں کے شمار ہوتے ہیں

جیسا کہ صحابہ کرامؓ کو بارہ یا اس سے زائد طبقات میں شمار کیا ہے اور تابعینؒ کو پندرہ طبقات میں شمار کیا ہے۔

49: صحابی۔ وہ ہے جس کی نبی اقدس ﷺ سے حالت ایمان میں ملاقات ہوئی ہو اور پھر اسلام پر ہی اس کا انتقال ہوا ہو اگرچہ درمیانی عرصہ میں مرتد ہو گیا ہو پس وہ شخص جس نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد دفن سے قبل زیارت کی ہو اسلام پر اسکا انتقال ہوا ہو اسکو صحابیؓ نہیں کہیں گے اس لئے کہ اسکو ملاقات نہیں کہتے اور اسطرح جس نے کفر کی حالت میں ملاقات کی ہو اور پھر ایمان لایا ہو اور ایمان کی حالت میں ملاقات کی پھر مرتد ہو گیا ہو اور اسی حالت میں مر گیا اس کو بھی صحابی نہیں کہیں گے۔ (ق ۴۸)

50: تابعی۔ وہ ہے جس کی صحابی سے ملاقات ہوئی ہو اگرچہ عند الملاقات وہ نبی اقدس ﷺ پر ایمان نہ رکھتا ہو اور پھر اسلام پر اس کی موت آئی ہو خواہ درمیان میں ارتداد حائل ہو گیا ہو۔ ارتداد کے بارے میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے وہ دونوں جگہوں میں ارتداد کو تعریف کے صادق آنا میں مخل مانتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک ارتداد مطلقاً عمل کے لئے مٹانے والا ہے۔ (ق ۴۸)

51: مخضرمی۔ وہ ہے جس نے نبی اقدس ﷺ اور اسلام کو پایا اور ایمان کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا ہو۔ یہ کبار تابعین میں سے ہو گا عام ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ نبی اقدس ﷺ کے زمانے میں بھی مسلمان تھا جیسے نجاشی یا نہیں۔

راویان حدیث کی توثیق و تضعیف اور احادیث کی تصحیح و تضعیف امر اجتہادی ہے۔

52: یہ ممکن ہے کہ ایک راوی ایک کے نزدیک ضعیف ہو دوسرے کے نزدیک ثقہ ہو اس طرح جو حدیث بعض کے نزدیک ضعیف ہو اور بعض کے نزدیک صحیح یا حسن ہو اسی پر ابن تیمیہؒ کا

قول جوانکی کتاب "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام" میں ہے دلالت کرتا ہے۔وہ فرماتے ہیں "ائمہ مقبولین جن کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہے ان میں سے کوئی بھی کسی شئی دقیق سنت یا بڑی میں جان بوجھ کر نبی اقدس ﷺ کی مخالفت نہیں کرتا۔اگر ان میں سے کسی کا ایسا قول پایا جائے کہ صحیح حدیث اس کے مخالف ہو تو اس کے ترک کرنے کی اس امام کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی، پھر طوالت سے ان اسباب واعذار کو بیان کیا۔اور بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

سبب ثالث: اجتہاد کی وجہ سے کسی حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتقاد جس میں اسکا غیر اس کی مخالفت کرتا ہو اور اس مخالفت کے بھی کئی اسباب ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے حدیث کے راوی کو ایک ضعیف سمجھتا ہے دوسرا ثقہ۔اور معرفت رجال کا علم وسیع ہے اور علم رجال کے علماء میں بھی دیگر فنون کے علماء کی طرح بعض باتیں اجماعی ہیں بعض اختلافی۔

چوتھا سبب: ایک کا عادل حافظ راوی کی خبر میں ایسی شرائط کا لگا دینا جس میں دوسرا مجتہد اس کی مخالفت کرتا ہے، مثلاً بعض کے ہاں یہ شرط ہے کہ حدیث کو کتاب اللہ اور سنت پر پیش کیا جائے۔اور بعض نے یہ شرط لگائی ہے اگر حدیث قیاس کے خلاف ہو تو محدث کا فقیہ ہونا ضروری ہے اور احناف نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اگر حدیث کا تعلق عموم بلوی سے ہو تو خیر القرون میں اس کا مشہور ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں جو اپنے مقام میں معروف ہیں (ق ۴۹)

اسی طرح علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں

"و ربما تقصر عبارة المعلل عن اقامة الحجة على دعواه كالصيرفي في نقد الدنيا ء و الد رهم (تدريب ص 161)

ترجمہ: کبھی علت بیان کرنے والے کی عبارت اپنے دعوے پر دلیل قائم کرنے سے قاصر ہوتی ہے جیسے صراف دینار اور درھم کو رد کرتا ہے اگر دلیل پوچھی جائے تو شاید بیان نہ کر سکے۔

53: ابن مہدیؒ فرماتے ہیں علم حدیث کی معرفت الہامی چیز ہے اگر علل حدیث کے عالم کوتو یہ بات کہے کہ تو نے یہ بات کہاں سے کہی تو اس کے پاس دلیل نہ ہوگی اور کتنے اشخاص ایسے ہیں دلیل کو بیان نہیں کر سکتے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ایک مجتہد کا ظن دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔

54: میں کہتا ہوں اس نے اس بات پر دلالت کی کہ راویوں کی تضعیف وتوثیق امر اجتہادی ہے امام ترمذیؒ کتاب العلل میں فرماتے ہیں "ائمہ اھل علم کا راویوں کی تضعیف میں اختلاف ہوا ہے جیسا کہ باقی علوم میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ (ق ۵۰)

55: امام ذھبیؒ "تذکرۃ الحفاظ" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "یہ حاملین علم نبوی کے عادل لوگوں کا تذکرہ ہے اور ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن کی رائے کی طرف توثیق وتضعیف تصحیح وتضعیف میں رجوع کیا جاتا ہے۔ (ق ۵۳)

56: اور اسمیں تصریح ہے کہ رجال کی توثیق وتضعیف اور احادیث کی تصحیح وتضعیف امر اجتہادی ہے جو اختلاف کی گنجائش رکھتا ہے۔ کسی راوی کے بارے میں ایک کی جرح سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ تمام کے نزدیک مجروح ہو۔ (ق ۵۴)

57: امام نوویؒ اپنے مسلم کے مقدمہ میں فرماتے ہیں عیب لگانے والوں نے مسلم پر ضعفا کی ایک جماعت سے اپنی صحیح میں روایت لانے پر عیب لگایا ہے حالانکہ یہ عیب نہیں ہے۔

اسکا جواب کئی وجوہ سے ہے جن کو ابن صلاحؒ نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے راوی ان کے غیر کے نزدیک ضعیف ہو اور ان کے نزدیک ثقہ ہو۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے اس لئے کہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جرح مفسر ثابت ہو اور اگر ایسے نہ ہو تو جرح مقبول نہ ہوگی۔ (ق ۵۴)

58: میں کہتا ہوں ائمہ کی تصریحات اس پر کہ جرح وتعدیل امر اجتہادی ہے شمار سے

زائد ہے اور جو ہم نے حوالہ جات ذکر کئے ہیں وہ کافی ہیں۔ پس ایک کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کے ہاں بھی صحیح ہے۔ اور ایک کے نزدیک ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے کے نزدیک بھی ضعیف ہو۔ پس سمجھ لے اور غافلین میں سے نہ بن۔ (ق۵۵)

تصحیح وتضعیف کے متعلق اہم اصول وقواعد کا بیان:

علامہ سیوطیؒ ''تدریب الراوی'' میں فرماتے ہیں اور جب کہا جائے یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اوصاف مذکورہ کے پائے جانے کا ساتھ اس کی سند متصل ہے پس ہم نے ظاہر اسناد پر عمل کرتے ہوئے اس کو قبول کرلیں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ واقعتاً یقینی طور پر صحیح ہے اس لئے کہ ثقہ راوی سے بھی کبھی خطا ونسیان ہوسکتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے اس سے جس نے کہا کہ خبر واحد قطعیت کا فائدہ دیتی ہے اور جب کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس کا مطلب نہیں کہ واقع نفس الامر میں بھی یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ کبھی کثیر الخطا راوی بھی درست روایت بیان کردیتا ہے اور جھوٹا بھی سچ بول دیتا ہے۔ (ق۵۶)

60: میں یہ کہتا ہوں پس جب ضعیف حدیث کی صحت پر کوئی قرینہ قائم ہوجائے تو اس سے دلیل پکڑنا جائز ہے جیسا کہ اگر صحیح حدیث کے خلاف کوئی قرینہ پایا جائے تو اس کا ترک جائز ہے۔ جیسا کہ آنے والے قطعہ میں آئے گا۔ (ق۵۶)

61: محقق ابن ھمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں سے روایت لی ہے جو جرح سے سالم سے نہیں ہیں۔ اسی طرح بخاری میں ایک جماعت متکلم فیہ راویوں کی ہے۔ پس راویوں کے بارے میں معاملہ علماء کے ان کے بارے میں اجتہاد پر گھومتا ہے حتی کہ ایک ایک شرط کا اعتبار کرتا ہے دوسرا اس کو لغو قرار دیتا ہے وہ اس سے روایت کرتا ہے جس میں وہ شرط نہیں پائی جاتی اور وہ اس کے معارض ہونے کے لئے کافی سمجھتا ہے جو اس شرط پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس کے بارے میں کہ وہ راوی کو ضعیف قرار دیتا ہے دوسرا

اس کو ثقہ قرار دیتا ہے۔ہاں غیر مجتہد جو بنفسہ راوی کے معاملہ سے باخبر نہیں اس کا دل اس طرف مطمئن ہو جائے گا جس جانب اکثر ہوں گے اور جو شرائط کے اعتبار اور عدم اعتبار میں خود مجتہد ہو گا اور راوی کے حالات سے باخبر ہو گا وہ صرف اپنی رائے کی طرف رجوع کرے گا (ابن ھمام کا قول ختم ہوا)۔

پس کیسے ممکن نہیں ہے کہ صحیح سند کو ایسے قرینہ کی وجہ سے جو اس کے فی نفس الامر ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے اس کو ضعیف قرار دیا جائے اور حسن روایت کسی دوسرے قرینہ کی وجہ سے صحت تک پہنچ جائے جیسا کہ ہم نے اکابر صحابہ کے عمل کو اپنے قول کیموافق ذکر کیا ہے۔ان کا اس حدیث کے متقضی کو ترک کرنے کو نقل کیا ہے۔اسی طرح اکابر سلف کا عمل تھا۔(ق ۵۷)

62: مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو یہ اس کی صحت کی دلیل ہوتا ہے جیسا کہ ابن ہمامؒ کی التحریر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔(ق ۵۷)

63: تدریب الراوی میں موجود ہے کہ ابوالحسن بن الحصار تقریب المدارک علی موطا مالک میں فرماتے ہیں کبھی فقیہ جب حدیث کی سند میں کذاب راوی نہ ہو اس حدیث کے کتاب اللہ کے موافق ہونے یا بعض اصول شریعہ کے موافق ہونے کی وجہ سے اس کی صحت کو جان لیتا ہے اور اس کو قبول کر لیتا ہے اور قابل عمل قرار دے دیتا ہے۔

64: میں کہتا ہوں ایسی حدیث صحیح لغیرہ ہو گی نہ کہ صحیح لذاتہ جیسا کہ امام سیوطیؒ کی وہ کلام جو اس قول مذکور کے متصلا بعد تدریب میں مذکور ہے وہ بتلا رہی ہے۔

65: حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر میں اس حدیث کے بارے جس پر امام بیہقیؒ نے کلام کیا ہے فرماتے ہیں ''اس حدیث سے احمد اور ابن منذر نے استدلال کیا ہے اور ان کا اس پر اعتماد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے''۔

66: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسی طرح ہر مجتہد کا کسی حدیث کے بارے میں یقین واعتماد

میں اس پر دلالت ہوتی ہے کہ حدیث اس کے نزدیک درست ہوتی ہے، پس سمجھ لیجیے۔

67: ابن جوزیؒ التحقیق میں فرماتے ہیں جب کسی حدیث کو محدث نقل کرے اور حافظ اس سے استدلال کرے تو دل یہی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسی طرح نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں مذکور ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں ''ابن حزمؒ نے اس کو بطور دلیل کے نقل کیا ہے۔''

69: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں ہر وہ حدیث جسے امام محمد بن حسنؒ یا محدث حافظ طحاویؒ نقل کریں اس سے استدلال کرتے ہوئے وہ اس اصول کے اعتبار سے صحیح و حجت ہوگی اس لئے کہ یہ مجتہدین اور محدثین تھے جیسا کہ ہم اس کے مقام پر واضح کریں گے۔ (ق ۵۸)

70: محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں ''جب ضعیف حدیث کی تائید میں ایسے قرائن مل جائیں جو اس کی صحت پر دلالت کریں تو وہ حدیث صحیح ہو جائے گی۔ اور اسی طرح فرمایا ''قائل کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ صحت وضعف کا حکم ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے بہر حال نفس الامر کے اعتبار سے جس پر ظاہر کے اعتبار سے ضعف کا حکم ہو اس کا صحیح ہونا جائز ہے یعنی جب اس کی صحت پر کوئی قرینہ قائم ہو جائے۔ جیسا کہ مذکورہ کلام کے متصلا اس کی مثال ذکر کی ہے کتے کے برتن میں منہ ڈالنے کے مسئلہ میں تین دفعہ غسل کافی ہے اس کو حضرت ابو ہریرہؓ کا مذہب ثابت کرنے کے ساتھ کہ یہ قرینہ ہے جو اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت کی صحت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو مضعف راوی میں کمی کو دور کر دیتی ہے۔

71: اور اس میں یہ بھی ہے'' حاصل یہ ہے کہ غیر مرفوع یا ایسی مرفوع روایت جو ثبوت میں دوسری مرفوع سے مرجوح ہو مقدم ہو جاتی ہے جبکہ اس کے ساتھ ایسے قرائن مل جائیں جو اس کے نبی اقدس ﷺ سے اس کے صحیح ہونے اور آنحضرت ﷺ کے اس پر دائمی عمل ہونے کا فائدہ دیں۔ (ق ٦٠)

تلقی بالقبول دلیل صحت ہے:

شیخ الاسلام، محقق ابن ہمامؒ لکھتے ہیں

ومما يُصحِّحُ الحديث ايضا عمل العلماء على وفقه

ترجمہ......اوران چیزوں میں سے جو حدیث کی تصحیح کا فائدہ دیتی ہیں علماء کا حدیث کے موافق عمل کرنا ہے۔ (فتح القدير)

ابن قیم الجوزیہؒ کی رائے:

علامہ ابن قیمؒ حدیث معاذؓ پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

على ان اهل العلم قد نقلوه و احتجوا به فوقفنا بذالك على صحته عندهم كما وفقنا على صحة قول رسول الله ﷺ "لا وصية لوارث" وقوله فى البحر "هو الطهور ماؤه والحل ميتته" و قوله "اذا اختلف المتبايعان فى الثمن والسلعة قائمة فحالفا و ترادّا البيع " و قوله "الدية على العاقلة" وان كانت هذه الاحاديث لا ثبتت من جهة الاسناد و لكن لما تلقته الكافة عن الكافة غنوا بصحتها عندهم عن طلب الاسناد لها فكذالك حديث معاذؓ لما احتجوا جميعا غنوا عن طلب الاسناد له.

ترجمہ......مزید یہ کہ اہل علم نے اسے نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے پس علم ہو گیا ہمیں اس بات کا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کے قول "لا وصية لوارث" اور آپ کے فرمان سمندر کے بارے میں "هو الطهور ماؤه و الحل ميتته" اور آپ ﷺ کے فرمان "اذا اختلف المتبايعان فى الثمن والسلعة قائمة تحالفا و ترادا البيع" اور آپ ﷺ کے فرمان "الدية على العاقلة" کی صحت کا۔ اگرچہ یہ احادیث سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہیں لیکن جب اس کو جماعت نے

جماعت سے قبول کیا ہے تو مستغنی کر دیا ہے اس کی صحت کو اس کی سند طلب کرنے سے، اسی طرح حدیث معاذؓ ہے جب دلیل پکڑی ہے تمام نے اس سے تو اس کی سند کو طلب کرنے سے مستغنی کر دیا ہے۔ **(اعلام الموقعین ص ۱۵۵ ج ۱، مطبوعہ مکۃ المکرمہ)**

فقہ حنفی کے عظیم محدّث محقق، فقیہ، اصولی شیخ زاہد بن حسن الکوثریؒ لکھتے ہیں

واحتجاج الائمة بحديث تصحيح له منهم بل جمهور اهل العلم من جميع الطوائف على ان خبر الواحد اذا تلقته الامة تصديقا له او عملا به يوجب العلم

ترجمہ......ائمہ کا حدیث کو بطور دلیل کے لے لینا یہ ان کی طرف سے اس حدیث کو صحیح قرار دینا ہوگا۔ بلکہ تمام جماعتوں کے جمہور اہل علم اس اصول پر ہیں کہ خبر واحد کو امت جب اس کی تصدیق کرتے ہوئے یا اس پر عمل کرتے ہوئے قبول کر لے تو یہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

(مقالات کوثری ص ۷۰)

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں

وصحح الامدی وغيره من الاصوليين انه حكم بذالك.

ترجمہ......(عالم کا کسی حدیث پر عمل یا اس پر فتویٰ دینے کی وجہ سے) آمدی اور ان کے علاوہ دیگر اصولیین نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس حدیث پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔

(تدریب الراوی ص ۱۷۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں

قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح

ترجمہ......بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث پر صحت کا حکم لگا دیا جائے گا جب

امت نے اسے قبول کر لیا ہو اگر چہ اس کی سند صحیح نہ بھی ہو۔ (تدریب الراوی ص۲۹)

اسی طرح علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں

المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح.

(شرح نظم الدرر المسمی بالبحر الذی زخر)

ترجمہ......مقبول وہ حدیث ہے جسے علماء قبول کر لیں اگر چہ اس کی سند صحیح نہ بھی ہو۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

ومن جملة صفات القبول التی لم يتعرض شيخنا الحافظ يعنی زين الدين العراقی ان يتفق العلماء على العمل بمدلول حديث فانه يقبل حتى يعمل به وقد صرح بذالک جماعة من ائمة الاصول.

ترجمہ......منجملہ صفات قبولیت میں سے ایک وہ بھی ہے جس کی طرف ہمارے شیخ حافظ یعنی زین الدین عراقی نے تعرض نہیں کیا وہ یہ ہے کہ علماء مدلول حدیث پر عمل کرنے میں متفق ہو جائیں۔ پس اس حدیث کو قبول کر لیا جائے گا، یہاں تک کہ اس پر عمل واجب ہوگا اس بات کی تصریح کی ہے ائمہ اصول کی ایک جماعت نے۔ **(الامصاح على نكت ابن الصلاح)**

علامہ ابن مرعی الشبرخیتی المالکیؒ فرماتے ہیں

و محل كونه لا يعمل بالضعيف فی الاحكام مالم يكن تلقته الناس بالقبول فان كان كذالک تعين و صار حجة يعمل به فی الاحكام وغيرها.

ترجمہ ......اس بات کا محل کہ ضعیف حدیث پر احکام میں عمل نہیں کیا جاتا یہ ہے کہ جب اس کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو اگر اسے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ حدیث متعین ہو جائے گی اور حجت ہو جائے گی احکام وغیرہ میں اس پر عمل کیا جائے گا۔ (شرح الاربعین النوویہ)

قال ابن عبدالبر فی الاستذکار لما حکی عن الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر "ھو الطھور ماؤہ" واھل الحدیث لا یصححون مثل اسنادہ لکن الحدیث عندی صحیح لان العلماء تلقوہ بالقبول.

ترجمہ......علامہ ابن عبدالبر الاستذکار میں فرماتے ہیں امام ترمذی سے یہ بات نقل کرتے ہوئے کہ بخاری حدیث بحر **الطھور ماؤہ** کو صحیح کہتے ہیں حالانکہ محدثین اس جیسی سند کو صحیح نہیں کہتے لیکن حدیث میرے (ابن عبدالبر کے) نزدیک صحیح ہے۔ اس لئے کہ علماء نے اسے قبول فرمایا ہے۔ (تدریب الراوی ص ۲۹)

دوسو کے قریب کتب کے مصنف محدّث فقیہ، اصولی، مورخ، علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں

وکذا اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ الصحیح حتی انہ ینزل منزلۃ المتواتر.

ترجمہ ......اسی طرح جب امت ضعیف حدیث کو قبول کرلے تو اس کے ساتھ صحیح والا معاملہ کیا جائے گا حتی کہ وہ متواتر کے درجہ میں ہو جائے گی۔

آگے لکھتے ہیں

ولھذا قال الشافعی رحمہ اللہ فی حدیث "لا وصیۃ لوارث" انہ لا یثبتہ اھل الحدیث ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوہ ناسخا لایۃ الوصیۃ

ترجمہ......اسی وجہ سے امام شافعیؒ حدیث **" لا وصیۃ لوارث"** کے

متعلق فرماتے ہیں کہ محدّثین اس کو صحیح نہیں قرار دیتے لیکن جمہور علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے اور اس پر عمل کرلیا ہے حتیٰ کہ اس کو آیت وصیت کے لئے ناسخ بنادیا ہے۔

(فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ص۱۲۰)

اهل ظواهر کے پیشوا قاضی شوکانی لکھتے هیں ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحته لتقی العلماء له بالقبول فرده من حیث الاسناد وقبله من حیث المعنی وقد حکم بصحة جملة من الاحادیث لا تبلغ درجة هذا ولا تقاربه

ترجمه...... پھر ابن عبد البرؒ نے باوجود (ضعف سند کے) اس کی صحت کا حکم لگایا ہے علماء کے اس کو قبول کر لینے کی وجہ سے پس رد کیا ہے اس کو سند کے اعتبار سے اور قبول کیا ہے معنی کے اعتبار سے اور حکم لگایا ہے ایسی بعض احادیث پر بھی جو اس درجہ تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کے قریب بھی نہیں پہنچتیں۔(**نیل الاوطار ص۱۸ ج۱**)

مسند الهند شاه ولی الله محدّث دهلویؒ لکھتے هیں کل حدیث اجمع السلف علی قبوله او تواترت اهلیة رواته فلا حاجة عن البحث من عدالة رواته و ما عدا ذالک یبحث عن عدالة رواته.

ترجمه...... ہر وہ حدیث جس کی قبولیت پر سلف کا اجماع ہو گیا ہو یا اس کے روات کی عدالت متواتر ہو، اس کے روات سے بحث کی حاجت نہیں جو اس کے علاوہ ہو گی اس کے راویوں کے حالات سے بحث کی جائے گی۔(**عقد الجید ص ۵۲**)

محقق ابن ہمامؒ لکھتے ہیں **وقال الترمذی عقیب روایته حدیث غریب والعمل علیه عند اهل العلم من اصحاب رسول الله ﷺ**

وغیرھم.

ترجمہ ......اورامام ترمذی اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں حدیث غریب ہے اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرھم میں سے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ (فتح القدیر)

آگے لکھتے ہیں

وفی الدار قطنی قال القاسم و سالم عمل به المسلمون وقال مالک شهرة الحدیث بالمدینة تغننی عن صحة سنده.

ترجمہ ......اوردار قطنی میں ہے سالم اور قاسم نے فرمایا مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں اور امام مالکؒ نے فرمایا حدیث کا مدینہ میں مشہور ہونا اس کی سند سے مستغنی کر دیتا ہے۔

قاسم اور سالم، یہ سالم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے ہیں انہوں نے یہ فرمایا کہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نہیں ہے لیکن مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں۔

(فتح القدیر، دار قطنی ص ۲۷ ج ۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں

قال (ابن عبدالبر) فی التمهید روی جابر عن النبی ﷺ الدینار اربعة و عشرون قیراطا قال وفی قول جماعةالعلماء و اجماع الناس علی معناه غنی عن الاسناد فیه.

ترجمہ ......ابن عبدالبرؒ تمہید میں فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے نبی اقدس ﷺ سے روایت کی ''دینار چوبیس قیراط کا ہے'' فرمایا علماء کی جماعت کا قول اور لوگوں کا اس کے معنی پر اجماع اس کی سند سے مستغنی کر دیتا ہے۔ (تدریب الراوی ص ۲۹)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں' **ثم حکم ابن عبد البر ذلک لصحبته لتلفی العلما ء له**

بالقبول فرده من حیث الاسناد و قبله من حیث المعنی“
(التلخیص ص10)

ترجمہ: پھر ابن عبد البرؒ نے باوجود ضعف سند کے اس کی صحت کا حکم لگایا ہے علماء کے اس کو قبول کرنے کی وجہ سے پس سند کے اعتبار سے تو اس کو رد کر دیا اور معنی کے اعتبار سے قبول کر لیا۔ قلت و القبو ل یکون تارة بالقول وتارة بالعمل علیه ولذا قال المحقق فی الفتح وقول الترمذی العمل علیه عند اهل العلم یقتضی قوة اصله وان ضعف خصوصی هذا الطریق

ترجمہ: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں قبولیت کبھی قول سے ہوتی ہے کبھی اس پر عمل کرنے سے بھی ہوتی ہے اس لئے محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ امام ترمذیؒ کا قول ”والعمل علیہ عند اھل العلم“ یہ حدیث کی اصل کو قوی کر دیتا ہے اگر چہ خاص اس سند کو ضعیف قرار دیا ہو۔

73: امام سیوطیؒ تعقبات میں فرماتے ہیں ”حدیث اس کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور حسین نے کہا احمد وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے حالانکہ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ پس (امام ترمذی) نے اپنے اس قول کی طرف اشارہ کر دیا کہ حدیث اہل علم کے قول کی وجہ سے قوت پکڑ جائے گی اور بہت سوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حدیث کی صحت کے دلائل میں سے ایک اہل علم کا اس کے موافق قول اختیار کرنا ہے اگر چہ اسکی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

74: اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ ابن مبارکؒ وغیرہ صلاۃ التسبیح کو ثابت سمجھتے ہیں اور اس کی فضیلت کو نقل کرتے ہیں اور بیہقیؒ نے فرمایا عبداللہ بن مبارک اس کو پڑھتے تھے اور اسی طرح صالحین میں سے بعض نے بعض سے اس کو لیا ہے۔ ان کے اس فعل میں حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ آگے علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں“

75: بلکہ حدیث کو جب بھی تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ ہمارے نزدیک متواتر کے معنی میں ہو جائے گی۔ امام ابو بکر جصاصؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں ”امت نے

ان دونوں حدیثوں کو استعمال کیا ہے اگر چہ اس کا ورود خبر واحد کے طریق پر ہے۔ پس یہ متواتر کے مرتبہ میں ہو جائے گی اس لئے کہ لوگ جس خبر واحد کو قبول کر لیں وہ ہمارے نزدیک متواتر کے معنی میں ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم بہت سی جگہوں پر یہ واضح کر آئے ہیں۔ (ق ۶۲)

صحیح احادیث صرف بخاری، مسلم میں منحصر نہیں ہیں:

76: صحیح احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر کتب میں بھی صحیح احادیث پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں مذکور ہے۔ بخاری مسلم نے اپنی کتب میں تمام صحیح احادیث کا استیعاب نہیں کیا اور نہ انہوں نے استیعاب کا التزام کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ''میں نے اپنی جامع میں صرف صحیح روایات کو نقل کیا ہے اور بہت سے صحیح احادیث طوالت کے خوف کی وجہ سے میں نے ترک کر دی ہیں۔ اور امام مسلم نے فرمایا ''ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے میں نے اس کو یہاں نقل نہیں کیا۔ میں نے صرف ان احادیث کو نقل کیا ہے جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔ مراد یہ ہے کہ جن احادیث میں صحیح کی وہ شرائط پائی جاتی ہیں جو اجماعی ہیں اگر چہ ان شرائط کا اجتماع اس کی بعض احادیث میں بعض کے نزدیک نہ ہو۔ اسی کو ابن الصلاحؒ نے کہا ہے۔

77: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ جس حدیث کو دونوں یا ان میں سے کوئی ایک نقل کرے اس کا معارضہ اس حدیث صحیح کے ساتھ جائز ہے جس کو ان کے غیر نے نقل کیا ہو۔

78: محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں ''اور اس کے معارضہ کا بخاری میں ہونا یہ اس پر مقدم ہونے کو مستلزم نہیں ہے صحت میں دونوں کا مشترک ہونے کے بعد۔ بلکہ ترجیح خارج سے طلب کی جائے گی۔ اور اس شخص کا قول جس نے یہ کہا کہ احادیث میں سے اصح وہ ہے جو صحیحین میں ہو پھر وہ جو صرف بخاری میں ہو پھر وہ جو ان میں سے کسی ایک کی شرط پر مشتمل ہو۔

یہ ایسا فیصلہ ہے جس کی تقلید جائز نہیں ہے اس لئے کہ اصحیت صرف ان کے راویوں کے ان شرائط کے جامع ہونے کی وجہ سے ہے جن کا بخاری مسلم نے اعتبار کیا ہے اگر ان شرائط کا وجود

کسی ایسی حدیث کے راوی کے اندر پایا جانا فرض کرلیں جوان دو کتابوں کے علاوہ کی حدیث ہے تو کیا پھر بھی بخاری مسلم کی حدیث کی اصحیت کا حکم لگانا تحکم نہیں ہوگا۔ پھر یہ کہ ان دونوں یا ان میں سے ایک کا حکم یہ ہے کہ معین راوی جو ان شرائط کا جامع ہے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ واقع کے مطابق بھی ہے (اس کے شرائط کا جامع ہونا) یا نہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ واقع کے خلاف ہو۔

محقق ابن ہمامؒ کی تائید ان کے شاگرد رشید ابن امیر الحاجؒ نے بھی التحریر کی شرح التقریر والتحبیر میں کی ہے۔ آگے لکھتے ہیں ــــ "**ثم مما ینبغی التنبیه ان اصحیتهما علی ما سو ا هما تنزلا انما تکون بالنظر الی من بعد هما لا المجتهدین المتقدمین علیهما فان هذا مع ظهور ه قد یخفی علی بعضهم او ر یغالط به**" (التقریر والتحبیر ص **30** ج**3**)

ترجمہ: پھر اس کے لئے یہ تنبیہ کرنا مناسب ہے کہ ان کی اصحیت اپنے ماسوا پر بعد کی کتب کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے مجتہدین جو بخاری مسلم سے پہلے گزرے ہیں ان کے اعتبار سے نہیں ہے۔ یہ بات باوجود ظاہر ہونے کے بعض لوگوں پر مخفی رہی یا مغالطہ لگا ہے۔

فخر المحدثین، امام المحققین الامام الحجۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے بھی ابن ہمامؒ کے اس قول کو شروط الائمۃ الخمسہ للحافظ ابی بکر محمد بن موسیٰ الحازمی کی تعلیقات میں نقل کیا ہے نقل کرنا تائید ہے۔ دیکھیے خمس رسائل فی علوم الحدیث ص **116** طبع بیروت لبنان

سید المحدثین سرتاج المتکلمین شیخ الاسلام الامام الحجۃ الشیخ زاہد بن حسن الکوثریؒ ابن امیر حاج کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "**یرید ان الشیخین و اصحاب السنن جماعة متعاصرون من الحفاظ اتو بعد تدوین الفقه الاسلامی و اعتنو ا بقسم من الحدیث و کان الائمة المجتهدون قبلهم اوفر مادة و اکثر حدیثا بین ایدیهم المرفوع و الموقوف و المرسل و فتاوی الصحابة و التابعین ونظر المجتهد**

لیس بقاصر علی قسم من الحدیث ودونک (الجوامع)و(المصنفات)فی کل باب منها تذکر هذه الانواع التی لا یستغنی عنها المجتهد واصحاب (الجوامع)و (المصنفات)قبل (الستة)من الحفاظ اصحاب هولاء المجتهدین واصحاب اصحابهم والنظر فی اسانیدها کان امر اهیناً عندهم لعلو طبقتهم لا سیما واستدلا ل المجتهد بحدیث تصحیح له والاحتیاج الی (الستة)والاحتیاج بها .انما هو بالنظر الی من تاخر عنهم فقط.واللّٰہ اعلم .

ترجمہ:ابن امیر حاج کی مراد یہ ہے کہ بخاری مسلم اور اصحاب سنن حفاظ کی وہ جماعت ہے جو آپس میں ہم عصر ہیں اور فقہ اسلامی کی تدوین کے بعد آئے اور علم حدیث کو بطور خاص لیا۔ان سے قبل جو آئمہ مجتہدین تھے وہ ان سے زیادہ فقہ اور اکثر احادیث کے حامل تھے ان کے سامنے مرفوع موقوف ،مرسل صحابہ وتابعین کے فتاوی بھی تھے ۔مجتہد کی نظر علم حدیث سے قاصر نہیں ہے۔

آپ جوامع اور مصنفات کو دیکھ لیں ان کے ہر باب میں ہر انواع مذکور ہیں کہ مجتہد جن سے مستغنی نہیں ہے اور اصحاب جوامع اور اصحاب مصنفات اصحاب ستہ سے پہلے کے حفاظ حدیث میں سے ہیں اور ان مجتہدین کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ ہیں ۔تو ان مجتہدین کے لئے احادیث کی اسانید پر نظر کرنا آسان کام تھا ان کے طبقہ کے بلند ہونے کی وجہ سے ۔پھر خصوصاً یہ کہ مجتہد کا حدیث سے استدلال خود حدیث کی صحت کی مستقل دلیل ہے ۔صحاح ستہ کی طرف محتاج ہونا اور ان سے دلیل پکڑنا یہ ان کے بعد کے لوگوں کے اعتبار سے ہے فقط۔محقق ابن ھمامؒ کے اس فیصلہ کو محدّث احمد علی سہارنپوری نے حاشیہ بخاری ص ۱۵۸ پر نقل کیا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ’’ایک ہی حدیث کو جب بخاری اور موطا دونوں روایت کریں، پس کبھی تو بخاری کے راوی افضل ہوں گے اور کبھی موطا کے۔پس ان دونوں کتابوں

میں ہم رجال کی طرف دیکھیں گے۔ اگر چہ ہم جانتے ہیں کہ بخاری کے رجال مؤطا کے رجال سے فی الجملۃ افضل اور اعلیٰ ہیں لیکن یہ بالیقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس لئے کہ بہت سارے ثقہ راوی موطا کے ایسے ہیں کہ جن سے بخاری نے بھی روایت لی ہے۔ تو وہ بخاری اور موطا کے مشترک راوی ہوئے اور متن بھی ایک ہے اور کبھی بخاری ایک سند سے روایت لائے ہیں، اور وہی روایت موطا میں دوسری سند سے ہوتی ہے جو بخاری کی شرط پر ہوتی ہے۔ بلکہ وہ بخاری کی سند سے بھی زیادہ عمدہ ہوتی ہے، پس جب حدیث ان دونوں کتابوں میں موجود ہوگی، تو ان کی سندوں کی طرف دیکھا جائے گا محض اجمالی حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(توجیہ النظر للجزائری ج ا ص ۲۹۹)

محدث شیخ نعمت اللہ اعظمی استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند "الفوائد المہمّہ" میں محدّث احمد شاکرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں

صحیفہ ہمام بن منبّہ کی بعض روایات کو لینے میں شیخین (بخاری، مسلم) متفق ہیں، اور بعض روایات کو صرف بخاری لائے ہیں اور بعض روایات کو صرف مسلم لائے ہیں، اور بعض روایات کو دونوں نہیں لائے ہیں۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے، کہ جن روایات کو نقل کرنے میں بخاری، مسلم متفق ہیں وہ ہمیشہ ان روایات پر راجح نہیں ہوں گی جن کو ان میں سے کسی ایک نے نقل کیا ہے، یا کسی نے نقل نہیں کیا بلکہ اعتبار شرائط صحت کا ہے۔ بس جس میں وہ شرائط پائی جائیں گی وہی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

محدث اعظمی اس کے بعد رئیس المحد ثین فی عصرہ شیخ عبد الفتاح ابوغدّہ رحمہ اللہ کی اس تعلیق کو نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے محدث احمد شاکرؒ کے اس کلام پر لکھی ہے ہم یہاں ان سطور کے ماحصل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

شیخ ابوغدّہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن صلاحؒ اور اس کے متبعین کا یہ قول کہ

سب سے زیادہ صحیح وہ ہے جس پر شیخین متفق ہوں یہ مسلّم نہیں ہے، اس لئے کہ بخاری اور مسلم دونوں نے صحیفہ ہمام بن منبّہ جو کہ ۱۴۳ روایات پر مشتمل ہے، اس سے ۹۷ احادیث انہوں نے روایت کی ہیں جن کی سند یہی ایک سند ہی ہے۔ **عبدالرزاقؒ عن معمرؒ عن همامؒ عن ابی هريرةؓ** جیسا کہ "تحفۃ الاشراف للحافظ المزی ج ۱۰ ص ۳۹۷" میں ہے۔ ۲۳ احادیث کو نقل کرنے میں بخاری، مسلم دونوں متفق ہیں۔ ۱۶ کے ساتھ بخاری منفرد ہے۔ ۵۸ کیساتھ مسلم منفرد ہے اور یہ سند یعنی عبدالرزاق عن معمر اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں ہیں پس ابن صلاحؒ کا یہ قول علی الاطلاق درست نہ ہوا کہ متفق علیہ احادیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں، اسی طرح ابن صلاحؒ کا یہ قول کہ وہ روایات جن کی تخریج میں بخاری منفرد ہے وہ ان روایات سے اصح ہیں کہ جن کی تخریج میں مسلم منفرد ہے مسلّم نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسی صحیفہ ہمام بن منبّہ سے سولہ روایات کو نقل کرنے میں بخاری مسلم سے منفرد ہے۔ اب یہ روایات مسلم کی روایات سے کیسے اصحّ ہو سکتی ہیں کیونکہ مسلم میں بھی بعینہٖ اسی صحیفے سے اسی سند سے روایات مروی ہیں۔ جب اسی صحیفے سے اسی سند سے مسلم میں روایات ہیں کہ جس صحیفے سے جن اسناد کیساتھ بخاری میں روایات ہیں۔ تو یہ کہنا کہ جن روایات میں بخاری منفرد ہے وہ اعلیٰ ہیں ان روایات سے جن میں مسلم منفرد ہے یہ تحکّم ہے۔ اسی طرح ابن صلاح کا یہ قول کہ تیسرے نمبر پر وہ روایات ہیں کہ جن میں مسلم منفرد ہے یہ بھی غیر مسلّم ہے۔ اس لئے کہ مسلم اس صحیفے کی ۵۸ احادیث میں ان سندوں کے ساتھ منفرد ہے کہ جو سندیں اسی صحیفے کی ان احادیث کی بھی ہیں جو متفق علیہ ہیں یا جن کے ساتھ بخاری منفرد ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی سند جب مسلم میں ہو تو ادنیٰ ہو جائے اور وہی سند بخاری میں ہو تو اعلیٰ ہو جائے۔ اسی طرح کبھی مسلم ایک ایسی حدیث کے ساتھ منفرد ہوتا ہے جس کی کئی صحیح اسانید ہیں اور بخاری کبھی ایک ایسی حدیث

کے ساتھ منفرد ہوتا ہے جس کی کئی صحیح اسانید ہیں اور بخاری کبھی ایک ایسی حدیث کے ساتھ منفرد ہوتا ہے جس کی ایک ہی صحیح سند ہے تو اس صورت میں مسلم کی روایت بخاری کے روایت سے یقیناً اصحؒ اور اقویٰ ہو گی جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "النکت علی کتاب ابن الصلاح" میں تصریح کی ہے۔ پس یہ کہنا کہ جس روایت کیساتھ مسلم منفرد ہو وہ ادنیٰ ہوگی اس روایت سے جس میں بخاری منفرد ہے یہ تحکّم ہے۔ اسی طرح کبھی بخاری اس روایت کے ساتھ منفرد ہوتا ہے جس کی سند میں متکلم فیہ راوی ہوتے ہیں اور مسلم ایسی روایت کے ساتھ منفرد ہوتا ہے جس کے تمام رجال ثقہ ہوتے ہیں تو اسصورت میں اس روایت کو جس کے ساتھ بخاری منفرد ہے۔ اس پر اصحّ قرار دینا جس کے ساتھ مسلم منفرد ہے۔ محض تحکم ہے جیسا کہ ابن الہمامؒ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

(الفوائد المهمّه ص ۳۲)

خلافت عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام زبدۃ المحدثین شیخ زاہد بن الحسن الکوثریؒ لکھتے ہیں

ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح کی وجوہ کو علامہ حازمیؒ نے اپنی کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں نقل کیا ہے یہ وجوہ ترجیح پچاس ہیں لیکن علامہ حازمیؒ نے ان وجوہ میں سے ایک وجہ بھی یہ نہیں لکھی کہ بخاری و مسلم میں حدیث کا مذکور ہونا بھی وجہ ترجیح ہے۔

(التعلیقات علی شروط الائمۃ الخمسۃ للشیخ الکوثریؒ)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ بخاری و مسلم میں حدیث کا مذکور ہونا وجہ ترجیح ہے یہ قابل تسلیم نہیں ہے۔ شاید انہوں نے یہ بات متعصب شافعی المسلک ہونے کی وجہ سے کی ہو۔ حافظ صاحب نے بخاری و مسلم کی ترجیح کی وجوہ میں سے ایک وجہ ان کو تلقی بالقبول کا حاصل ہونا ذکر کیا ہے۔ اگر تلقی بالقبول کو دیکھا جائے تو مذہب احناف کو امت میں سب سے

زیادہ تلقی بالقبول حاصل ہے۔ ہر دور میں دو تہائی مسلمان مذہب حنفی پر عمل پیرا رہے ہیں۔اس مذہب کی قبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محدّث سفیان بن عیینہؒ جو کہ حرم کے محدّث ہیں جن کی وفات ۱۹۸ھ میں ہے وہ فرماتے ہیں فقہ حنفی ساری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ (مناقب ذہبی ص ۲۰)

امام اعظمؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے آپ کی وفات کے صرف ۴۸ سال کے اندر اس فقہ نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ تمام دنیا میں پھیل گئی تو اس قدر مقبولیت والی فقہ کو آج چھوڑنا کس قدر نا انصافی ہے۔

اسی طرح یہ جو کہا جاتا ہے کہ بخاری مسلم کی تمام احادیث واجب العمل ہیں، محدّث کوثریؒ فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مجتہد پر غیر کی تقلید واجب نہیں اور مقلد پر اپنے مجتہد کی تقلید واجب ہے تو بخاری مسلم کی احادیث پر عمل کرنا نہ مجتہد پر واجب ہوا نہ مقلد پر۔ (التعلیقات ص ۷۷)

علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا بے جا دعوی:

علامہ عبدالحیؒ لکھنوی لکھتے ہیں **"قد اطبقت عليه كلمات المحدثين بل يكاد ان يكون مجمعاً عليه بين المتبحرين و لم يخالف فيه الا ابن الهمام و ابن امير الحاج العلام ومن تبعهما فى هذا المرام و قد تعقب عليه صاحب الدراسات بتعقبات جيدة و ايرادات قوية فليرجع اليه .**

ترجمہ: تحقیق محدثین کے کلمات اس پر متفق ہیں بلکہ قریب ہے کہ متبحرین کے درمیان اجماع ہو۔اور اس میں سوائے ابن ہمامؒ اور ابن امیر الحاج یا اس شک میں ان کے متبعین کے کسی نے مخالفت نہیں کی۔صاحب الدرسات نے اس پر عمدہ تعاقب اور قوی اعتراضات کئے ہیں اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

سید المحدثین امام المحققین الشیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ علامہ لکھنویؒ کے اس دعوٰی پر

تعلیقاً لکھتے ہیں۔ ”ثم دعوی حصر المخالفة فی ابن همام وابن امیر الحاج ..لا برهان علیها فقد جاء ما یرفع هذا الترتیب عن جمهرة کبیرة من ائمة المحققین الذین تقدموا ابن الصلاح اوتاخرو عنه و قد اوسع البیان ایماء ایساع الاخ العلامة المحقق الناقد الشیخ محمد عبد الرشید النعمانی الهندی حفظه الله تعالیٰ فی تعلیقاته علی کتاب دراسات اللبیب المساة التعقیبات علی صاحب الدراسات ص ۳۷۴ حتی ۳۹۰ وفی تعلیقاته علی ذب ذبابات الدراسات ج 2ص.242.240 فانظر هما لزاما ففیهما المقنع لکل عالم منصف

(التعلیقات علی الاجوبة الفاضله ص 204)

ترجمہ: پھر مخالفت کو ابن ہمامؒ اور ابن امیر الحاج میں منحصر کرنا اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لئے کہ ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت نے اس ترتیب کی مخالفت کی ہے ان ائمہ میں سے جو ابن صلاح سے پہلے یا بعد میں گزرے ہیں۔اس بارے میں کافی وسعت کے ساتھ برادر علامہ محقق ناقد الشیخ عبدالرشید نعمانی ہندی حفظہ اللہ تعالیٰ نے دراسات اللبیب پر اپنی تعلیقات جن کا نام التعقیبات علی صاحب الدراسات پر اپنی تعلیقات ہے اس کے ص 374 سے 390 تک اور ذب ذبابات الدراسات پر اپنی تعلیقات ج 2 ص 240 تا 242 میں اس پر لکھا ہے ان کو لازماً دیکھے اس لئے کہ ہر انصاف کرنے والے عالم کے لئے کفایت ہے۔“ نیز ومن تبعهما کے تحت لکھتے ہیں

”ای و افقهما علی ما یدفع هذا الترتیب کالحافظ ابن کثیر والعلامة القسطلانیؒ شارح البخاری و العلامه علی القاری و العلامة اکرم السندی فی شرحیهما علی شرح نخبة الفکر والعلامه عبد الحق المحدث الدهلوی المحدث وغیرهم من الاجلة انظر التعقیبات علی صاحب الدراسات ص

390.374و ذب ذبابات الدراسات للعلامة عبد الطيف السندی ج 2ص 242:

ترجمہ: یعنی موافقت کی ہے ان دونوں کی اس ترتیب کی مخالفت کرنے میں حافظ ابن کثیرؒ علامہ قسطلانیؒ شارح بخاری شریف علامہ علی قاریؒ علامہ اکرسندھی نے اپنی شرح نخبۃ الفکر کی دونوں شروحات میں علامہ عبدالحق محدث دھلوی اوران کے علاوہ بڑے بڑے حضرات نے دیکھئے التعقبیات علی صاحب الدراسات ص 374-390اور ذب ذبابات الدراسات علامہ عبداللطیف سندھی کی ص242ج 2

علامہ عبدالحئ لکھنویؒ کے بارے میں علامہ کوثریؒ کی رائے:

شیخ کوثریؒ کی رائے :**الشيخ محمد عبد الحئی الكنوی اعلم اهل عصر ه باحاديث الاحكام المتوفى ١٣٠٤ ه الاان له بعض آرا شاذة لا تقابل فی المذهب و استسلامه لكتب التجريح من غير ان يعرف دفائلها لا يكو ن مرضيا عند من يعرف هنا لک (فقه اهل العراق وحديثهم ص 95)**

ترجمہ: شیخ عبدالحئ لکھنویؒ اپنے زمانے میں احکام کی احادیث کے بہت بڑے عالم تھے آپ کی وفات ۱۳۰۴ھ ہوئی۔خبرداران کی شاذ آراء ہیں جو مذہب میں مقبول نہیں ہیں خاص طو رپر جوراویوں کی جرح کے بارے میں جو کتب اسماء الرجال پر اندھا اعتماد فرمایا ہے اوران کے عیوب سے غفلت برتی ہے یہ ان کتب کے ماہر کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

79: میں یہ کہتا ہوں اگر صحیحین میں موجود روایات کی اصحیت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو معارضہ میں اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا جیسے دو آدمی گواہوں کو پیش کردیں اور دونوں کے گواہ عادل ہوں لیکن ایک کے گواہ دوسرے سے زیادہ متقی پرہیز گار ہوں تو اس کے گواہوں کو اس بنا پر ترجیح نہیں ہوگی۔عدالت شرعیہ میں دونوں کے مشترک ہونے کے بعد بلکہ ترجیح خارج سے طلب کی جائیگی (ق ۶۵) مزید یہ کہ صحیحین کی روایات کی اصحیت یا بخاری کی روایات کی مسلم پر

اصحیت کا دعوی باعتبار اجمال اور من حیث المجموع ہے۔نہ کہ ہر ہر حدیث کے اعتبار سے ۔علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اس کی تصریح کی ہے۔

80: کبھی مفوق کو کوئی ایسی چیز عارضی ہو جاتی ہے جو اس کو فائق بنا دیتی ہے جیسے بخاری مسلم دونوں حدیث غریب کو نقل کرنے میں متفق ہیں اور مسلم یا اس کا غیر حدیث مشہور نقل کرتا ہے یا اس حدیث کو نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ اصح الاسانید کے ساتھ متصف ہو۔ ماقبل میں جو گزرا وہ اس کی مخالفت نہیں کرتا اس لئے کہ وہ باعتبار اجمال کے ہے۔ زرکشیؒ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا بخاری کی ترجیح مسلم وغیرہ اس سے مراد ترجیح الجملہ علی الجملہ ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ہر ہر حدیث دوسری کی ہر ہر حدیث پر راجح ہے (ق ٦٦)

81: علامہ سیوطیؒ جمع الجوامع کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔ ''میں نے بخاری کے لئے (خ) مستدرک حاکم کے لئے (ک) ضیاء مقدسی کے مختارہ کے لئے (ض) اشارے مقرر کئے ہیں۔ اور جو کچھ ان پانچ کتابوں میں ہے سب صحیح ہے۔ ان کا اشارہ کرنا صحت کا بتانا ہے سوائے مستدرک حاکم کی ان روایات جن پر تعاقب کیا گیا ہے اور میں ان پر آگاہ کر دوں گا، اور اسی طرح موطا مالکؒ، صحیح ابن خزیمہ، مسند ابی عوانہ، صحیح ابن السکن، المنتقی لابن جارود اور مستخرجات ان کا اشارہ بھی صحت کو بتلاتا ہے۔ مسند احمد میں جتنی روایات ہیں مقبول ہیں اس لئے کہ اس کی ضعیف روایات بھی حسن کے درجہ کے قریب ہوتی ہیں۔ ملخصاً من کنز العمال۔

82: اور اس تدریب الراوی میں یہ بھی لکھا ہے: حاکم نے مستدرک میں زائد روایات کو بھی لکھا ہے یعنی جو بخاری مسلم کی شرط یا ان میں سے کسی کی شرط پر تھیں یا ان کی شرط پر نہ تھیں مگر صحیح تھیں اور کبھی اس حدیث کو بھی لے آتے ہیں جو حاکم کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوتی اس عدم صحت پر تنبیہ کرتے ہوئے حاکم صحت کا حکم لگانے میں متساہل ہیں۔ ذھبیؒ نے مستدرک کی تلخیص کی ہے ۔اور ان میں بہت سی روایات پر تعقب کرتے ہوئے ضعیف اور منکر ہونے کا حکم لگایا ہے اور اسی طرح جو اس میں موضوع روایات تھیں ان کو ایک جز میں جمع کیا ہے اور اس میں ایک سو کے قریب

احادیث جمع کی ہیں۔جس حدیث کو حاکم صحیح کہیں اور معتمدین میں سے ہم کسی سے اس کی تصحیح یا تضعیف نہ پائیں تو ہم اس کے حسن ہونے کا حکم لگائیں گے الا یہ کہ اس میں کوئی ایسی علت ظاہر ہو جائے جو اس کے ضعف کو واجب کرتی ہو۔(ق۷۱)

83: میں یہ کہتا ہوں کہ ذھبیؒ نے ہمیں اس سے مستغنی کر دیا ہے۔جس کو ذھبیؒ اس حکم پر باقی رکھیں جس پر حاکم نے کہا ہے وہ صحیح ہوگی اور جس سے سکوت کریں اور اس پر اعتراض نہ کریں تو وہ ابن صلاح کے قول کے مطابق حسن ہے۔اور میں نے علامہ عزیزی کو دیکھا ہے کہ جامع صغیر کی اپنی شرح میں بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے جن کی صحت میں ذھبیؒ نے حاکم کے حکم کو باقی رکھا ہے۔واللہ اعلم (ق۷۱)

84: صحیح کے حکم میں ہی نسائی کی کتاب المجتبیٰ ہے اور وہ دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور پڑھی جا رہی ہے محمد بن معاویہ احمر جو کہ نسائی سے روایت کرتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے فرمایا السنن الکبریٰ ساری کی ساری صحیح ہے اور بعض روایات اسکی معلول ہیں مگر یہ کہ اسکی علت کو بیان نہیں کیا ۔اور منتخب جس کا نام المجتبیٰ ہے یہ ساری کی ساری صحیح ہے۔(ق۷۲)

85: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ''نسائیؒ کی کتاب پر صحت کا اطلاق ابو علی نیشاپوری، ابو احمد بن عدی ابو الحسن دار قطنی ابو عبد اللہ حاکم ،ابن مندہ ،عبد الغنی بن سعید، ابو یعلی خلیلی ابو علی بن السکن ابو بکر خطیب بغدادی وغیرھم نے کیا ہے۔(ق۷۲)

86: سندھی نسائی پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں ''صحیح کا اطلاق نسائی کی جو چھوٹی کتاب ہے سنن نسائی اس پر مشہور اور شائع و زائع ہے اور یہ حسن کا نام صحیح رکھنے پر مبنی ہے اور ضعیف روایات اس میں بہت کم ہیں اور اگر ہیں تو حسن کے درجہ میں ہیں۔ جب کہ اس باب میں اس ضعیف کے علاوہ اور کوئی روایت نہ پائی جائے وہ مصنف ابو داود کے نزدیک قیاس سے قوی ہے ۔(ق۷۲)

87: اور جب حدیث مختلف فیہ ہو بعض اس کو صحیح یا حسن قرار دیں بعض ضعیف پس وہ حسن ہے اسی طرح اگر راوی مختلف فیہ ہے بعض نے اسکو ثقہ قرار دیا ہے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے پس وہ راوی حسن الحدیث ہے۔

علامہ عثمانیؒ نے علامہ منذریؒ، علامہ زیلعیؒ محقق ابن ہمامؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ ابن حجرؒ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

88: میں یہ کہتا ہوں کہ ان تمام عبارات میں جو کچھ ہم نے کہا اس پر دلیل ہے کہ راوی جب مختلف فیہ ہو تو وہ حسن الحدیث ہے اور اس کی حدیث حسن ہوگی اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اس سے بھی زائد تفصیل کے ساتھ نقل کرتا اور جو شخص رجال کی کتب اور علل اور موضوعات پر جو تعقبات ہیں ان کا مطالعہ کرتا رہتا ہے وہ اس اصل میں شک نہیں کرے گا۔ **قال الذہبیؒ وھو من اھل الاستقر ا ء التام فی نقد الرجا ل لم یجتمع اثنا ن من علماء ھذا الشان قط علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقة ولھذا کا ن مذھب النسائی ان لا یترک حدیث الرجل حتی یجتمع الجمیع علی تر کہ** (فتح المغیث سخاوی ص 483)

ترجمہ: ذھبیؒ کا (جن کو تنقید رجال میں کامل دستگاہ تھی ان کا) قول ہے کہ علم تنقید کے دو ماہرین نے کبھی ضعیف تعدیل پر اتفاق کیا ہے اور نہ کسی ثقہ کی تضعف پر۔ اس لئے نسائی کا مسلک تھا کہ وہ کسی شخص کی حدیث کو اس وقت تک ترک نہ کرئے جب تک اس کے کرنے پر تمام کا اتفاق نہ ہوتا۔

ذہبی کا یہ جو قول ہے یہ ان کی کتاب الموقظة میں موجود ہے۔

لم یجتمع اثنان من علماء ھذا الشان قط علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقة.

اس کا کیا مطلب ہے اس پر علماء کا بہت اختلاف ہوا ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے اسلئے کہ بہت سے راوی ایسے ہیں جن کی دو سے زائد توثیق بھی کر رہے ہیں اور تضعیف بھی اب اگر یہ

ثقہ ہے تو ثقہ کی دو نے تضعیف کردی اگر ضعیف ہے تو ضعیف کی دو نے توثیق کردی جیسے محمد بن اسحاق، نسائی کہتے ہیں **لیس بالقوی**، دار قطنی کہتے ہیں **لا یحتج به**، ابن ابی حاتم کہتے ہیں **ضعیف الحدیث**. سلیمان تیمی کہتے ہیں **کذاب**۔ ھشام کہتے ہیں **کذاب**۔ ابوداؤد کہتے ہیں **قدری معتزلی**، ابن عیینہؒ کہتے ہیں اس پر قدری ہونے کی تہمت تھی، امام مالکؒ فرماتے ہیں **دجال من الدجاجلة** یحیٰی بن قطان کہتے ہیں **اشهد ان محمد بن اسحق کذاب**۔ جبکہ اس کی توثیق کرنے والے بھی ہیں۔

شعبہؒ کہتے ہیں ابن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث، علی بن مدینیؒ کہتے ہیں **حدیثه عندی صحیح**، ابن معینؒ کہتے ہیں **ثقه**۔ (میزان الاعتدال ص۴۵۳ ج ۳)

اب اگر محمد بن اسحاق ضعیف ہے تو دو بلکہ اس سے زائد اس کی توثیق کررہے ہیں، اگر یہ ثقہ ہے تو دو ہی بلکہ اس سے زائد اس کی تضعیف کررہے ہیں تو ذہبیؒ کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوا کہ اس فن کے علماء میں دو کبھی کسی ضعیف کی توثیق یا ثقہ کی تضعیف پر جمع نہیں ہوئے۔

اس قول کی بہترین توجیہ محقق العصر زبدۃ المحدثین فی عصرہ حضرت اقدس شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نور اللہ مرقدہ نے کی ہے فرماتے ہیں

> **ان معناها لم يقع الاتفاق من العلماء على توثيق ضعيف بل اذا وثقه بعضهم ضعفه آخرون كما لم يقع الاتفاق من العلماء على تضعيف ثقة فاذا ضعفه بعضهم و ثقه آخرون فلم يتفقوا على خلاف الواقع فى جرح راو او فى تعديله فهم بمجموعهم محفوظون من الخطاء و لفظ اثنان هنا المراد به الجميع كقولهم هذا امر لا يختلف فيه اثنان اى يتفق عليه الجميع ولا ينازع فيه احد.**

(التعلیقات علی الرفع والتکمیل ص۲۸۶) ترجمہ...... ذہبی کے اس قول کا

معنی یہ ہے کہ علماء کبھی کسی ضعیف کی توثیق پر متفق نہیں ہوئے ہیں بلکہ اگر بعض نے اسے ثقہ قرار دیا تو دوسرے بعض نے اسے ضعیف کہہ دیا جیسا کہ علماء کبھی کسی ثقہ کی تضعیف پر متفق نہیں ہوئے بلکہ اگر کسی ثقہ کو بعض نے ضعیف کہہ دیا تو دوسرے بعض نہ اسے ثقہ بھی کہہ دیا کسی راوی کی جرح یا تعدیل میں یہ تمام کسی غلطی پر متفق نہیں ہوئے یہ **من حیث الجماعۃ** غلطی سے محفوظ ہیں۔ یہاں اثنان کے لفظ سے مراد جمیع ہیں جیسے یہ قول **ھذا لامر لا یختلف فیہ اثنان** ۔ کہ اس معاملہ میں دو نے بھی مخالفت نہیں کی یعنی سب متفق ہیں کسی ایک نے بھی نزاع نہیں کیا۔

مطلب یہ ہے کہ اس امت کے ائمہ جرح وتعدیل من حیث الجماعۃ خطاء سے محفوظ ہیں اگر بعض سے خطاء ہوئی بھی تو دوسرے بعض نے فوراً تنبیہ کر دی یہ نہیں کہ اگر ایک ثقہ کو کسی نے ضعیف کہہ دیا تو سب نے ضعیف کہہ دیا اور سب سے غلطی ہوگئی ایسے نہیں بلکہ اس ثقہ کو ثقہ کہنے والے بھی مل جائیں گے اسی طرح ضعیف کو اگر کسی نے غلطی سے ثقہ کہہ دیا تو یہ نہیں کہ سب اس غلطی پر جمع ہو جائیں گے بلکہ اس کو ضعیف بھی کسی نے ضرور کہا ہوگا۔

ذہبیؒ کا مرتبہ:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں

والذھبی ممن قیل فی حقہ انہ لو اقیم علی اکمۃ وا لرواۃ بین یدیہ لعرف کلا منھم باسمائھم واسماء آباء ھم.

ترجمہ: ذہبیؒ وہ ہیں جن کے حق میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ کسی ٹیلے پر کھڑے کر دیئے جائیں اور احادیث کے روات ان کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں (جن کی تعداد ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے) ذہبی ان میں سے ہر ایک کو انکے اور ان کے آباء کے نام سے پہچانتے جائیں گے۔ ولھذا کان مذھب النسائی۔ الخ

یہ عبارت علامہ ذہبیؒ کی نہیں ہے بلکہ یہ ابن حجرؒ کا اپنا کلام ہے اور امام نسائیؒ کے اس مذہب کو علامہ سیوطیؒ نے زہرالربی میں ص ۴ پر نقل کیا ہے موجودہ جو نسائی شائع شدہ ہے بندہ کے سامنے مکتبہ امدادیہ ملتان کی مطبوعہ ہے اس کے پہلے ہی صفحہ پر زہرالربیٰ میں یہ عبارت موجود ہے۔

مذہب نسائیؒ کی توضیح:

ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، ای الاکثر. یعنی جمیع سے مراد اکثر ہے۔
(شرح شرح النخبۃ ص ۲۳۸)

الشیخ المحدث، المحقق، عبدالفتاح ابوغدہؒ اس تشریح پر سلطان المحدثین ملا علی قاریؒ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وکان دقیقا مصیبا. (حاشیۃ الرفع ص ۱۴۱)

یہی مذہب احمد بن صالح کا ہے چنانچہ لکھتے ہیں

وقال احمد بن صالح لا یترک حدیث الرجل حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه.

(شرح الفیۃ الحدیث ص ۱۶۰)

قال یعقوب قال لی احمد مذهبی فی الرجال انی لا اترک حدیث محدث حتی یجتمع اهل مصر علی ترک حدیثه.

(تہذیب التہذیب ص ۷۷ ج ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سن طباعت ۱۳۲۶ھ)

محدث عثمانیؒ اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں قلت وھذا ایضا مذھب الحنفیۃ کما قدمناہ۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۳۵۴)

میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

89: حسن حدیث بھی احتجاج میں صحیح کی طرح ہے اگرچہ قوت میں اس سے کم ہے اسلئے ایک جماعت جیسے حاکم ابن حبان ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کی قسم میں داخل کیا ہے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے" علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں اس کو ذکر کیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا ہے" حسن کی یہ قسم اس سے احتجاج کرنے میں صحیح کے شریک ہے اگرچہ مرتبہ میں اس سے کم ہے جیسے صحیح کے کئی مراتب ہیں اور بعض بعض سے مرتبہ میں زائد ہیں اسی طرح حسن کے بھی کئی مراتب ہیں بعض بعض سے مرتبہ میں زائد ہیں ۔(ق ۷۸)

90: حدیث حسن لذاتہ اگر کئی سندوں سے مروی ہو یا ایک اور سند سے بھی مروی ہو تو وہ قوت پکڑ لیتی ہے اور درجہ حسن سے درجہ صحیح میں پہنچ جاتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں اسکو ذکر کیا ہے۔(ق ۷۸)

91: حدیث ضعیف اگر مزید کئی اور سندوں سے مروی ہو یا ایک اور سند سے مروی ہو تو ان کا مجموعہ حسن کے درجہ تک پہنچ جائے گا اور وہ قابل احتجاج ہو گی۔(ق ۷۸)

تنبیہ : یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس ضعف سے مراد وہ ضعف ہے جو راوی کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہو اور اگر ضعف راوی کے کذاب وغیرہ ہونے کی وجہ سے ہو تو ایسا ضعف ختم نہ ہو گا۔ جو ضعف ارسال ، تدلیس ، اختلاط کی وجہ سے ہو وہ بھی تعدد طرق سے ختم ہو جائے گا۔

92: حافظ جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں" جس حدیث کی دو سندیں ہوں اس سے دلیل پکڑنا جائز ہے اگرچہ ان سندوں میں سے ہر ایک ایسی حالت پر ہو کہ اس سے استدلال ناجائز نہ ہو۔ جیسے مرسل اگر دوسری سند سے متصل منقول ہو یا دوسری مرسل سند سے منقول ہو مگر اس شرط کے ساتھ جو عنقریب آ رہی ہے۔ اور تدریب میں یہ بھی ہے کہ اگر ضعف ارسال تدلیس یا جہالت رجال کی وجہ سے ہو تو دوسری سند سے حدیث کے منقول ہونے

سے وہ زائل ہو جائے گا۔اور یہ حدیث حسن لذاتہ سے کم مرتبہ میں ہوگی۔(ق۸۰)

93:حافظ ابن حجرؒ شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں ''جب کمزور حافظہ والے راوی کا کوئی متابع مل جائے خواہ وہ مرتبہ میں اس سے زائد ہو یا برابر کم نہ ہو۔اس طرح مختلط جو تمیز نہ کرسکتا ہو یا مستور اور اسناد مرسل اسی طرح مدلس جب یہ معلوم نہ ہو کس راوی کو حذف کیا گیا ہے ان تمام صورتوں میں متابع کے مل جانے سے حدیث متابع اور متابع کے مجموعہ کے لحاظ سے حسن لغیرہ ہو جائے گی۔اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک ایسی حالت میں تھا کہ اس کی روایت درست ہونے کا اور غلط ہونے کا احتمال برابر تھا جب معتبرین سے ایسی روایت آگئی جس نے دونوں مذکورہ احتمالوں میں سے ایک احتمال کو راجح کر دیا تو اس نے اس پر دلالت کر دی کہ حدیث محفوظ ہے پس یہ حدیث اس درجہ سے کہ اس میں توقف کیا جائے ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی کہ اسے قبول کیا جائے۔

تدریب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو ضعیف راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے ہو اس میں غیر کی موافقت فائدہ نہ دے گی جبکہ موافقت کرنے والا بھی اس کی مثل فاسق یا کذاب ہو ہاں البتہ اتنا فائدہ ضرور دے گی کہ اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ حدیث پر منکر یا لا اصل لہ کا حکم نہ لگایا جائے(تدریب الراوی ص104)

94:علامہ محدث عارف،علامہ شعرانی میزان کبری میں لکھتے ہیں۔جب ضعیف حدیث کے طرق کثیر ہوں تو جمہور محدثین نے اس سے استدلال کیا ہے اور کبھی تو اس کو صحیح کے ساتھ لاحق کیا ہے اور کبھی حسن کے ساتھ۔اور ضعیف کی یہ قسم سنن کبری للبیہقی میں کثرت سے پائی جاتی ہے جسے امام بیہقیؒ نے ائمہ اور ان اور ان کے اصحاب کے اقوال کے دلائل کے لئے لکھا ہے۔اس لئے کہ جب وہ کسی صحیح یا حسن حدیث کو نہیں پاتے جس سے امام یا اس کے مقلدین میں سے کسی کے قول کے لئے استدلال کریں تو وہ حدیث کو کئی سندوں سے نقل کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ان میں سے بعض بعض کو قوت دے رہی ہیں۔(ق۸۲)

95: جس حدیث پر امام ابوداود سکوت کریں وہ اس قابل ہے کہ اسے دلیل کے طور پر لیا جائے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ حکم مطلقاً لکھا ہے۔ اس پر امام المحققین الشیخ الامام عبدالفتاح ابوغدہؒ نے اپنی تعلیقات میں عمدہ بحث کی ہے۔ "یہ وہ بات ہے جو امام ابوداود نے اپنے رسالہ میں فرمائی ہے جو رسالہ انہوں نے اپنی کتاب سنن ابی داود کی تالیف کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے و مالم اذکر فیہ شیئاً فھو صالح۔ ان کا یہ قول اس کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ صالح للاحتجاج ہو اور اس کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ صالح للاعتبار ہو للاحتجاج کا مطلب کہ بطور دلیل کے لیا جا سکتا ہے۔ للاعتبار کا مطلب ہے کہ بطور تائید کے لیا جا سکتا ہے اگرچہ مستقل دلیل کے طور پر پیش نہ کیا جا سکتا ہو مصنف نے دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے اسے للاحتجاج پر محمول کیا ہے جو کہ مناسب نہیں۔ علامہ کوثریؒ نے امام ابوداود کے اسی رسالہ پر تعلیقات لکھی ہیں۔ یہ رسالہ "رسالۃ الامام ابی داود الی اھل مکۃ" کے نام سے مشہور رہے۔ اسی رسالہ کو عالم اسلام کے عظیم محقق شیخ عبدالفتاح نے اپنی تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے اس پر امام کوثریؒ کی بھی تعلیقات ہیں۔ ثلاث رسائل کے نام سے شیخ ابوغدہؒ نے تین رسائل اکھٹے شائع کئے ہیں (1) رسالۃ الامام ابی داود الی اھل مکۃ

(2) شروط الائمۃ الستۃ للمقدسی (3) شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی

امام کوثریؒ اپنی تعلیقات میں اس قول پر لکھتے ہیں کہ صالح سے کیا مراد ہے لاحتجاج یا للاعتبار۔ ان میں سے کسی ایک کی تعین کرنا قرائن کے تابع ہے جیسا کہ مشترک کا حکم ہے۔ یہ کہنا کہ مراد للاحتجاج ہے یہ امام ابوداود کے ذمہ ایسی بات کا لگانا ہے جو انہوں نے نہیں فرمائی۔ علامہ کوثریؒ اپنے مقالات میں لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد کا حدیث "اوعال" پر سکوت کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ ان کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔ اس لئے کہ اس کا معلل ہونا ظاہر ہے علامہ ذھبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں فرمایا ہے کہ امام ابوداود کا سکوت سے حدیث کا صالح للاحتجاج ہونا تب سمجھا جائے گا جب اس کا معلل ہونا ظاہر نہ ہو۔ اسی بات کو مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ نے "الاجوبۃ الفاضلۃ" میں نقل کیا ہے۔ بسا اوقات امام ابوداود حدیث کے معلل ہونے کی شہرت یا ظاہر ہونے

کی وجہ سے بھی سکوت اختیار کر لیتے ہیں اور حکم لگانا ضروری نہیں سمجھتے۔حافظ ابن حجرؒ نے ''النکت علی ابن صلاح'' میں اس پر عمدہ بحث کی ہے۔انہوں نے ذھبیؒ کے کلام کی تلخیص کی ہے اور اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہر وہ حدیث جس پر امام ابوداود سکوت فرمائیں گے وہ حسن نہیں ہوگی بلکہ وہ کئی اقسام پر ہے

(1) جو صحیحین میں ہوگی

(2) جو صحت کی شرط پر ہوگی

(3) جو حسن لذاتہ ہوگی

(4) جو حسن ہو جبکہ دوسرے طریق سے اسکی تائید ہو جائے اور اس قسم کی احادیث ان کی کتاب میں کثرت سے ہیں۔

(5) جو ضعیف ہوگی مگر اس راوی کی روایت ہوگی جس کے ضعف پر سب کا اتفاق نہیں۔

یہ تمام کی تمام اقسام امام ابوداود کے نزدیک احتجاج کے قابل ہیں جیسا کہ ابن مندہ نے امام ابوداود سے نقل کیا ہے کہ جب کسی باب میں وہ صحیح حدیث کو نہیں پاتے تو ضعیف نقل کر دیتے ہیں۔یہ وہ بات ہے جو امام ابوداودؒ سے نقل کی گئی ہے اور یہ قابل تعجب نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ امام احمدؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔کوئی بعید نہیں کہ انہوں نے یہ بات کہی ہو۔اسکے بعد حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کے طریقہ کا ضعف ظاہر ہو گیا جو ہر اس حدیث کو قابل احتجاج سمجھتے ہیں جس پر امام ابوداود خاموش ہوں۔حالانکہ امام ابوداودؒ نے ابن لھیعہ، صالح مولی التوامۃ، عبداللہ بن محمد بن عقیل موسی بن وردان، سلمۃ بن الفضل، دلھم بن صالح جیسے راویوں پر سکوت کیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر حارث ابن دحیہ، صدقہ الدقیقی، عثمان بن واقد عمری، محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی، ابو جناب الکلبی سلیمان بن ارقم، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ جیسے متروکین اور ان کی مثل پر سکوت کیا ہے۔حافظ ابن حجرؒ طویل کلام کے بعد یہی نتیجہ نکالتے ہیں

فالصواب عدم الاعتماد علی مجرد سکوتہ مما وصفنا انہ یحتج بالاحادیث الضعیفہ ویقدمھا علی القیاس

ترجمہ: درست یہی ہے کہ محض ان کے سکوت پر اعتماد نہ ہو کیا جائے اس لئے کہ جیسا ہم ذکر کر آئے ہیں کہ وہ ضعیف احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں اور انہیں قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔"

اس تمام کلام کے باوجود بڑے بڑے محققین علماء ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن پر امام ابوداود نے سکوت کیا ہو۔ نصب الرایہ للامام الحافظ الزیلعیؒ و فتح القدیر للامام الحافظ الاصولی ابن الھمامؒ میں کثرت سے اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ منذریؒ قاضی شوکانیؒ علامہ سیوطیؒ ایسی حدیث کو صالح مانتے ہیں۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا حکم اور اس کی شرائط جبکہ ضعیف حدیث صرف ایک سند سے مروی ہو اس لئے کہ جب دو یا دو سے زائد سندوں سے مروی ہو اسکا حکم گزر چکا ہے کہ وہ صحیح یا حسن کے ساتھ ملحق ہوگی:

96: صاحب درمختار، درمختار میں فرماتے ہیں "فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کر لیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدینؒ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "تاکہ اعمال پر جو فضیلت مرتب ہوتی ہے وہ حاصل ہو جائے۔ علامہ ابن حجر مکیؒ شرح اربعین میں فرماتے ہیں اگر تو حدیث صحیح ہوئی نفس الامر میں تو اسکا حق اس پر عمل کرنے سے ادا ہو گیا اور اگر صحیح نہیں تو اس پر عمل کرنے سے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کا فساد تو لازم نہیں آتا۔ اور ایک ضعیف حدیث میں یہ بھی مذکور ہے۔ اگر کسی کو میری طرف سے کسی پر ثواب کی خبر پہنچے اور وہ اس پر عمل کرلے تو اس کو اس کا اجر مل جائے گا اگر چہ میں نے بات نہ کہی ہو۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں "احکام میں بھی ضعیف احادیث پر عمل کر لیا جائے گا اس لئے کہ اس میں احتیاط ہے۔ (ق ۹۴)

97: صاحب درمختار، درمختار میں فرماتے ہیں "ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے

کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو اور کسی نہ کسی اصل عام کے تحت داخل ہو اور اس حدیث کے سنت اسکو حدیث بنانے کی وجہ سے نہیں بلکہ اصل عام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے ہے۔موضوع روایت پر عمل کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے اور نہ اس کو روایت کرنا جائز ہے الا یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کر دیا جائے۔علامہ ابن عابدین ”فرماتے ہیں کہ شدید الضعف سے مراد یہ ہے کہ اس کی کوئی سند بھی کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو۔یہ بات ابن حجرؒ نے فرمائی ہے، صاحب درمختار نے یہ جو فرمایا ہے کہ اس کی سنیت یا اس پر عمل کو سنت نہ سمجھے۔علامہ سیوطیؒ تقریب کی شرح تدریب الراوی میں فرماتے ہیں

الثالث :اس پر عمل کے وقت ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھے۔اور صاحب درمختار کا یہ قول کہ موضوع پر عمل کسی حال میں جائز نہیں ہے، خواہ فضائل اعمال میں ہی ہو۔علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں ”موضوع پر عدم عمل کا جواز اسی وقت ہے جب وہ کسی اصل عام کے تحت داخل نہ ہو رہی ہو تو اس پر عمل سے کوئی مانع نہیں ہے اور یہ عمل اس کو حدیث بنانے کی بنا پر نہیں ہوگا بلکہ اصل کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے ہوگا۔شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ فرماتے ہیں

”وقول العلامة الطحاوی هذا الایلقفت الیه بالمرة “ علامہ طحطاویؒ کے اس قول کی طرف ایک دفعہ بھی نہ دیکھا جائے۔“

98: علامہ سیوطیؒ ”تدریب الراوی میں فرماتے ہیں جب تو کسی حدیث کو ضعیف کے ساتھ دیکھے تو یہ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ اس سند کے اعتبار سے ضعیف ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا متن بھی ضعیف ہے اور نہ ہی اس کو ضعیف کہہ سکتا ہے اس لئے کہ اسکی دوسری صحیح سند بھی ہو سکتی ہے ہاں اگر کوئی امام یہ کہہ دے کہ یہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں ہے یا اسکی کوئی صحیح سند ثابت نہیں ہے یا یہ ضعیف ہے اور اسکے ضعف کا سبب بھی بیان کر دے۔اور اگر مطلقاً ضعیف کہے اور سبب ضعف بھی بیان نہ کرے اس بارے میں عنقریب کلام آئیگا۔حاصل اس کا یہ ہے اس میں توقف کیا جائے۔یہاں تک کہ اس کا حال واضح ہو جائے۔

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ اس کا حال معلوم ہو جائے گا قیاس کے موافق یا صحابہ اور تابعین کے اقوال کے موافق ہونے کی وجہ سے پہلی فصل میں ہم اس طرف اشارہ کر آئے ہیں۔(ق ۹۵)

99: ابن حزمؒ فرماتے ہیں تمام احناف اس پر جمع ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے مقدم ہے۔احادیث کو اس طرح لینا اس سے احناف کے نزدیک احادیث کی عظمت شان اور مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔محدث ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں ''احناف کو قوی مذہب ہے کہ ضعیف حدیث کو قیاس مجرد پر مقدم کرنا جو قیاس غلطی کا احتمال رکھتا ہے(ق ۹۵)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''ومن ظن بابی حنیفةؒ .ا وغیر ہ من ائمة المسلمین ،انهم یتعمعدون مخالفة الحدیث الصحیح لقیا س او غیره فقد اخطا علیهم وتکلم اما بظن واما بهوی ،فهذا ابو حنیفة یعمل بحدیث التوضی بالنبیذ فی السفر مع مخالفته للقیا س ،و بحدیث القهقهةِ فِی الصلاۃ مع مخالفة لِلقیاس لاعتقاد صحتهما ،وان کا ن ائمه الحدیث لم یصحوها ،،،(بحواله مجموع الفتاوی لابن تیمیهؒ ص 304 ج2)

ترجمہ: جو آدمی ابو حنیفہؒ یا ان کے علاوہ ائمہ مسلمین کے بارے میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر قیاس کی وجہ سے حدیث رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔اس نے ان کے بارے میں خطا کی اور یہ بات یا غلط گمان یا خواہش نفسانی کی وجہ سے کیا ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے سفر میں نبیذ تمر کے ساتھ وضو کرنے کی حدیث پر عمل کیا ہے حالانکہ وہ خلاف قیاس ہے۔اسی طرح نماز میں قہقہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس پر عمل کیا ہے حالانکہ یہ خلاف قیاس ہے۔ان احادیث کو صحیح سمجھنے کی وجہ سے حالانکہ ائمہ محدثین ان کو صحیح قرار نہیں دیتے۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ''واصحاب ابی حنیفةؒ مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفةؒ ان ضعیف الحدیث عنده اولی من القیا س والرای ،وعلی ذالک

بنی مذہبہ ،کما تقدم حدیث القھقھة مع ضعفه علی القیاس و الرای وقد م حدیث الوضو بنبیذ التمر فی السفر مع ضعفه علی الرای والقیاس ،ومنع قطع السارق بسرقه اقل من عشرة دراھم والحدیث فیه ضعیف وجعل اکثر الحیض عشرة ایام والحدیث فیه ضعیف و شرط فی اقامة الجمعة المصرو الحدیث فیه کذالک ،وترک القیا س المحض فی مسائل الابار لاثارفیھا غیر مرفوعة ،فتقدیم الحدیث الضعیف و آثار الصحابة علی القیا س والرای قوله وقول الامام احمد ،و لیس المراد بالحدیث الضعیف فی اصلاح السلف ھو الضعیف فی اصطلاح المتاخرین بل ما یسمیه المتاخرون حسنا قد یسمیه المتقدمون ضعیفا کما تقدم بیانه '(اعلام الموقعین لابن قیمؒ م ۱ ۷۵ھ ص 61 ج1)

ترجمہ: ابوحنیفہؒ کے تمام اصحاب اس پر متفق ہیں کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث مقدم علی القیاس ہے۔اس پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیا د رکھی ہے حدیث قہقہہ کو انہوں نے باوجود ضعیف ہونے کے قیاس اور رائے پر مقدم کیا ہے۔اور سفر میں نبیذ تمر سے وضو اس کو باوجود ضعف کے قیاس اور رائے پر مقدم کیا ہے۔دس درھم سے کم پر چور کے ہاتھ کاٹنے کو منع کیا ہے حالانکہ حدیث اس بارے میں ضعیف ہے۔حیض کے اکثر ایام دس دن مقرر کیے ہیں حالانکہ حدیث اس بارے میں ضعیف ہے۔جمعہ کے لئے قیام مصر کی شرط لگائی حالانکہ حدیث اس بارے میں ضعیف ہے۔اسی طرح جنگلی تالابوں کے بارے میں قیاس محض کو ترک کر دیا۔ان آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے جو اس بارے میں منقول ہیں۔حدیث ضعیف آثار صحابہ کو قیاس پر مقدم کرنا ابوحنیفہؒ اور احمد کا قول ہے۔حدیث ضعیف سے مراد وہ حدیث جو سلف کی اصطلاح میں ضعیف ہے نہ کہ متاخرین کی اصطلاح میں ضعیف ہے بلکہ متاخرین اسکو حسن کہتے ہیں اور متقدمین اسکو ضعیف جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "وقد ترک ابوحنیفة القیاس لرواته ابی هریرةؓ وامثاله کما فی الوضو بنبیذ التمر ومن القهقهة فی الصلاة (فتح الباری ص 305 ج4 بحواله التعلیقات علی الرفع)

ترجمہ: ابوحنیفہؒ نے ابوہریرہؓ اور ان کی مثل روایات کی وجہ سے قیاس جلی کو چھوڑ دیا جیسا کہ نبیذ تمر سے وضو اور وضو من القہقہہ فی الصلاۃ وغیرہ میں۔

100: اور تدریب الراوی میں ہے ابن مندہ نے حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے محمد بن سعد الباوردی سے سنا کہ امام نسائیؒ کا مذہب یہ تھا کہ ہر اس راوی کو لے لیتے تھے جس کے ترک پر تمام محدثین کا اتفاق نہ ہو۔ ابن مندہ کہتے ہیں کہ امام ابوداودؒ بھی امام نسائی کی طرح کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں ضعیف حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہ ہوتی تو ایسے ہی نقل کر دیا کرتے تھے اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ ضعیف حدیث قیاس سے قوی تھی، یہی رائے امام احمدؒ کی تھی۔ اس لئے وہ بھی اس وقت تک قیاس نہ کرتے تھے جب تک نص ہوتی جب نص نہ ملتی پھر قیاس کرتے (ق ۹۷)

101: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں ضعیف سے مراد وہ نہیں ہے جس میں ضعف شدید ہو اسلئے کہ اس پر عمل بالکل نہ ہوگا جیسا کہ ہم درمختار کے حوالہ سے نقل کر آئے اور اس سے کوئی چیز ثابت نہ ہوگی بلکہ مراد اس سے وہ ہے جو ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں بیان کر دیے۔ جب انہوں نے امام احمدؒ کو جو انکے فتاوی میں اصول ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ ابن قیمؒ ان اصولوں کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

102: چھوتھا اصول یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی حدیث نہ مل رہی ہو تو مرسل اور ضعیف حدیث پر عمل کر لیا جاتا ہے اور وہ اسے قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک جو ضعیف ہے اس سے مراد باطل یا منکر روایت نہیں ہے اور نہ وہ سند ہے کہ جس کی سند میں متھم بالکذب راوی ہو۔ اس لئے کہ اس پر تو عمل جائز نہیں ہے۔ بلکہ امام احمدؒ کے نزدیک ضعیف حدیث صحیح کی قسم ہے اور حسن کی اقسام میں سے ایک ہے۔ وہ حدیث کی تقسیم صحیح، حسن اور ضعیف کی طرف نہیں کرتے بلکہ صحیح اور ضعیف

کی طرف کرتے ہیں۔اور ضعیف کے انکے نزدیک کئی مراتب ہیں۔اگر حدیث کے کوئی دوسری حدیث اس مسئلہ میں خلاف نہ ہو اور نہ اسکے راوی کا قول اسکے خلاف ہو اور نہ اجماع اسکے خلاف ہو تو ایسی حدیث پر عمل قیاس سے مقدم ہے۔اور ائمہ میں سے کوئی امام بھی ایسا نہیں ہے جو اس اصول میں امام احمدؒ کے موافق نہ ہو اس لئے کہ کوئی امام بھی ایسا نہیں ہے جس نے ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم نہ کیا ہو (ق ۱۰۰)

103: حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔حسن کی اصطلاح ترمذی کی اصطلاح ہے۔امام ترمذیؒ کے علاوہ محدثین کے نزدیک سوائے صحیح اور ضعیف کے کوئی قسم نہیں۔ضعیف ان کے نزدیک وہ ہے جو صحیح کے درجہ سے کم ہو۔پھر وہ کبھی متروک ہوگی کہ اس کا راوی متھم بالکذب ہو یا کثیر الغلط ہو۔اور کبھی وہ حسن ہوتی ہے جبکہ اس کا راوی متھم بالکذب نہ ہو۔امام احمدؒ کے قول کا یہی معنی ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل قیاس سے مقدم ہے۔(احیاء السنن بحوالہ التحفۃ المرضیہ)(ق ۱۰۰)

104: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ ابن تیمیہؒ کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے جب راوی متھم بالکذب نہ ہو یا فاحش الغلط نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہے۔ہمارے اصحاب کی کلام ''ان الحدیث الضعیف مقدم علی القیاس'' میں ضعیف سے مراد وہ ہے جسے متاخرین ضعیف قرار دیتے ہوں اور فی نفسہ وہ حسن لغیرہ ہوتی ہے جبکہ شواہد وغیرہ سے تائید ہو جائے۔اور جن احادیث کو ابن قیمؒ نے ان ضعیف احادیث کی مثال میں پیش کیا ہے جن کو امام ابوحنیفہؒ نے قیاس پر مقدم کیا ہے ان کی اگر تو تحقیق کرلے تو ان تمام کو تو حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ پائے گا۔جیسا کہ تیرے اوپر ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ان شاء اللہ تعالیٰ (ق ۱۰۸)

105: حدیث ضعیف اور حدیث مضعف کے درمیان فرق:

حدیث ضعیف سے فضائل کے علاوہ احکام میں استدلال جائز نہیں حدیث مضعف سے جائز ہے علامہ قسطلانیؒ ارشاد الساری میں فرماتے ہیں مضعف وہ ہے جس کے ضعف پر اتفاق نہ ہو۔بلکہ اس کی سند یا متن بعضوں کے نزدیک ضعیف ہو اور بعضوں کے نزدیک قوت ہے یہ ضعیف

سے اعلی ہے۔ بخاری میں بھی اس قسم کی روایات موجود ہیں یہ بات مسند امام اعظمؒ کے مقدمہ جو فضلاء میں سے کسی کا ہے اس سے نقل کی جاتی ہے۔ (ق ۱۰۹)

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مآل وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ مختلف فیہ حدیث حسن ہوتی ہے۔

106: تدریب الراوی میں ہے کہ حاکمؒ نے فرمایا صحیح حدیث کی دس قسمیں ہیں پانچ متفق علیہ ہیں پانچ مختلف فیہ ہیں۔ پہلے انہوں نے متفق علیہ اقسام کو ذکر کیا ہے پھر کہا مختلف فیہ اقسام درج ذیل ہیں۔ (1) مرسل (2) مدلسین کی احادیث جن میں سماع کی صراحت نہ ہو (3) جس کو ایک ثقہ مسند بیان کرے دوسرا مرسل (4) ان ثقات کی روایات جو حافظ اور عارف نہیں ہیں۔

(5) سچے بدعتیوں کی روایات۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی اور دوسری قسم تو اسی طرح ہے جس طرح کہی۔ تیسری پر علائی نے اعتراض کیا ہے کہ صحیحین میں بھی بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کے وصل وارسال میں اختلاف ہے۔ چوتھی کے بارے میں علائی نے کہا کہ اگر اس میں قبولیت کی شرائط پائی جائیں تو اسکا مقبول اور صالح للاحتجاج ہونا متفق علیہ ہے مختلف فیہ نہیں ہے راوی کا حافظ ہونا شرط نہیں ہے ورنہ تو اکثر رواۃ کی روایت قابل قبول نہیں ہو گی۔ پانچویں قسم اگر چہ مختلف فیہ ہے لیکن صحیحین میں بھی سچے بدعتیوں کی ایک جماعت سے روایات موجود ہیں جو بدعتی معرفت حدیث میں مشہور ہے اور بدعت کی وجہ سے مردود نہیں ہے۔ فرمایا ''پانچ مختلف فیہ اقسام میں سے ایک مجہول العدالۃ کی روایت رہ گئی ہے''۔ (ملخصاً من التدریب)

107: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں خلاصہ کے طور پر دو چیزیں معلوم ہوئی ہیں۔

(1) صحیحین میں بھی ایسی احادیث موجود ہیں جن کی تصحیح میں اختلاف ہے

(2) مرسل اور مدلس کی روایت جسمیں سماع کی تصریح نہ ہو اور مجہول العدالۃ کی روایت

صحیح کی مختلف فیہ اقسام سے ہے۔بعض نے ان کو صحیح کہا ہے بعض نے ان کو ضعیف پس یہ معضعف ہونگی نہ کہ ضعیف فافھم (ق۱۱۰)

108: محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔استحباب ضعیف حدیث جو کہ موضوع نہ ہو اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔اسی طرح ہمارے شیخ کی کتاب جامع الآثار میں ہے۔میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں یہ اس طرح ہے جیسا کہ ہم نے سیوطیؒ سے نقل کیا ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام میں بھی عمل کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں احتیاط ہے۔(ق۱۱۱)

109: التعلیق الحسن میں ہے کہ ضعیف حدیث تقویت دینے کے لئے کافی ہے دوسرے مقام پر ہے ضعیف حدیث تقویت کی صلاحیت رکھتی ہے۔میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں یہ بات محدثینؒ کے نزدیک اتفاقی ہے اس لئے کہ مرسل ان کے نزدیک ضعیف ہے اور اگر دوسری سند بھی مرسل یا مسند مل جائے تو قوت حاصل ہو جائے گی۔جیسا کہ عنقریب آئے گا اور تدریب الراوی کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرنا جس کی دو سندیں ہوا گرچہ ان میں سے ہر ایک حجت ہونے کی صلاحیت نہ رکھے اس سے استدلال کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔(ق۱۱۱)

110: امام بیہقیؒ نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ اپنی تصانیف میں ایسی احادیث کو نہیں لاتے جس کے موضوع ہونے کا انہیں علم ہو، یہ بات علامہ سیوطیؒ نے تدریب میں نقل کی ہے اور اللآلی المصنوعہ میں اس حدیث سے اعتراض کو رفع کرنے کے بعد جس کو ابن الجوزیؒ نے موضوع سے شمار کیا ہے۔اعتراض کو رفع کرنے کے بعد لکھتے ہیں "جب تو نے یہ بات جان لی کہ اس کی سند میں ابراھیم بن زکریا العجلی ہے جو کو ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے نہ کہ واسطی جس کو ضعفا میں نقل کیا ہے اور حدیث کا مجروح ہونا جس کی وجہ سے ہے تو تو نے حدیث کا موضوع ہونے سے نکل جانا جان لیا اور بیہقیؒ کی جلالت شان کو بھی جانتا ہے کہ انہوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ اپنی کتب میں موضوع احادیث نقل نہیں کرتے۔(ق۱۱۲)

111: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسی طرح منذریؒ نے بھی التزام کیا ہے کہ وہ بھی الترغیب والترہیب میں ایسی احادیث نقل نہیں کرتے جن کے بارے میں کہا گیا ہو۔کہ وہ ان احادیث میں سے ہے جن کا موضوع ہونا محقق ہے۔جیسا کہ علامہ منذریؒ کے الترغیب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔پس جن احادیث پر علامہ منذریؒ نے سکوت اختیار کریں یا ان پر صرف ضعف کا حکم ہو تو ایسی احادیث کو بطور تائید کے ذکر کرنا جائز ہے۔(ق ۱۱۴)

112: ابن جوزیؒ فرماتے ہیں احادیث کی چھ اقسام ہیں۔ا۔جس پر بخاری مسلم متفق ہوں یہ انتہا درجہ کی صحیح ہوں گی۔۲۔جس کو صرف بخاری یا مسلم نقل کرے۔۳۔جس کو ان دونوں میں سے کسی نے نقل نہ کیا ہو مگر اس کی سند صحیح ہو۔۴۔جس میں ضعف ہو مگر وہ قابل برداشت ہو۔۵۔جو شدید ضعف والی ہو انتہائی کم درجہ میں ہو۔یہ وہ جس کے درجات علماء کے ہاں متفاوت ہیں بعض تو اس کو حسن کے قریب سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں انتہائی تنزل نہیں ہے اور بعض اس کو شدید تنزل میں سمجھتے ہیں اس کو موضوعات سے لاحق کر دیتے ہیں۔ایسی قسم کی احادیث میں میں نے ایک کتاب ''العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ'' جمع کی ہے۔۶۔جن کا جھوٹا ہونا یقینی ہے اس قسم کی احادیث میں میں نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں جمع کی ہے۔یہ سارا کلام ابن جوزیؒ کا ہے۔(ق ۱۱۵)

113: سیوطیؒ فرماتے ہیں ''ہم نے جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ سب نقل کر دیا ہے تو اب ہم اس پر اضافہ کرتے ہیں۔پس بعض تو ان میں سے وہ ہوں گی جن کا موضوع ہونا یقینی ہے۔بعض ان میں سے وہ ہوں گی جن کے موضوع ہونے پر حافظ نے تنبیہ کی ہوگی لیکن میرا اس میں اختلاف ہوگا پس میں اپنا اختلاف نقل کر دوں گا تا کہ اس میں غور و فکر کیا جا سکے۔یہ کلام علامہ سیوطیؒ کی کتاب اللآلی المصنوعہ'' سے نقل کی گئی ہے۔(ق ۱۱۵)

114: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اس سے تجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابن جوزیؒ نے العلل المتناھیہ'' میں جتنی روایات نقل کی ہیں سب کی سب ایسی نہیں ہیں کہ انکے شدید ضعف

ہونے پر اجماع ہو بلکہ اس میں ایسی روایات بھی ہیں کہ جن میں علماء کا اختلاف ہے اور وہ انہیں حسن کے درجہ کے قریب سمجھتے ہیں۔اس پر خوب غور کرلو۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ضعف کے دو درجے ہیں ایک وہ کہ اس کی شدت ضعف پر علماء کا اتفاق ہو دوسرا وہ کہ جس میں اختلاف ہو پہلی بات بالکل حجت نہیں ہے دوسری بات قابل حجت ہے۔فافھم۔(ق ۱۱۵)

115: حدیث مقبول کے بارے میں محدثین کے نزدیک جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں

الجید،القوی،الصالح،المعروف،المحفوظ،المجود،الثابت،جید کے بارے میں ابن صلاح کی کلام نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن صلاحؒ جید اور صحیح کے درمیان برابری کے قائل ہیں۔اور ترمذیؒ میں طب کے باب میں ہے ھذا حدیث جید حسن۔اور اسی طرح ترمذی کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا ہے۔ان کے نزدیک جید اور حسن میں کوئی فرق نہیں ہے۔مگر ان میں سے ماہرین صحیح کے بجائے جید کا لفظ بغیر کسی نکتہ کے استعمال نہیں کرتے۔جیسا کہ اس کے نزدیک حدیث حسن لذاتہ کے مرتبہ سے ترقی کر جائے اور صحیح کے مرتبہ پر پہنچنے میں بھی تردد ہو۔پس اس کے لئے ایسا وصف استعمال کرنا ہوگا جو صحیح کے وصف سے مرتبہ میں کم ہو اور اسی طرح القوی کا لفظ ہے۔(ق ۱۱۶)

116: اور صالح کا لفظ صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے۔اس لئے کہ یہ دونوں احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں۔اسی طرح یہ ضعیف حدیث کے بارے میں جو اعتبار کی صلاحیت رکھے۔(ق ۱۱۶)

117: اور معروف منکر کا مقابل ہے اور محفوظ شاذ کا مقابل ہے اس کی تقریر عنقریب اس کے مقام پر آجائے گی۔المجود بھی حسن اور صحیح کو شامل ہے۔(ق ۱۱۶)

118: اور انہی الفاظ میں سے المشبہ کا لفظ بھی ہے اس کا اطلاق حسن اور اسکے قریب کی

حدیث پر ہوتا ہے۔اس کی نسبت حسن کے ساتھ ایسے ہی ہے جیسے جید کی نسبت صحیح کے ساتھ ہے(ق ۱۱۶)

119:جب ہم کتب فقہ میں کوئی ایسا قول پائیں گے جس کی موافقت کوئی ایسی حدیث کررہی ہو جسے ائمہ فن میں سے کسی نے نقل کیا ہو تو یہ ظن غالب ہو جائے گا کہ یہ حدیث ہمارے ائمہ کو پہنچی ہے اور شائد وہ اس کی سند پر بھی مطلع ہو گئے ہوں گے جو اس قابل ہو کہ اس سے استدلال کیا جائے اور اس سند پر ہمارا مطلع نہ ہونا اس کے ضعف اور مردود ہونے کو مستلزم نہیں ہے ہماری نظر کے کوتاہ اور تعداد کے قلیل ہونے کی وجہ سے۔اس لئے کہ بہت سی احادیث اور اسماء الرجال کی کتب ایسی ہیں کہ اس زمانے میں ان کے نام کے سوا کچھ باقی نہیں بچا۔اور ہم ان کی ذات پر واقف نہیں ہو سکے۔اور اگر اس حدیث کا ضعیف ہونا تسلیم کرلیا جائے تو فقہا کے قیاس کا اس کے موافق ہونا اس کی قبولیت کو راجح کرتا ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔آنے والی فصلوں میں ہم انکی دلیل کو ذکر کریں گے۔اور اللہ جزا دے جو اس عظیم کام میں ہماری مدد کرے۔اور ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔(ق ۱۱۷)

رفع ،وقف ،وصل ،قطع ،اور صحابہ اور کبار تابعین کے اقوال کے حکم کے بارے میں اور ثقہ کی زیادتی کے بارے میں۔

120:علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں جب بعض ثقہ حدیث کو مرسل نقل کریں اور بعض متصل یا بعض موقوف نقل کریں اور ان میں سے بعض مرفوع یا ایک ہی ثقہ راوی کبھی موصول نقل کرے کبھی مرسل کبھی مرفوع نقل کرے کبھی موقوف تو محدثین اور فقہاء اور اصولین کے نزدیک حکم اس کے مطابق لگایا جائے گا جو اس کو موصول یا مرفوع بیان کرے۔عام ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا حافظہ اور اتقان میں اس کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو۔اس لئے کہ رفع اور وصل زیادۃ ثقہ ہے۔اور زیادۃ ثقہ مقبول ہے۔(ق ۱۱۸)

121: اور امام نوویؒ اپنے مسلم شریف کی شرح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں ”جب اس کو بعض ثقہ ضابطین متصل نقل کریں اور بعض مرسل یا بعض انہیں سے موقوف نقل کریں اور بعض مرفوع یا وہ راوی خود ہی کبھی موصول یا مرفوع نقل کرے اور کبھی مرسل یا موقوف نقل کرے۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ محدثین میں سے محققین نے اور فقہانے جسے کہا ہے اور اصحاب اصول نے اور خطیب نے جسے صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ حکم اس پر ہوگا جو اس کو موصول یا مرفوع بیان کرے عام ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا اس کی مثل ہو یا اس سے زیادہ ہو عدالت وغیرہ میں یا زیادہ حافظہ والا ہو اس لئے کہ یہ زیادتی ثقہ کی زیادتی ہے اور یہ مقبول ہے۔ (ق ۱۱۸)

122: اور اسی طرح باب صلوٰۃ الیل“ میں فرمایا ہے صحیح وہ ہے جس پر فقہا اور اصولین اور محققین محدثین ہیں کہ جب حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہو یا موصول اور مرسل دونوں طرح مروی ہو تو حکم مرفوع اور موصول ہونے کا لگایا جائے گا اس لئے کہ زیادتی ثقہ ہے عام ہے کہ مرفوع یا موصول بیان کرنے والا تعداد اور حافظہ کے اعتبار سے زیادہ ہو یا کم۔ (ق ۱۱۹)

123: اس سے تیرے لئے یہ بات واضح ہوگئی کہ رفع اور وصل یہ ایسی زیادتی ہے جو ارسال اور وقف کے منافی نہیں ہے وگرنہ مقبول نہ ہوتی اگرچہ مرفوع بیان کرنے والا ثقہ ہی کیوں نہ ہوتا اس لئے کہ ثقہ کی زیادتی اس وقت مقبول ہے جب جماعت کی روایت کے مخالف نہ ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (ق ۱۱۹)

124: علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں ”ماوردی نے فرمایا جو حدیث مرفوع اور صحابی پر موقوف بیان ہو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ کبھی صحابی حدیث کو روایت کرتا ہے اور کبھی اس کے موافق فتوی بھی دیتا ہے۔ (ق ۱۱۹)

125: حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں ”حدیث صحیح اور حدیث حسن کے راویوں کی زیادتی مقبول ہے جب تک وہ اپنے سے زیادہ ثقہ جس نے اس زیادتی کو نقل نہیں

کیا اس کی روایت کے مخالف نہ ہو۔اس لئے کہ کبھی زیادتی ایسی ہوگی کہ اس کے اور اس شخص کی روایت جس نے زیادتی کو نقل نہیں کیا کوئی منافات نہیں ہوگی پس ایسی زیادتی تو مطلقاً مقبول ہوگی اس لئے کہ یہ مستقل حدیث کے حکم میں ہوگی کہ جسے صرف ثقہ نقل کرے اس کے شیخ سے اس کے علاوہ کوئی اس کو نقل کرنے والا نہ ہو۔یا وہ روایت منافی ہوگی بایں طور کہ اگر اس کو قبول کرلیا جائے تو دوسری روایت کو رد کرنا لازم آئے گا۔پس اس صورت میں اس روایت اور اس کی معارض روایت میں ترجیح کی جائے گی راجح کو قبول اور مرجوح کو رد کردیا جائے گا۔اور تمام علماء سے بغیر کسی تفصیل کے مطلقاً زیادتی کو قبول کرنے کا قول مشہور ہے۔(ق ۱۲۰)

126: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں ابن حجرؒ کی کلام یہ حسن حدیث کے راوی کی زیادتی کے بھی مقبول ہونے پر دلالت کرتی ہے۔پس سیوطیؒ نے جو تدریب الراوی اور نوویؒ نے جو شرح مسلم وغیرہ میں کہا ہے کہ جب بعض ثقات ضابطین زیادتی کو نقل کریں تو مقبول ہوگی۔'' اس سے مراد عام ہے جو صحیح اور حسن دونوں کے رواۃ کو شامل ہے۔پس صحیح کا راوی تو وہ ہے جو عام ہو تام الضبط ہو اور حسن کا راوی وہ ہے جس میں صحیح کی شرائط تو پائی جائیں صرف ضبط میں کمی ہو۔جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر میں مذکور ہے۔(ق ۱۲۲)

127: اور یہ بات ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ جس راوی کی توثیق وتضعیف میں اختلاف ہو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے۔پس اس کی زیادتی مقبول ہوگی اس لئے کہ وہ حسن کے راویوں میں سے ہے۔فلیتنبہ لذالک (ق ۱۲۲)

128: اور ملا جیونؒ ''نور الانوار'' میں لکھتے ہیں اگر دو خبروں میں سے ایک میں زیادتی ہو تو اگر تو ان کا راوی ایک صحابی ہی ہو تو جو زیادتی ثابت کر رہا ہے اس کی روایت کو لیا جائے گا اور اگر صحابی جدا جدا ہوں تو انہی دو حدیثیں سمجھا جائے گا اور دونوں پر عمل کیا جائے گا۔جیسا کہ ہمارا مذہب کہ مطلق کو مقید پر دو حکموں میں محمول نہیں کیا جائے گا۔(ق ۱۲۲)

129: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ یہ اصول مقید ہے جب زیادتی منافی نہ ہو جیسا کہ ظاہر

ہے اور اس میں مزید تفصیل بھی ہے جو عنقریب آئے گی۔(ق ۱۲۲)

130: حسن اور صحیح کے راوی کا تفرد جب اس روایت کے خلاف ہو جیسے ثقات کی ایک جماعت نقل کر رہی ہو تو مقبول نہ ہوگا اور اس روایت کو شاذ کہیں گے۔(ق ۱۲۳)

131: حافظ ابن حجرؒ شرح نخبۃ الفکر میںؒ لکھتے ہیں "شاذ وہ ہے جس کو مقبول روایت کرے اپنے سے اولی کی مخالفت کرتے ہوئے۔ اصطلاحی اعتبار سے شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے (ق ۱۲۳)

132: ابن الحنبلیؒ قفو الاثر میں لکھتے ہیں "گزرے ہوئے پر قیاس کرتے ہوئے جب ضعیف ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی روایت مقبول نہ ہوگی۔(ق ۱۲۳)

133: بعض محدثین مطلق زیادتی کے رد کرنے کی طرف گئے ہیں۔ امام صاحب کے بڑے بڑے اصحاب سے یہ نقل کیا گیا ہے اور ابن الساعاتی وغیرہ احناف کے ہاں مختار یہی ہے کہ جب عادل راوی زیادتی نقل کرے تو اس کی مخالفت نہیں کی جائے گی جیسا کہ نقل کیا جائے نبی اقدس ﷺ گھر میں داخل ہوئے پس زیادتی کر دے کہ نماز پڑھی۔ اگر تو مجلس مختلف ہے تو بالاتفاق قبول ہے اور اگر مجلس ایک ہی ہو اور زیادتی نہ کرنے والے اس قدر تعداد میں ہوں کہ جو زیادتی منقول ہے اس سے ان کی غفلت متصور نہ ہو تو ایسی صورت میں زیادتی مقبول نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اس قدر تعداد میں نہ ہوں تو مقبول ہوگی۔(ق ۱۲۳)

جمہور قبول کرتے ہیں بعض محدثین قبول نہیں کرتے امام احمدؒ کا مذہب ایک روایت میں یہ منقول ہے اور اگر مجلس کا حال معلوم نہ ہو کے ایک ہی ہے یا مختلف تو اس کا قبول کرنا اولی ہے جب کہ اس شرط کے ساتھ منقول ہو۔ اور اگر زیادتی مخالف ہے تو ظاہر ہے کہ تعارض ہے اس سے تجھے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جب زیادتی مخالف نہ ہو تب بھی احناف اسے مطلقاً قبول نہیں کرتے بلکہ شرائط کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔(ق ۱۲۴)

134 تتمہ: اگر شاذ کا کوئی متابع یا شاہد مل جائے تو اس کا شذوذ ختم ہو جائے گا اور وہ صالح للاحتجاج ہو جائے گی۔ جس راوی کی روایت اکیلے تو مقبول نہ ہو بلکہ اس کا شمار ضعفاء میں ہوتا ہو ایسے راوی کی روایت بھی متابعت اور استشہاد میں قبول کر لی جائے گی۔ بخاری اور مسلم میں ضعفا کی ایک جماعت ہے جسے انہوں نے متابعات اور شواہد میں پیش کیا ہے۔ ہر ضعیف بھی متابعت اور استشہاد میں مقبول نہیں ہوتا۔ یہی وہ ہے کہ دار قطنی وغیرہ ضعفاء کے بارے میں کہتے ہیں فلان یعتبر بہ۔ یعنی اسکا اعتبار ہے۔ **فلان لایعتبر بہ** ۔یعنی اسکا اعتبار نہیں ہے۔ قفوالاثر میں اس طرح منقول ہے اور اسی کی مثل تدریب الراوی میں ہے۔ (ق ۱۲۴)

135: انقطاع کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ظاہری۔ ۲۔ باطنی۔ ظاہری جیسے مرسل ہونا اور اسکا بیان عنقریب آرہا ہے باطنی کی پھر دو قسمیں ہیں۔

اول: جس میں ظاہری اتصال ہو لیکن کسی دوسری وجہ سے خلل واقع ہو اور وہ راوی میں شرائط کا نہ پایا جانا۔ حکم اس کا یہ ہے کہ کافر فاسق بچے مجنون شدید غفلت والے کی خبر قابل قبول نہ کی جائے گی یہ اپنے مراتب کے اعتبار سے ضعیف ہے ہم اس کے احکام نقل کر آئے ہیں اور باقی احکام جرح وتعدیل کے قواعد کے تحت بیان ہوں گے۔ (ق ۱۲۴)

136: دوسری قسم: جس میں خلل اپنے سے اوپر کی دلیل کی مخالفت کی وجہ سے ہو جب اس پر پیش کی جائے۔ بایں طور کہ کتاب اللہ کے مخالف ہو۔ اور کتاب اللہ اپنے معنی پر قطعی الدلالت ہو تو خبر مردود اور منقطع ہو گی اور جب کتاب اپنے معنی پر قطعی الدلالۃ نہ ہو اور حدیث سند صحیح کے ساتھ نقل کی جائے پس اس وقت حدیث کو ترک نہیں کیا جائے گا، بلکہ آیت کی تاویل کی جائیگی اور خبر پر عمل کیا جایا گا۔ اسی طرح نور الانوار اور اسکے حاشیہ میں ہے۔ (ق ۱۲۵)

137: اسی طرح خبر واحد جب سنت متواتر یا مشہور کے خلاف ہو تب بھی قابل قبول نہ ہو گی۔

138: اور اسی طرح جب حادثہ مشہورہ کے متعلق ہو اور وہ جماعت کی روایت کے خلاف ہو۔ جیسے ایک جماعت روایت کرتی ہے کہ نبی اقدس ﷺ نماز میں بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھتے تھے اور ایک جماعت روایت کرے کہ بلند آواز سے پڑھتے تھے تو یہ مقبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ نماز کا مشہور واقعہ ہے روزانہ پیش آنے والا ہے اور ہزاروں آدمی اس میں حاضر ہوتے تھے اور سوائے ایک کے کسی نے بسم اللہ جہراً کہتے نہیں سنا۔ یہ تعجب خیز بات ہے اور ''التوضیح'' میں ہے کہ کبھی انقطاع ایسے ہوتا ہے کہ عام پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں روایت شاذ ہوتی ہے (ق ۱۲۵)

139: اور اسی طرح جب قرن اول یعنی صحابہ کرام کے زمانہ کے ائمہ نے اس سے اعراض کیا ہو اس لئے کہ جب وہ اس حدیث کی طرف توجہ نہیں کر رہے بلکہ قیاس سے مسئلہ نکال رہے ہیں تو یہ اس کے انقطاع کی دلیل ہے اس ساری بحث کو منار اور نور الانوار میں نقل کیا ہے۔ (ق ۱۲۵)

نوٹ: تفصیل کے لئے بندہ کی کتاب نور الانوار کی شرح جامع الاسرار کا مطالعہ کریں۔

140: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسی طرح صحابہ کا کسی فعل کو اس کے دواعی کے کثرت سے پائے جانے کے باوجود نہ کرنا اس فعل کے مکروہ، (خواہ کراہت تنزیہی ہی کیوں نہ ہو) ہونے پر دلیل ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس فعل کے بارے میں جو مروی ہے وہ ضعیف ہے۔ اس لئے کہ یہ تصور مشکل ہے کہ وہ مشروع ہو اور صحابہ اسکا اہتمام نہ کریں اور اس سے اعراض کریں چہ جائیکہ وہ مندوب ہو۔ اسی طرح حدیث کا صحابہ تابعین کے زمانہ میں متروک العمل ہونا اس کے منسوخ یا ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ منار کی کلام مذکورہ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ تلویح میں اسی طرح کی صراحت ہے۔ (ق ۱۲۶)

دوسرا وہ انقطاع ہے جو صحابہ کے اعراض کے سبب کے معارض ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کا جو اس کے عدم قبول پر اجماع ہے یہ اس کے معارض ہے۔ پس اسکو سہو یا

منسوخ ہونے پر محمول کیا جائے گا۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس راوی کے غیر کا اتفاق مراد ہے اس لئے کہ اگر یہ بھی متفق ہو پھر تو لامحالہ اس سے دلیل پکڑی جائے گی۔

141:اس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ ہمارے نزدیک راوی کی عدالت اور ضبط کے ساتھ ساتھ حدیث کے لئے یہ بات بھی شرط ہے کہ وہ کتاب اللہ کے قطعی مفہوم اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو اور نہ اس سے قرن اول میں اعراض کیا گیا ہو اور نہ قرن اول متروک العمل ہو،اور نہ عموم بلوٰی یعنی عام پیش آنے والے واقعہ میں ایک آدھ اس کو روایت کرنے والا ہو بلکہ ظاہر ہو پھیلی ہوئی ہو۔پس اسکو یاد کرلے یہ انتہائی نفع کی چیز ہے۔اور ہمارے اصحاب نے اس پر دلائل قائم کرنے سے ہم کو مستغنی کردیا ہے اس لئے کہ وہ اپنی کتب میں اس کام کو کر چکے ہیں ۔(ق۱۲۶)

نوٹ:جامع الاسرار شرح نورالانوار کو دیکھنے سے مقصود ان شاءاللہ حاصل ہو جائے گا۔

142:جان لے کہ سنۃ کا لفظ ان کے نزدیک مرفوع میں داخل ہے ابن عبدالبرؒ التقصی ’’میں لکھتے ہیں صحابہ جب سنت کے لفظ کا اطلاق کرے تو اس سے مراد نبی ﷺ کی سنت ہوتی ہے ۔اسی طرح اگر غیر صحابی سنت کے لفظ کا اطلاق کرے اور اس کو اس کے صاحب کی طرف جیسے سنت العمرین وغیرہ کہنا۔یہ نہ کہے بلکہ مطلق سنت کا لفظ کہے تو اس مراد بھی مرفوع ہوتی ہے۔ابن عبدالبرؒ کی کلام ختم ہوتی اسی طرح علامہ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں لکھا ہے۔

143:اسی طرح صحابی کا قول ’’اصبت السنۃ‘‘ یا اصبت سنۃ ابی القاسم‘‘ ہے یعنی مرفوع ہونے کے حکم میں ہے۔محاسن البلقینی جو کہ شافعیہ کی کتب سے ہے۔اس میں ہے کہ یہ ان کے قول من السنۃ کذا کے معنی میں ہے۔اور اگر کہیں کذا نفعل اور اس کو آپ ﷺ کے زمانہ کی طرف منسوب نہ کریں۔وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ہم میں سے سراج ہندی کے ہاں بھی مختار یہی ہے۔کہ جب وہ اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب کرے تو وہ مرفوع اور یقینی طور پر حجت ہے۔اور اگر منسوب نہ کرے تب بھی ظاہر یہی ہے کہ کنا نفعل کذا یا کانوا یفعلون کذا سے مراد تقریر ہی ہے۔تو

ظاہر یہی ہے کہ وہ مرفوع ہوگی اور حجت ہوگی۔کذافی قفوالاثر۔(ق ۱۲۷)

144: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ اسی طرح صحابی کا ایسا قول جو کتب قدیمہ سے نہ ملتا ہو اور نہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور نہ اس کا تعلق بیان لغت یا غریب لفظ کی شرح کے ساتھ ہو تو ایسا قول بھی حکماً مرفوع ہے جیسا کہ قفوالاثر میں منقول ہے۔(ق ۱۲۸)

145: اور اگر اسی طرح تابعی کہے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا اور وہ بھی حکماً مرفوع ہوگی لیکن صحابی کے نام کے محذوف ہونے کی وجہ سے وہ مرسل ہوگی۔اس کی دلیل تدریب الراوی کی یہ عبارت ہے۔بہر حال اس کا قول جس نے کہا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع ہے وہ حاکم ہے اور مستدرک میں یہ بات کہی ہے۔چاہیے کہ طالب حدیث جان لے کہ اس صحابی کی تفسیر جو وحی اور قرآن اترنے پر حاضر تھا شیخین کے نزدیک حدیث مسند ہے۔یہ اصول اس تفسیر کے متعلق ہے جس کا تعلق نزول آیت وغیرہ کے سبب کے ساتھ ہو یا اس کی مثل کہ جس کا نبی اقدس ﷺ کے علاوہ جان لینا ممکن نہ ہو اور نہ اجتہاد کا اس میں دخل ہو سکتا ہو۔اور اس کے علاوہ موقوف کے حکم میں ہوگی۔

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسی طرح تابعی کے بارے میں کہا جائے گا فرق یہ ہوگا کہ اس کی مرفوع کو مرسل کہیں گے۔اور یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ جس میں رائے کو دخل نہ ہو اس میں تفسیر اور غیر تفسیر برابر ہے۔(ق ۱۲۸)

یعنی خواہ تفسیر ہو یا غیر تفسیر جس میں رائے کو دخل نہیں ہو سکتا وہ مرفوع کے حکم ہوگی۔

146: جب تابعی کہے کانوا یفعلون کذا کانوا یقولون کذا لا یرون بذلک باسا ظاہر یہی ہے کہ یہ اضافت صحابہ کی طرف ہے الا یہ کہ اس کے علاوہ پر دلیل قائم ہو جائے۔اور یہ بات تتبع کرنے سے ظاہر ہوئی ہے۔اور اسی طرح جب تابعی کہے سلف اس طرح کرتے تھے یا سلف ایسے کہتے تھے تابعین کے کلام میں سلف کا اطلاق سوائے صحابہ کے کسی پر نہیں ہوتا اور بعد والوں کی کلام میں سلف کا اطلاق صحابہ و تابعین دونوں پر ہوتا ہے۔(ق ۱۲۸)

147: صحابی مجتہد کا قول اس مسئلہ میں جس میں نص نہ ہو ہمارے نزدیک حجت ہے اور

اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر وہ قول پھیل چکا ہے اور تمام مسلمان اس پر خاموش ہیں کس نے مخالفت نہ کی ہو تو اس کی تقلید اجماعی طور پر واجب ہوگی اور اگر صحابہ کا آپس میں اختلاف ہوگیا ہو تو اب اس کی تقلید اجماعی طور پر واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ مجتہدین کے اختلاف کی طرح واجب ہو جائے گا اور بعد والوں کے لئے جائز ہوگا کہ ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے۔ البتہ تیسری شق کی طرف نہ جائے۔ اس لئے کہ ان دونوں قولوں پر جو اجماع مرکب ہو چکا ہے اس اجماع کی وجہ سے تیسری شق باطل ہوگی۔ اور جب صحابہ کا اختلاف ہو تو جس مسئلہ پر شیخین کا اتفاق ثابت ہو جائے اس کی اقتداء واجب ہوگی۔ اور جب ان کے اتفاق ہو اور ان کا اختلاف معلوم نہ ہو تو وہ ہمارے نزدیک حجت نہ ہوگا۔ نبی اقدس ﷺ سے سماع کا احتمال کی وجہ سے۔ اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ نبی اقدس ﷺ سے انہوں نے نہیں سنا بلکہ ان کا اپنا اجتہاد اور رائے ہے تب بھی صحابہ کی رائے غیر صحابہ کی رائے سے قوی ہے۔ نور الانوار میں اس طرح ہے اور اس کی مثل

''التوضیح مع التلویح'' میں ہے۔ (ق ۱۲۹)

148: ہمارے بعض اصحاب اور اکثر شوافع نے امام شافعیؒ کی طرف اس بات کی نسبت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا صحابہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کی جائے گی عام ہے کہ اس کا قول مدرک بالقیاس ہو یا نہ ہو لیکن ان کی وہ کلام جو ان کے رسالہ بغدادیہ میں ہے جسے ان سے حسن بن محمد زعفرانی نے ان سے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے اس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کی آراء ہمارے لئے زیادہ باعث مدح اور اولیٰ ہیں ہماری اپنی آراء کے مقابلہ میں۔ اور جو ربیع کی امام شافعیؒ سے روایت ہے اس میں انہوں نے فرمایا جو چیز کتاب اللہ یا سنت مشہورہ یا اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کے اثر کے خلاف ہو وہ بدعت ہے۔ پس انہوں نے تو جو قول صحابی کے قول کے موافق نہ ہوا سے بدعت قرار دیا ہے۔ اس بات کو ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے۔ (ق ۱۳۰)

149: اور ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں یہ بھی ذکر کیا ہے۔ اگر صحابی دوسرے صحابی کا

مخالف نہ ہوتو اس کا قول صحابہ میں مشہور ہوگا یا نہیں ۔پس اگر تو مشہور ہو جو جمہور فقہاء تمام جماعتوں کے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اجماع ہوگا اور حجت ہوگا اور اگر مشہور نہ ہو یا اس کا مشہور ہونا معلوم نہ ہوتو وہ پھر حجت ہوگا یا نہیں ۔جمہور امت اس پر متفق ہے کہ وہ حجت ہوگا اور یہی قول جمہور احناف کا ہے۔

امام محمد نے اس کی تصریح کی ہے اور امام صاحبؒ سے بھی نصاً یہی منقول ہے۔امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے ۔امام مالکؒ کا موطا میں اختیار کردہ طریقہ بھی اسی کی دلیل ہے ۔اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے بہت سے جگہوں میں امام محمد سے بھی یہی منقول ہے ان کے جمہور اصحاب نے اسی کو اختیار کیا ہے۔امام شافعیؒ سے قدیم اور جدید قول یہی مروی ہے۔پھر ابن قیمؒ نے امام شافعیؒ کے اقوال اور نصوص کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو اقوال صحابہ کے حجت ہونے پر دلالت کرتے ہیں فلیراجع (ق ۱۳۱)

150: جس تابعی کبیر کا فتوی صحابہ کے زمانہ ظاہر ہو اس کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے۔توضیح میں اسی طرح ہے۔ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔سلف کا اس میں اختلاف ہوا ہے۔پس ان میں سے بعض نے تو کہا تابعی کی اس مسئلہ میں اتباع واجب ہے جس میں اسکا فتوی ہوا اور اس فتوی میں کسی صحابی یا کسی تابعی نے اس کی مخالفت نہ کی ہو۔اور یہی قول بعض حنابلہ اور شوافع کا ہے امام شافعیؒ بہت سے مقامات پر فرماتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے عطاؒ کی تقلید میں کہی ہے۔یہ ان کے کمال علم اور کمال فقہ میں سے ہے۔اس لئے کہ وہ جب کسی مسئلہ میں عطاء کے قول کے علاوہ کسی کا قول نہیں پاتے تو عطاء کا قول ہی مسئلہ میں ان کے نزدیک اقوی ہوتا ہے۔جو شخص ائمہ اور ان کے بعد کے لوگوں کی کتب میں غور وفکر کرے گا وہ ان کو تابعین کی تفسیر سے بھرا ہوا پائے گا۔(ق ۱۳۲)

151: ابراھیم نخعیؒ کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے جب وہ کسی صحابی یا اس کے اوپر کے قول کے مخالف نہ ہو اگر چہ ابراھیم نخعی عمر کے اعتبار سے کبار تابعین میں سے نہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ

کے نزدیک فقہ میں وہ کبار تابعین میں سے ہیں۔امام اوزاعیؒ کو امام صاحب نے فرمایا تھا کہ ابراہیمؒ سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اوران کے شاگردوں کو لازم پکڑنے میں سب لوگوں سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اوراپنے زمانہ میں ان کی زبان تھے ان کی سوائے چند مواقع کے علاوہ کہیں مخالفت نہیں کی۔اوران تھوڑے مقامات میں بھی صحابہ حضرت علیؓ وحضرت عمرؓ کے اقوال سے باہرنہیں گئے (ق۱۳۳)

152: محدث ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں ''سعید بن مسیّب فقہائے مدینہ کی زبان تھے اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کے اور حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث کے ان میں سے سب سے زیادہ حافظ تھے،اورابراہیم نخعیؒ فقہائے کوفہ کی زبان تھے۔

فقہائے کوفہ سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،حضرت علیؓ اوران کے شاگرد ہیں۔جب بھی یہ دونوں امام ابراہیم نخعی اور سعید بن مسیّب کسی مسئلہ میں گفتگو کریں اورکسی کی طرف منسوب نہ کریں تو وہ اکثر صراحتاً یا اشارتاً سلف کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ان پر ان کے شہروں کے فقہاء کا اجتماع تھا وہ ان سے فتوی لیتے تھے اس کو صحیح سمجھتے اوراس پر بنیاد رکھتے۔(ق۱۳۴)

153: دوسرے مقام پر فرماتے ہیں امام ابوحنیفہؒ امام ابراہیم نخعیؒ اوران کے ہم عصروں کے مذہب سب سے زیادہ لینے والے تھے الا ماشاءاللہ بہت کم اس سے تجاوز کرتے۔ابراہیم نخعی مذہب پر تخریج میں آپ عظیم الشان تھے۔تخریجات کی وجوہ میں آپ دقیق النظر تھے۔فروع پر مکمل مطلع تھے اگر تو ہمارے قول کی حقیقت کو جاننا چاہے تو امام محمد کی کتاب الاثار اور مصنف عبد الرزاق،مصنف ابن ابی شیبہ سے ابراہیم نخعی اوران کے ساتھیوں کے اقوال کو علیحدہ کر پھر امام صاحب کے مذہب کو ان پر قیاس کر تو سوائے چند مواقع کے تو اختلاف نہ پائے گا۔اوران چند مواقع میں بھی فقہائے کوفہ کے مذہب سے آپ نہیں نکلتے۔(ق۱۳۵)

154: ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ ابن جریرؒ نے لکھا ہے صحابہ میں سے ابن مسعود کے علاوہ کوئی ایک بھی نہیں کہ جس کے شاگرد معروف ہوں اورانہوں نے اس کے

فتاوی اور مذہب کو لکھا ہو۔اور ابن مسعودؓ اپنے قول اور مذہب کو حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے ترک کر دیتے تھے اور مذاہب میں سے کسی چیز میں آپکی مخالفت نہ کرتے تھے اور اپنے قول سے ان کے قول کی طرف رجوع کر لیتے تھے ۔امام اعمش ابراھیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جب کسی قول پر حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمع ہو جائیں تو اس کے مقابلے میں کسی کے قول کو برابر نہیں سمجھتے۔

اور جب ان کا اختلاف ہو جائے تو عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کو پسند کرتے ہیں اس لئے کہ وہ زیادہ لطیف ہوتا ہے۔(ق ۱۳۵)

155:امام دار قطنیؒ اپنی سنن میں فرماتے ہیں اگر چہ اس روایت میں ارسال ہے لیکن ابراہیم نخعی عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی رائے اور فتوی کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں ۔انہوں نے اس کو اپنے ماموؤں علقمہ بن یزید، اسود بن یزید اور عبدالرحمٰن بن یزید وغیرہ عبداللہ بن مسعودؓ کے بڑے بڑے شاگردوں سے لیا ہے ۔اور ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں جب میں تمہیں کہوں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تو میں اس بات کو عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی ایک جماعت سے سنا ہو گا اور جب میں نے کسی ایک سے سنا ہوگا تو میں اس کا نام بتا دوں گا۔(ق ۱۳۶)

156:اور دار قطنیؒ اس سے کچھ سطر قبل لکھتے ہیں۔عبداللہ بن مسعودؓ اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والے تھے اور اس کے دین کے بارہ میں زیادہ محتاط تھے اس لئے کہ نبی ﷺ سے کوئی روایت نقل کریں کہ حضور ﷺ نے یوں فیصلہ کیا اور پھر اس کے خلاف خود فتوٰی دے دیں اس جیسا کام عبداللہ بن مسعود جیسے آدمی کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا۔(ق ۱۳۶)

حالانکہ ان کی تو یہ حالت تھی کہ جس مسئلہ میں نبی اقدس ﷺ سے انہوں نے کچھ بھی سنا نہ ہوتا اور نہ آپ کا فرمان ان کو پہنچا ہوتا اس مسئلہ میں بھی یہ فرماتے میں اپنے اجتہاد سے یہ بات کہہ رہا ہوں اگر درست ہوئی تو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے اور اگر خطا ہوئی تو

میری طرف سے ہوگی پھران کو یہ خبر پہنچی کہ انکا فتوی اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے موافق ہے جو اس مسئلہ کی مثل میں آپ ﷺ نے کیا تو ان کو اس قدر خوش دیکھا گیا جسکی مثل کبھی انہیں خوش نہیں دیکھا گیا ان کے فتوی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے موافق ہونے کی وجہ سے ۔(ق ۱۳۶)

157: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں جب ابن مسعودؓ کا یہ حال تھا کہ وہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو تلاش کرتے اور اگر نہ پاتے تو عمرؓ کے قول کو لیتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے ۔اور ابراہیم نخعیؒ لوگوں میں سب سے ابن مسعودؓ اور انکی رائے اور فتوی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور امام ابوحنیفہؒ نے ابراہیم نخعیؒ کے طریقہ کو ہی اختیار کیا ہے اور امام صاحب لوگوں میں سے سب سے زیادہ ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ساتھیوں کو لازم پکڑنے والے تھے۔ جب امام صاحب کسی مسئلہ میں ابراہیم نخعیؒ کا قول پالیتے اور کسی صحابی کا قول بھی اس کے مخالف نہ ہوتا تو آپ ابراہیم نخعیؒ کا قول لے لیتے تھے اور قیاس کو ترک کردیتے تھے اور اسے ہی بطور دلیل لیتے تھے ۔جیسا کہ اس شخص پر جو کتاب الاثار لمحمد کا مطالعہ کیا مخفی نہیں ہے۔(ق ۱۳۶)

158: اور یہ بات اس وجہ سے ہے کہ ان کے اقوال اکثر صراحتا یا اشارتا سلف کی طرف منسوب ہوتے ہیں ۔ بلکہ کبھی امام ابوحنیفہؒ باوجود اس کے صحابی کا قول ابراہیم نخعی کے قول کے خلاف ہوتا ہے ابراہیم نخعی کے قول کو بطور دلیل کے لے لیتے ہیں یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ امام صاحب جانتے ہوتے ہیں کہ امام ابراہیم کا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت علیؓ کا قول ہے ان کی اپنی رائے نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام ابراہیم نخعی کا قول حجت ہے اگرچہ اس کی ہمارے اصحاب نے صراحت نہیں کی لیکن ان کا طریقہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔(ق ۱۳۷)

مرسل اور مدلس معضل اور معلق احادیث کے احکام کے بیان میں:

159: ابن الحنبلیؒ قفو الاثر میں فرماتے ہیں تفصیل میں مختار یہ ہے کہ صحابی کی مرسل تو بالاجماع حجت ہے قرن ثانی اور قرن ثالث کی مرسل احناف اور امام مالکؒ کے نزدیک

مطلقاً حجت ہے اور امام شافعی کے نزدیک جب پانچ باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے تو حجت ہے

(1) غیر اس کو مسند بیان کرے

(2) دوسرا بھی اسے مرسل بیان کرے اور دونوں کے شیوخ علیحدہ علیحدہ ہوں

(3) صحابی کا قول اس کی تائید کر رہا ہو

(4) اکثر علماء کا قول اس کی تائید کر رہا ہو

(5) راوی کے بارے میں یہ بات معروف ہو کہ وہ سوائے عادل کے کسی سے ارسال نہیں کرتا۔

160: اور ان تین زمانوں کے بعد کی مرسل ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک مقبول ہے اور دوسروں کے نزدیک مردود ہے۔ ہاں اگر ثقات اس کی مرسل کو اس کی مسند کی طرح ہی روایت کریں تو بالاتفاق مقبول ہوگی۔ اور اگر راوی ثقات اور غیر ثقات دونوں سے ارسال کرے تو ہمارے اصحاب میں سے ابوبکر رازی اور مالکیہ میں ابوالولید باجی کے نزدیک ایسی مرسل بالاتفاق مقبول نہ ہوگی۔ قفوالاثر میں بھی اسی طرح ہے۔

161: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ راوی کا ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال کرنا قرون ثلاثہ کے بعد کی مرسل کے بارے میں باعث جرح ہے اور قرون ثلاثہ کی مرسل ہمارے نزدیک مطلقاً مقبول ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

162: علامہ سیف الدین الآمدی اصولی شافعی اپنی کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں ''مرسل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے۔ مرسل کی صورت یہ ہے کہ جو شخص نبی اقدس ﷺ کو نہ ملا ہو اور کہے قال رسول اللہ اور وہ ہو بھی عادل امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ مشہور روایت کے مطابق اور جمہور معتزلہ قبول کرتے ہیں اور احناف میں عیسیٰ بن ابان نے اس میں فرق کیا ہے کہ خیر القرون کی مرسل تو مطلقا قبول ہے اور بعد کے زمانہ کی مرسل صرف ائمہ نقل سے مطلقا قبول کرتے

ہیں۔

163: مختار مذہب عادل راویوں کی مرسل کو مطلقا قبول کرنا ہے اس کی دلیل اجماع اور عقل ہے اجماع تو اس طرح کہ صحابہ اور تابعین سب کا اتفاق تھا کہ وہ عادل سے مراسیل کو قبول کرتے تھے بہر حال صحابہ تو وہ عبداللہ بن عباس کی احادیث کو باوجود کثیر ہونے کے قبول کرتے تھے ۔حالانکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ انہوں نے چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے نبی اقدس ﷺ سے سوائے چار احادیث کے اور نہیں سنی ۔نیز جو حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے وہ بھی اس کی دلیل ہے وہ فرماتے ہیں جو حدیث بھی میں تم کو نبی ﷺ سے بیان کرتا ہوں میں نے ہر حدیث کو خود نہیں سنا ہوتا بعض احادیث کو تو ہم نے خود سنا ہوتا ہے اور بعض احادیث کو ہمارے دوسرے ساتھیوں نے ہم سے بیان کیا ہوتا ہے ۔اور رہے تابعین تو ان کی عادت بھی اخبار کو مرسل بیان کرنے کی تھی ۔اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو امام اعمش سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے امام ابراہیم نخعی کو کہا جب آپ حدیث ہمیں بیان کریں تو سند بھی بیان کیا کریں تو انہوں نے کہا جب میں تجھے کہا کروں حدثنی فلاں عن عبداللہ بن مسعود کے مجھے فلاں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حدیث بیان کی تو صرف اس نے بیان کی ہوگی اور جب میں یہ کہوں حدثنی عبداللہ بن مسعود مجھے عبداللہ نے حدیث بیان کی تو ایک جماعت اس کو عبداللہ بن مسعودؓ سے بیان کرنے والی ہوتی ہے اور اسی طرح اس پر سعید بن مسیّب کا ارسال جو کہ مشہور ہے اور یہ صحابہ اور تابعین میں بغیر کسی کے انکار کے مشہور رہا ہے پس یہ اجماع ہوا۔

164: اور اس پر دلیل عقلی یہ ہے کہ عادل اور ثقہ آدمی جب قال رسول اللہ کذا کہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کو اس کا یقین ہے اور اس کے حال سے ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کو جائز نہ سمجھے گا الا یہ کہ اس کو یقین یا گمان ہو کہ نبی اقدس ﷺ نے یہ فرمایا ہے اس لئے کہ اگر اسے یہ گمان ہو کہ نبی اقدس ﷺ نے یہ بات نہیں کہی یا اس کو شک ہو تو اس کے لئے دین میں یقینی طور پر اس بات کو نبی اقدس ﷺ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ایسی صورت میں سننے والوں پر جھوٹ بولنا

اور معاملہ کو مشتبہ کرنا ہے۔ اور یہ بات مروی عنہ (یعنی جس سے ارسال کیا ہے) اس کی تعدیل کو واجب کرتی ہے وگرنہ یہ اس کی خبر میں اس کو سچا نہ سمجھتا۔ پھر آمدی نے تفصیل سے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو اس کی دلیل پر وارد ہو سکتے تھے۔ چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے۔

165: اور تدریب الراوی میں ہے "امام نووی کا غیر یہ کہتا ہے کہ احناف کے نزدیک مرسل کے قبول ہونے کا محل یہ ہے کہ وہ قرون ثلاثہ فاضلہ کی ہو۔ اگر اس کے بعد کی ہوگی تو مقبول نہ ہوگی حدیث ثم یفشوا الکذب یعنی پھر کذب پھیل جائے گا۔ امام نسائیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے ۔اور ابن جریرؒ فرماتے ہیں تابعین کے مرسل قبول کرنے پر اجماع ہے۔

166: مرسل حدیث مرتبہ میں مسند سے کم ہے۔ یہ ان لوگوں کے خلاف ہے جنہوں نے سند بیان کی اس نے معاملہ تیسرے کے حوالے کر دیا اور جس نے ارسال کیا وہ خود ذمہ دار بن گیا ابن الحنبلیؒ قفوالاثر میں حسن اور صحیح کے مراتب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اگر اس میں صحیح کی تمام صفات بلا اختلاف پائی جائیں گی تو یہ اس سے مقدم ہوگی جس میں صحیح کی بعض صفات کے پائے جانے میں اختلاف ہے یا اس شرط کے نہ پائے جانے پر اتفاق ہو جس کا شرط ہونا مختلف فیہ ہے۔ جیسے اتصال بنسبت ان کے جو خیر القرون کی مرسل کو صحیح قرار دیتے ہیں وہ ہمارے اصحاب احناف ہیں۔ یا ضبط اسکے جو اس حدیث کو بھی صحیح قرار دیتا ہے جس کا راوی عادل ہو اگر چہ ضبط نہ ہو

167: جب مرسل اور مسند میں تعارض ہو جائے تو مرسل کو مقدم کیا جائے گا الا یہ کہ مرسل کو ان پانچ وجوہ میں سے کسی وجہ سے قوت مل رہی ہو جس کو امام شافعیؒ نے ذکر کیا ہے۔

اصولین نے وجوہ اعتضاد میں اس وجہ کو بھی زائد کیا ہے کہ قیاس اس کے موافق ہو۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں ہے۔ پس ایسی صورت میں مرسل مرتبہ میں مسند کی طرح بلند ہو جائے گی بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی بلند ہو جائے گی۔ علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں "اگر مرسل کا مخرج صحیح ہو جائے دوسرے طریق سے منقول ہونے کی وجہ سے خواہ وہ طریق مسند ہو یا مرسل اور ارسال پہلی مرسل کے رجال کے علاوہ نے کیا ہو تو ایسی مرسل صحیح ہو جائے گی۔ اور

اس سے اس مرسل کی صحت واضح ہو جائے گی اور وہ مرسل اور اس کو قوت دینے والی مرسل دونوں صحیح ہوں گی اور اگر کوئی اور صحیح روایت ان دونوں کے مخالف آجائے اور جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ہم ان دونوں کو تعدد طرق کی وجہ سے اس پر ترجیح دیں گے۔

168: علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں ''دو صحیح مرسل احادیث جب کسی مسند حدیث کے مخالف آجائیں تو مرسل حدیثوں پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا۔

169: امام شافعیؒ نے مرسل کا مسند کے ساتھ اعتضاد کا جو ذکر کیا ہے اس مسند سے مراد ان کی کلام میں وہ مسند ہے جو خود ثابت نہ ہو۔ علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں ''امام رازیؒ وغیرہ اصولیین نے مسند معتضد کی جو صورت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود قوی نہ ہوتا کہ مجموعہ سے اعتضاد کیا جاسکے۔ اس لئے اگر وہ خود قوی ہوگی پھر تو فقط مسند سے ہی احتجاج کیا جائے گا۔ محدثین نے بعض ائمہ تابعین کی مراسیل کو صحیح قرار دیا ہے ہم ان کو ذکر کرتے ہیں۔

امام شعبیؒ کی مراسیل:

170: ذھبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں ''احمد عجلی نے کہا شعبیؒ کی مرسل صحیح ہے اس لئے کہ صرف صحیح روایت کا ارسال کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں بھی اسی طرح ہے اور تہذیب میں یہ بھی ہے کہ آجری امام ابوداود سے نقل کرتے ہیں ''شعبیؒ کی مرسل مجھے ابراہیم نخعیؒ کی مرسل سے زیادہ محبوب ہے۔

171: امام ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل:

نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں ہے کہ ابن عدی نے امام یحیی بن معین سے یہ بات سند کے ساتھ نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا امام ابراہیم نخعی کی تمام مراسیل سوائے دو حدیثوں کے صحیح ہے ایک حدیث تاجر البحرین اور دوسری حدیث قہقہ اور تدریب الراوی میں ہے اور ابراھیم نخعیؒ کی مراسیل تو ان کے بارے میں ابن معینؒ نے فرمایا کہ ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل مجھے شعبیؒ

کی مراسیل سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔اوران سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے سالم بن عبداللہ اورسعید بن مسیبؒ کی مراسیل سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔امام احمد فرماتے ہیں کوئی حرج نہیں۔

☆☆☆☆☆

172: مراسیل سعید بن مسیّب:

تدریب الراوی میں حاکم سے انکی کتاب علوم الحدیث کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مراسیل میں سے اصح جیسا کہ ابن معین نے کہا کہ سعید بن مسیّب کی مراسیل ہیں اس لئے کہ وہ صحابہ کی اولاد میں سے ہیں عشرہ مبشرہ کواس نے پایا ہے اوراہل حجاز کے وہ فقیہ اور مفتی ہیں اوران فقہاء سبعہ کے اولین فرد ہیں کہ جن کے اجماع کوتمام لوگوں کے اجماع کی مثل شمار کرتے ہیں۔میں (عثمانی) کہتا ہوں یحیی بن معینؒ سے یہ بات گزرچکی ہے کہ انہوں نے ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل کے بارے میں فرمایا کہ وہ مجھے سالم اورسعید بن مسیّب کی مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں۔پس ابن معین کے اقوال اس بارے میں کہ ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل ابن مسیّب کی مراسیل سے زیادہ راجح ہیں یا ابن مسیّب کی مراسیل نخعیؒ کی مراسیل پرراجح اس بارے میں متعارض ہوگئے۔واللہ اعلم۔

173: قاضی شریح کی مراسیل:

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ قاضی شریح کی مراسیل بھی ابن مسیّب اور ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل کی طرح صحیح ہیں۔اس لئے کہ یہ ثقہ ہیں مخضرمی ہیں کبارتابعین میں سے ہیں۔حضرت عمرؓ ،حضرت عثمانؓ اورحضرت علیؓ نے ان کو قاضی بنایا ہے۔یہ نبی اقدس ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں ان کی اکثر روایات صحابہ سے ہیں..... عنقریب ابن حبان سے آرہا ہے جو کبارتابعین کی مراسیل کومطلقاً قبول کرنے پردلالت کرتا ہےاس لئے کہ یہ صرف صحابہ سے ارسال کرتے ہیں۔

174: حسن بصریؒ کی مراسیل:

مراسیل حسن بصری کے بارے میں ابن مدینی کہتے ہیں۔حسن بصری کی وہ مراسیل جوان

سے ثقات نے نقل کی ہوں وہ صحیح ہیں۔ بہت کم ان سے ساقط ہیں۔ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس کے بارے میں حسن بصریؒ نے فرمایا قال رسول اللہ میں نے اس کے لئے اصل ثابت پا لی سوائے چار احادیث کے۔ یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں جس حدیث کے بارے میں حسن فرمائیں قال رسول اللہ ہم نے اس کی کوئی نہ کوئی اصل پالی سوائے ایک یا دو احادیث کے

175: امام ابن سیرین کی مراسیل:

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اس طرح ابن سیرین کی مراسیل بھی صحیح ہیں۔ الجواھر النقی میں ہے کہ ابو عمر ابن عبدالبر التمھید کے شروع میں فرماتے ہیں ہر وہ راوی جس کے بارے میں مشہور ہو کہ وہ ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتا تو اس کی تدلیس اور ارسال مقبول ہے۔ پس سعید بن مسیبؒ محمد بن سیرین، ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل ان کے نزدیک صحیح ہوں گی۔

176: محمد بن المنکدر کی مراسیل:

محمد بن المنکدر کی مراسیل بھی صحیح ہیں۔ ابن عیینہؒ فرماتے ہیں میں نے کسی آدمی کو محمد بن المنکدر سے عمدہ نہیں دیکھا کہ وہ قال رسول اللہ کہے اور وہ یہ سوال نہ کیا جائے کہ یہ کس سے ہے ۔ ابن المنکدر کی تحری کی وجہ سے تہذیب میں اسی طرح ہے۔

177: ثقات تابعین اور تبع تابعین میں سے ایک جماعت کی مراسیل

تدریب الراوی میں ہے یحیی بن سعید نے فرمایا سعید بن جبیر کی مراسیل مجھے عطاء کی مراسیل سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ کہا گیا کہ مجاہد کی مراسیل آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا طاؤس کی فرمایا جو ان میں سے زیادہ قریب ہو اور عمر بن دینار کی مرسلات مجھے محبوب ہیں۔ اور معاویہ بن قرہ کی مراسیل مجھے زید بن اسلم کی مراسیل سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور مالک بن انس کی مراسیل مجھے پسند ہیں اور قوم میں از روئے حدیث کے ان سے کوئی اصح نہیں ہے۔

178: حضرت عطاء کی مراسیل:

ابن المدینی فرماتے ہیں کہ عطاء ہر قسم کے آدمی سے روایات لے لیتے تھے مجاہد کی مراسیل مجھے ان کی مراسیل سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

179: زھری کی مراسیل:

یحیی بن معین اور یحیی بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں۔

180: قتادہ کی مراسیل:

یحیی بن سعید قتادہ کی مراسیل کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ بمنزلہ ہوا کے ہے۔

181: ابواسحاق ہمدانی اعمش التیمی اور ابن کثیر کی مراسیل:

اور فرمایا ابواسحاق ھمدانی اعمش تیمی اور ابن کثیر کی مراسیل شبہ ہیں کچھ نہیں۔

182: اسماعیل بن ابی خالد، ابن عینیہ، اور سفیان بن سعید کی مراسیل:

اور اسماعیل بن ابی خالد کی مراسیل کچھ نہیں ہیں۔ ابن عینیہ کی مراسیل ہوا کی مثل ہیں اور سفیان بن سعید کی مراسیل بھی۔ تدریب الراوی میں اسی طرح ہے۔

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ یہ کلام ہمارے اصول پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام لوگ قرن ثانی اور قرن ثالث کے ہیں اور ان کی مراسیل ہمارے نزدیک مقبول ہیں۔ اور مرسل کا ہر ایک سے روایت لے لینا یہ خیر القرون کے بعد ارسال میں جرح کا باعث ہے۔ اور یہ حکم بھی تیرے لئے عنقریب ظاہر ہو جائے گا کہ ارسال اور تدلیس حکم میں متحد ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ محدثین نے ان کے ارسال کو تو رد کر دیا اور تدلیس کو قبول کیا ہے۔ پس ان کے ارسال کو رد کرنے

کا کوئی معنیٰ نہیں۔

183: حافظ ابن حجرؒ ''طبقات المدلسین'' میں لکھتے ہیں مرتبہ ثانیہ ان کا ہے جن کی تدلیس کو ائمہ محدثین نے برداشت کیا ہے اور ان کو صحیح میں داخل کیا ہے ان کی امامت اور ان کی تدلیس مرویات میں تدلیس کم ہونے کی وجہ سے جیسے سفیان ثوری یا ان کے سوائے ثقہ کے کسی سے تدلیس نہ کرنے کی وجہ سے جیسے ابن عیینہ۔ یہ بات محدثین کے نزدیک سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہؒ کی تدلیس کے مقبول ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ تو ان کا ارسال بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔ اسی طرح دوسرے اہل علم جن کی امامت پر اہل علم کا اتفاق ہے ان کے ارسال کا حکم بھی یہی ہے۔ جیسے زہری قتادہ، اور عطا بن ابی رباح اور ان جیسے لوگ۔

184: رہا ان کا ہر ایک سے روایت لینا۔ یہ بات ان کی مراسیل کی صحت میں مضر نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ کسی قول یا فعل کی نسبت نبی اقدس ﷺ کی طرف کرنے کا ارادہ کرنے والے نہیں ہیں مگر وہ یہ جانتے ہوں گے یا ان کا ظن غالب ہوگا کہ نبی اقدس ﷺ نے یہ فرمایا، یا یہ کیا ہے اور یہ بات ان راویوں جن کو انہوں نے ذکر نہیں کیا ان کی تعدیل کو مستلزم ہے وگرنہ ان کو اس راوی کے اس حدیث میں سچا ہونے کا یقین یا ظن غالب نہ ہوتا تو ان کو اس خبر کا یقین کرنا جائز نہ ہوتا جیسا کہ علامہ آمدی کے قول میں تفصیل سے گزر گیا ہے۔ فتذکر۔

185: قاضی القضاۃ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں جس سے تدلیس ثابت ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ عادل ہے تو اس کی روایت اس وقت تک مقبول نہیں جب تک تحدیث کی تصریح نہ کر دے اور ہمارے احناف کے نزدیک پس کہا گیا ہے کہ اس کی روایت کا حکم مرسل کا ہوگا اور مرسل کا حکم ہمارے نزدیک کیا ہے اس کو تو جان چکا ہے۔ قفوا الاثر میں اسی طرح ہے۔

186: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اگر مدلس قرون ثلاثہ سے ہے تو اس کی تدلیس اس کے ارسال کی طرح مطلقا مقبول ہوگی۔ اور اگر خیر القرون کے بعد کا ہے تو پھر اس میں تفصیل ہے جو عنقریب گزر چکی ہے۔

188: میں (عثمانی) کہتا ہوں ''ابن حبان کا ابن عیینہؒ کی تدلیس کے لئے کبار تابعین کی مراسیل کو بطور مثال کے پیش کرنا یہ ان محدثین کے نزدیک مقبول ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ صحابہ کے علاوہ کسی سے ارسال نہیں کرتے تھے اور اس طرف ہم شیریح کی مرسل کی بحث کے تحت پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔

189: فائدہ: اصح یہ ہے کہ تدلیس جرح نہیں ہے۔اور تدلیس کے حرام نہ ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے جو ابن عدی نے براء بن عازب سے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے درمیان بدر کے شہسواروں میں سے سوائے مقداد کے اور کوئی نہیں ہے۔ابن عساکرؒ فرماتے ہیں ان کا قول فینا سے مراد مسلمان ہیں اس لئے کہ براء بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ ارسال بطریق اولی جرح نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ تدلیس اس سے زیادہ فحش ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔بغویؒ فرماتے ہیں ہمیں احمد بن ابراہیم العبدی نے کہا کہ بیان کیا ہمیں محمد بن معاذ نے وہ فرماتے ہیں ہمیں بیان کیا معاذ نے شعبہ سے کہ انہوں نے فرمایا میں نے محدثین میں سے سوائے ابن عون اور عمرو بن مرہ کے کسی کو نہیں دیکھا جو تدلیس نہ کرتا ہو۔طبقات المدلسین میں اسی طرح ہے۔

190: **فائدہ**: بیہقیؒ المعرفۃ میں فرماتے ہیں ہم نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں تمہیں تین شخصوں سے تدلیس کی ضمانت دیتا ہوں، اعمش، ابواسحاق، اور قتادہ

191: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں یہ ان حضرات کی احادیث کے بارے میں بہت عمدہ قاعدہ ہے کہ جب یہ شعبہ کے طریق سے آئیں تو یہ سماع پر دلالت کریں گی اگرچہ معنعنہ ہی ہوں اور اسکی مثال یہ روایت ہے ثنا اللیث عن ابی الزبیر عن جابر اس لئے کہ لیث ابوالزبیر سے صرف وہی روایت سنتے تھے جو انہوں نے خود جابر سے سنی ہوئی تھی۔دیکھئے یہاں سماع ہونے کے باوجود عن کا صیغہ آرہا ہے۔

192: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اس سے بھی عمدہ قاعدہ وہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے کہ شعبہ اپنے اساتذہ سے صحیح حدیث کے علاوہ نقل نہیں کرتے۔

193: ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کیسے حالانکہ شعبہ اس حدیث کے جھنڈے کو اٹھانے والا ہے اور بعض ائمہ محدثین نے فرمایا ہے کہ جب تو کسی حدیث کی سند میں شعبہ کو دیکھ لے تو اپنے ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لے۔ پس ہر وہ حدیث جس میں شعبہ ہوگا وہ تدلیس راوی کے اختلاط تلقین وغیرہ سے سالم ہوگی شرط یہ ہے کہ اس حدیث کی سند شعبہ تک صحیح ہو۔

194: حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں اسماعیلی نے یحیٰی قطان کے روایت کرنے سے ابو اسحاق کے عبدالرحمٰن سے سماع پر استدلال کیا ہے۔ ان کی سند سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ یحیی قطان زہیر سے روایت کرنے پر راضی نہیں ہوتے جب ابو اسحاق کا سماع نہ ہو۔ یا تو اسماعیلی نے یہ بات استقراء اور تتبع سے معلوم کی یا یحیی قطان کے کسی قول سے صراحتا معلوم ہوگیا۔

195: **معلق** وہ ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا ایک سے زائد پے در پے بغیر تدلیس کے گرا ہو عام ہے باقی بھی ساقط ہوں یا نہ ہوں۔

منقطع: جس کی سند سے ایک یا ایک سے زائد راوی گرے ہوئے ہوں لیکن پے در پے نہ ہوں خواہ جس مقام میں بھی گرے ہوئے ہوں۔ (اس سے معلق معضل اور منقطع کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت معلوم ہوگئی)۔

196: احناف میں سے سراج ھندی نقل کرتے ہیں کہ مرسل محدثین کی اصطلاح میں تابعی کے قول قال رسول اللہ کو کہتے ہیں اور جس کے راوی تابعی سے پہلے گرے ہوئے ہوں تو اگر ایک گرا ہوا ہو تو اسے منقطع کہتے ہیں اور اگر کئی تو معضل معلق کا ان سے ذکر نہیں کیا اس وجہ سے نہیں کہ سنا نہ ہو بلکہ اس وجہ سے کہ روایت یا تو منقطع ہوتی ہے یا معضل۔ فرمایا اصولین کے نز

دیک ان سب کو مرسل کہتے ہیں۔ سراج ھندی کی کلام یہاں ختم ہوئی اور تو قرون ثلاثہ کی مرسل کا حکم جان چکا ہے کہ ہمارے نزدیک اور مابعد قرون ثلاثہ مختار کیا ہے۔ اصولین کی مرسل کا وہی حکم مطلقاً ہے۔

197: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اس فصل میں بلاغات بھی داخل ہو جائیں گی۔ خیر القرون کے ثقہ راویوں کی بلاغات ہمارے نزدیک مطلقاً حجت ہیں جیسے امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ۔ امام شافعیؒ امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور ان جیسے، خیر القرون کے بعد والوں کی بلاغات کا حکم یہ ہے کہ اگر تو وہ راوی ایسا ہو کہ ثقات اسکی بلاغات کو اسی طرح روایت کرتے ہوں جیسے اس کی مسند کو روایت کرتے ہیں جیسے بخاری امام احمد وغیرہ تو اگر تو یقین کے صیغہ سے نقل کریں تو بالاتفاق مقبول ہے اور اگر ثقات اور غیر ثقات دونوں سے روایت کرے تو بالاتفاق مقبول نہیں۔ انہوں نے اس بات کو بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ ''ردالمختار'' وغیرہ میں ہے کہ بلاغات محمد مسند کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح التعلیق المجد میں ہے۔

مضطرب وہ حدیث ہے جو مختلف طریقوں سے نقل کی گئی ہو کبھی اضطراب سند میں ہوتا ہے کبھی متن میں کبھی دونوں میں اکٹھا واقع ہوتا ہے۔

200: حافظ ابن حجرؒ فتح الباری کے مقدمہ میں فرماتے ہیں حفاظ کا کسی حدیث میں اختلاف اس کے مضطرب ہونے کو واجب نہیں کرتا مگر دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ وجوہ اختلاف برابر ہوں اس لئے کہ جب دو اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگئی تو وہ مقدم ہو جائے گا اور صحیح کو مرجوح کی وجہ سے معلل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ دوسرا یہ کہ برابری کے ساتھ ساتھ ان کا محدثین کے قواعد پر جمع ہونا متعذر رہو اور ظن غالب یہ ہو جائے کہ حافظ اس حدیث کو بعینہ ضبط نہیں کرسکا پس اس صورت میں فقط اس حدیث پر اضطراب کا حکم لگے گا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ محض اختلاف کی وجہ سے تعلیل سبب جرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ محض اختلاف سے ایسا اضطراب لازم نہیں آتا جو موجب ضعف ہو۔

201: علامہ ماردینیؒ الجوہر النقی میں فرماتے ہیں جب ثقہ کسی سند کو قائم کرے تو اس پر اعتماد کیا جائے اور اختلاف کی پرواہ نہ کی جائے۔ صحیحین کی بہت سی احادیث اس قسم کے اختلاف سالم نہیں ہیں۔

202: علامہ سیوطیؒ "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں شیخ الاسلام کی کلام میں یہ واقع ہے کہ اضطراب کبھی صحت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ کبھی ایک راوی کے نام اور اسی کے باپ اور اسی کی نسبت وغیرہ میں اختلاف ہو جاتا ہے اور وہ ثقہ ہوتا ہے۔ اس حدیث پر صحت کا حکم لگا دیا جائے گا اور اس میں مذکور اختلاف نقصان نہیں دے گا باوجود اس کا نام مضطرب ہونے کے زرکشی نے اپنی مختصر میں اس پر اعتماد کیا ہے اور فرمایا ہے کبھی قلب شذوذ اضطراب صحیح اور حسن میں داخل ہوتا ہے۔

اصول جرح وتعدیل اور ان کے الفاظ اور اسباب جرح کے بیان میں کہ جرح مبہم مقبول نہ ہوگی البتہ جس کی کسی نے توثیق نہیں کی اس کے بارے میں قبول کر لی جائے گی:

203: تعدیل مبہم بغیر سبب کے ذکر کئے قبول کر لی جائے گی۔ اس لئے کہ اس کے اسباب کثیر ہیں ان سب کا ذکر کرنا مشکل ہوگا اور جرح تو وہ نہیں قبول کی جائے گی مگر مفسر اور جس میں سبب جرح بیان کیا جائے اس لئے کہ جرح امر واحد سے حاصل ہو جاتی ہے پس اس کو ذکر کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ لوگوں کا اسباب جرح میں اختلاف ہے ایک آدمی اپنے اعتقاد میں ایک چیز کو جرح سمجھتے ہوئے جرح کا اطلاق کر دیتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں جرح نہیں ہوتی پس اس کا سبب بیان کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ قادح ہے یا نہیں۔

204: ابن صلاحؒ فرماتے ہیں یہ بات ظاہر ہے اور فقہ اور اصول فقہ میں ثابت ہے اور خطیب نے ذکر کیا ہے کہ حفاظ حدیث میں سے ائمہ جیسے شیخین وغیرہ کا مذہب یہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بخاری نے ایک ایسی جماعت سے احادیث لی ہیں جن پر ان کے غیر سے جرح ہو چکی ہے جیسے عکرمہ بن مرزوق۔ مسلم نے سوید بن سعید اور ایک جماعت سے احتجاج کیا ہے جن کے بارے میں طعن مشہور ہے اور اسی طرح ابوداود نے بھی کیا ہے۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک جرح نہیں ثابت ہوتی مگر یہ کہ جب سبب جرح ذکر کیا جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک ایسی جماعت سے احتجاج کیا ہے جس پر بخاری کے علاوہ دوسروں کی طرف سے جرح کی گئی ہے جیسے عکرمہ، عمرو بن مرزوق اور مسلم نے سوید بن سعید اور ایک ایسی جماعت کے ساتھ احتجاج کیا ہے کہ جن کے بارے میں جرح مشہور ہے اور اسی طرح ابوداؤد نے کیا ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تمام اس طرف گئے ہیں کہ جرح کا جب تک سبب واضح نہ کیا جائے وہ ثابت نہیں ہوتی۔

205: صیر فی فرماتے ہیں اسی طرح جب کہیں فلان کذاب تو اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ کذب غلطی کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسے اس کا قول کذب ابو محمد ای غلط ابو محمد یہاں کذب غلطی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

206: جب ابن صلاح نے اس قول کو صحیح قرار دیا تو پھر اپنے اوپر ایک سوال وارد کیا اور کہا کہ قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ لوگوں نے رواۃ کی جرح اور ان کی احادیث کو رد کرنے میں ان کتب پر اعتماد کیا ہے جن کو ائمہ جرح وتعدیل نے تصنیف کیا ہے اور ان کتب کے مصنفین بہت کم سبب بیان کرتے ہیں بلکہ محض قول کہ فلان ضعیف اور فلان لیس بشیٔ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں یا صرف یہ نقل کرتے ہیں ھذا حدیث ضعیف۔ ھذا حدیث غیر ثابت ونحو ذالک اور سبب کے بیان ہونے کی شرط لگانا اان کتب کو معلل کرنے کی طرف مفضی ہوگا اور اکثر طور پر جرح کا باب بند ہو جائے گا پھر خود ہی ابن صلاحؒ نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے ہم جرح کے اثبات اور اس کا حکم لگانے میں اس پر اعتماد نہیں کرتے ہم صرف اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ جس کے بارے اسکی مثل جرح کی گئی ہوگی اس کے بارے میں توقف کریں گے اس پر بنا کرتے ہوئے کہ اس

نے ہمیں قوی شک میں ڈال دیا ہے ایسا شک جو توقف کو واجب کرتا ہے پھر اگر اس کے حال سے بحث کرنے سے شک زائل ہو جائے تو ہم اس کی حدیث کو قبول کر لیں گے اور اس میں توقف نہ کریں گے جیسا کہ ان سے بخاری مسلم نے احتجاج کیا ہے اور ان کے علاوہ وہ کہ جن پر غیر سے جرح ثابت ہے۔ سمجھ لے یہ عمدہ خلاصہ ہے۔ تدریب الراوی اور الرفع والتکمیل میں اسی طرح ہے۔ انہوں نے ابن صلاح سے یہ بات نقل کی ہے۔

207: حاصل یہ ہے کہ جب راوی کے بارے میں کسی کی توثیق بھی مروی نہ ہو اور کوئی ایک جرح مبہم اس پر کر دے تو اس کی حدیث میں توقف کیا جائے گا اور جب اس کی کوئی ایک توثیق کر چکا ہو تو اس کے بارے میں جرح مبہم قابل قبول نہ ہو گی بلکہ جرح کا اس طور ہونا ضروری ہے کہ اس کا سبب مفسر طور پر بیان کیا جائے۔ یہی معنی ہے اس کا جو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مختلف فیہ راوی یعنی ایسا راوی جس کی توثیق وتضعیف میں اختلاف ہو وہ حسن الحدیث ہے یعنی جب اس کے بارے میں جرح وتعدیل دونوں مبہم ہوں۔ اور جو کتب اسماء الرجال میں تضعیف کی گئی ہے ان میں مذکورہ جرح وتعدیل اکثر ایسی ہی ہیں پس تعدیل قبول کر لی جائے گی اور جرح قبول نہ کی جائے گی اور اس حدیث سے احتجاج کیا جائے گا۔ اور تو یہ بات جان چکا ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ضعیف یا لیس بشئی یا واہ بمرۃ وغیرہ ذلک تمام کے تمام جرح مبہم کے قبیل سے ہیں۔ پس یہ ایسے راویوں کے بارے میں موثر نہیں ہونگے جس کے بارے میں کسی ایک سے تعدیل وتوثیق پائی جا رہی ہو۔

209: حافظ ابن حجرؒ شرح نخبۃ الفکر اور لسان المیزان کے خطبہ میں اس طرف مائل ہوئے ہیں کہ جس کی کسی ایک نے بھی توثیق نہ کی ہو اس کے بارے میں جرح مبہم مقبول ہے۔ پس فرمایا بلکہ درست ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔ کہ اگر تو جرح مفسر ہے اور حالت راوی کی یہ ہو کہ بعض نے اس کی توثیق کی ہو بعض نے تضعیف تو جرح قبول کر لی جائے گی وگرنہ تعدیل پر عمل کیا جائے گا۔

اور جنہوں نے تعدیل کی تقدیم کا قول کیا ہے ان کے قول کو اسی پر محمول کر لیا جائے گا اور جس کا حال مجہول ہو اور ائمہ میں سے کسی کا قول انہ ضعیف یا متروک یا ساقط یا لا یحتج بہ وغیرہ اس کی مثل اس قول کے علاوہ نہ ملے تو اس قول کو تسلیم کر لیا جائیگا اور ہم اس کی تفسیر کا مطالبہ نہیں کریں گے۔اس لئے کہ اگر وہ اس کو مفسر بیان کرے اور جرح نقصان نہ بھی دئے تب بھی اس کے حال کا مجہول ہونا اس سے احتجاج سے روکتا ہے۔

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں جو لوگ خیر القرون کے مستور سے احتجاج کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ جرح مقبول نہیں ہونی چاہیے۔اگرچہ راوی کی کسی نے بھی توثیق نہ کی ہو۔اس میں جرح مفسر کے علاوہ کوئی جرح اثر نہ کرے گی اس لئے اگر جرح مفسر کو بیان کیا اور وہ غیر قادح نکلی تو اس کے حال کی جہالت ہمیں اس سے احتجاج سے نہ روکے گی۔

جب راوی میں جرح وتعدیل جمع ہوجائیں تو کونسی چیز مقدم ہوگی۔

210:اگر راوی میں جرح وتعدیل جمع ہوجائیں پس اگر دونوں مبہم ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں اور اگر جرح مفسر ہو اور تعدیل مبہم ہو تو جرح مقدم ہو گی یہی بات فقہا اور اصولین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔خطیب نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے اس لئے کہ جارح کے پاس علم کی زیادتی ہے۔ور اگر تعدیل بھی مفسر ہو بایں طور کہ معدل کہے کہ میں اس سبب کو جانتا ہوں جس کو جارح نے ذکر کیا ہے لیکن اس نے توبہ کر لی تھی اور اس کا حال درست ہوگیا تھا پس اس وقت تعدیل مقدم ہوگی۔تدریب الراوی میں معنی اس طرح ہے۔

211:میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اگر معدل (تعدیل کرنے والا) یہ کہے کہ فلاں ثقہ ہے اور جس نے اس پر جرح کی ہے اس نے ظلم کیا ہے یا کہے کہ بعض نے اس پر بغیر دلیل کے جرح کی ہے یا اس طرح کا کوئی اور قول ہو تو ایسی صورت میں بھی تعدیل مقدم ہوگی۔

اس لئے کہ یہ تعدیل، تعدیل مفسر کے حکم میں ہے اس لئے کہ یہ بتلا رہی ہے کہ معدل جارحین کے اقوال سے واقف ہے اور ان اقوال کا اس کے نزدیک کوئی اثر نہیں ہے۔ اور اس کا تعدیل مفسر سے ہونا ان کے کلام کے تتبع سے ظاہر ہوا ہے۔ خاص کر حافظ ابن حجرؒ کے اس کلام سے جو مقدمہ فتح الباری میں مذکور ہے جب انہوں نے صحیحین کے راویوں پر بعض محدثین کی کی گئی جرح کا جواب دیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

ائمہ کے نزدیک جس کی عدالت اور امامت ثابت ہو اس میں جرح مفسر بھی اثر نہیں کرے گی:

212: جس کی عدالت ثابت ہو اور امت اس کی امامت پر یقین رکھتی ہو اس کے بارے میں کوئی جرح موثر نہ ہوگی خواہ جرح مفسر ہی کیوں نہ ہو اور اس کی حدیث صحیح ہوگی فقط حسن بھی نہ ہوگی۔ ابو جعفر ابن جریر طبری فرماتے ہیں۔ نہیں ہے کوئی ایک جو عکرمہ کے علم فقہ اور علم قرآن اور تفسیر قرآن اور کثرت روایت احادیث میں مقدم ہونے کی نفی کر سکے۔

اور وہ اپنے مولا (ابن عباسؓ) کے علوم کا عالم تھا اور ابن عباسؓ کے ان اصحاب کی تائید اسے حاصل ہو جائے اور وہ جواز شہادت کا مستحق ہو جائے۔ اور جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں جرح مقبول نہیں ہوتی اور نہ ظن کی وجہ سے اس کی عدالت ساقط ہوتی ہے۔

213: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ یہ عکرمہ ہے پہلوں میں سے ایک جماعت نے اس پر جرح کی ہے لیکن محدثین نے ان کی طرف توجہ نہیں کی اس کی عدالت اور امامت کے ثبوت کی وجہ سے اور اس کی حدیث کو صحیح شمار کیا ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر ہر آدمی پر جو کچھ اس کا مذہب ہونے کا دعوی ہونے کا کیا گیا ہو اس کا دعوی تسلیم کر لیا جائے اور اس کی عدالت ساقط ہو جائے اور اس سے اس کی شہادت باطل ہو جائے تو اکثر محدثین امصار کا ترک لازم آئے گا اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی کسی نہ کسی قوم نے اپنے پسندیدہ عقائد کی طرف منسوب نہ کیا

ہو۔

رئیس المحدثین، امام المناظرین، قدوۃ المحققین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی لکھتے ہیں جس طرح پانی دو قسم پر ہے قلیل اور کثیر۔ قلیل پانی جو بالٹی میں ہو وہ ایک قطرہ پیشاب گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے، مگر کثیر پانی مثلاً دریا یا سمندر میں دس بالٹیاں بھی پیشاب کی ڈال دیں تو وہ ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح راوی دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی امامت اور عدالت امت میں مسلم ہے ان کی مثال سمندر کی سی ہے ایسے راوی جرح مفسر سے بھی مجروح نہیں ہوتے کیونکہ ان کی شہرت کے مقابلہ میں یہ جرح شاذ ہے جیسے امام بخاریؒ کو ان کے اساتذہ امام ابوزرعہؒ اور ابو حاتمؒ نے متروک قرار دیا مگر ان کی مسلمہ امامت کی وجہ سے جمہور نے اس کو قبول نہیں کیا اگرچہ مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نے امام بخاریؒ کی سند سے کوئی حدیث نہیں لی۔ دوسرے عام راوی ہیں ان کی مثال قلیل پانی کی ہے ان پر کوئی ایسا فسق ثابت کر دیا جائے جس کا گناہ ہونا امت میں متفق علیہ ہو تو اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے گا یا یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ وہ حدیث یاد نہیں رکھ سکتا تھا تو بھی اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے گا۔

(تجلیات صفدر ص ٦٦ ج ٢، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ائمہ کے بارے میں حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا ہے کہ کسی کی جرح قبول نہیں ہوگی حضرت کے اس فرمان کی تائید میں علامہ تاج الدین سبکیؒ کا قول نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں

قاعدة ضرورية نافعة لا تراها فی شیء من کتب الاصول فانک اذا سمعت ان الجرح مقدم علی التعدیل و رأیت الجرح والتعدیل و کنت غراً بالأمور او فدماً مقتصراً علی منقول الاصول حسبت ان العمل علی جرحه فایاک ثم ایاک والحذر ثم الحذر من هذا الحسبان.

ترجمہ: جرح اور تعدیل میں ایسا قاعدہ جو ضروری ہے اور نفع دینے والا ہے جسے تو کتب اصول میں سے کسی کتاب میں نہیں دیکھے گا۔ اس لئے کہ جب تو سن چکا ہو گا کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے اور تو جرح کو اور تعدیل کو دیکھے گا اور تو امور سے دھوکہ کھانے والا ہو گا اور اصولوں کو کم سمجھنے والا ہو گا تو گمان کرے گا کہ جرح پر عمل کرنا ہے تو اس سے بچ کر رہ پھر بچ کر رہ اور بچاؤ کو اختیار کر ہر قسم کے بچاؤ کو اس گمان سے۔ آگے لکھتے ہیں

بل الصواب عندنا ان من ثبتت امامته و عدالته و كثر مادحوه و مزكوه و ندر جارحوه و كانت هناك قرينة دالة على سبب جرحه من تعصب مذهبى او غيره فانا لانلتفت الى الجرح فيه و نعمل فيه بالعدالة والا فلوفتحنا هذا الباب و اخذنا تقديم الجرح على اطلاقه لما سلم لنا احد من الائمة اذ مامن امام الاوقد طعن فيه طاعنون و هلك فيه هالكون. (قاعدة فى الجرح والتعديل ص ۱)

ترجمہ …… بلکہ ہمارے ہاں درست بات یہ ہے کہ وہ شخص جس کی امامت اور عدالت ثابت ہو چکی ہو اور اس کے مدح کرنے والے اور تزکیہ کرنے والے کثیر ہوں اور اس پر جرح کرنے والے قلیل ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی قائم ہو جائے جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ جرح مذہبی تعصب وغیرہ کی بنا پر ہے، پس ہم اس صورت میں جرح کی طرف دھیان نہیں دیں گے اور ہم عدالت پر عمل کریں گے وگرنہ اگر ہم نے یہ دروازہ کھول لیا اور مطلق جرح کو تعدیل پر مقدم کرنا شروع کر دیا تو ائمہ میں سے کوئی امام بھی سالم نہیں بچے گا اس لئے کہ کوئی امام ایسا نہیں ہے جس پر طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو اور ہلاک ہونے والے اس میں ھلاک نہ ہوئے ہوں۔

خدا کروڑوں رحمتیں نازل کرے علامہ سبکیؒ پر کیسا عمدہ اصول ذکر فرمایا جب امام اعظمؒ محفوظ نہ رہے دارِقطنی نے ضعیف کہہ دیا، اور امام بخاریؒ کو ان کے اساتذہ نے متروک کر دیا تو اور کون بچ سکتا ہے؟ بلکہ علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ علماء میں سے بعض کا قول بعض کے بارے میں نہیں سنا جائے گا۔ چنانچہ لکھتے ہیں

وقد عقد الحافظ ابو عمر بن عبدالبر فی کتاب العلم بابا فی حکم قول العلماء بعضهم فی بعض بدأ فيه بحديث الزبير رضی الله عنه دب اليكم داء الامم قبلكم الحسد والبغضاء. الحديث و روى بسنده عن ابن عباس رضی الله عنهما انه قال استمعوا علم العلماء ولا تصدقوا بعضهم على بعض فوالذی نفسی بيده لهم اشد تغايراً من التيوس فی زروبها وعن مالک بن دينار يوخذ بقول العلماء والقراء فی کل شیء الا قول بعضهم فی بعض.

ترجمہ...... اور ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں باب باندھا ہے ایک دوسرے کے بارے میں علماء کے اقوال کے حکم کے بیان میں اور ابتداء کی ہے حدیث زبیرؓ کے ساتھ کہ تم سے پہلی امتوں کی بیماری تمہارے پاس بھی آئے گی حسد اور بغض۔ اور روایت کیا ابن عباسؓ سے اپنی سند کے ساتھ اس روایت کو کہ انہوں نے فرمایا علماء کا علم سنو اور ان میں سے بعض کی بعض کے خلاف تصدیق نہ کرو پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان میں بکروں سے بھی زیادہ غیرت ہوتی ہے اپنے باڑوں میں اور مالک بن دینار سے روایت کیا کہ علماء اور قراء کا قول ہر چیز میں لے لینا مگر جب ان کا قول ایک دوسرے کی مخالفت میں ہو تو نہ لینا۔

معلوم ہوا کہ ائمہ کے بارے میں اور ان راویوں کے بارے میں جن کی عدالت یا امامت مسلمات میں سے ہو جرح نہیں سنی جائے گی۔

ہر جارح کا قول نہیں لیا جائے گا اگر چہ جارح ائمہ سے ہو اس لئے کہ کبھی اس کی جرح کو قبول کرنے سے موانع منع کر دیتے ہیں۔

214: ہر جارح کا قول لینا جائز نہیں ہے خواہ جس راوی کے بارے میں بھی ہو اگر چہ جارح ائمہ یا مشاہر علماء امت سے ہو اس لئے کہ اکثر کوئی نہ کوئی ایسا مانع پایا جاتا ہے جو اس پر جرح کو قبول کرنے سے روک دیتا ہے۔ اس وقت اس کی جرح کو رد کرنے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اور اس کی کئی صورتیں ہیں جو ماہرین پر مخفی نہیں ہیں۔

215: ان اسباب میں سے کہ جن کی وجہ سے جرح قبول نہیں ہوتی یہ بھی ہے کہ جارح خود مجروح ہو پس اس وقت اس کی جرح کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی اور اسی طرح اس کی تعدیل کی طرف بھی توجہ نہیں کی جائے گی الا یہ کہ اس کا غیر اس کی موافقت کرے۔ جیسے ازدی پس اس کی زبان میں شدت ہے اور وہ جرح میں اسراف کرنے والا ہے۔

ذھبیؒ ابان بن اسحاق المدنیؒ کے ترجمہ میں ابوالفتح ازدی کی جرح انــــه متـــروك نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ میں (ذھبیؒ) کہتا ہوں ترک نہ کیا جائے گا اس لئے کہ احمد اور عجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے اور ابوالفتح جرح میں اسراف کرنے والا ہے اور اس کی بہت بڑی تصنیف مجروحین میں ہے جس میں اس نے ایک مخلوق پر اپنی طرف سے جرح کی ہے کہ جن پر کسی نے بھی اس سے پہلے جرح نہیں کی حالانکہ یہ خود متکلم فیہ ہے۔

216: ابن حبان فرماتے ہیں کہ محال ہے کہ مجروح کی کلام سے عادل کو مجروح کیا جائے۔

217: ان اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ جارح متعنتین متشددین فی الجرح میں سے ہو اس لئے کہ ائمہ جرح وتعدیل کی ایک بڑی جماعت ہے جو جرح میں متشدد ہے اور وہ

راوی کو ادنی جرح کی وجہ سے مجروح کر دیتی ہے اور اس پر ان جروحات کا اطلاق کر دیتی ہے جس کا اطلاق مناسب نہیں ہوتا اس جیسے متشدد کی توثیق تو معتبر ہے مگر جرح اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کوئی ایسا آدمی جو انصاف کرنے والا ہو اور اس کا اعتبار بھی کیا جا سکتا ہو وہ اس کی موافقت نہ کر دے متعنتین متشددین میں سے ابوحاتم نسائی ابن معین ابوالحسن، یحیی بن سعید القطان، ابن حبان وغیرہ ہیں اس لئے کہ یہ جرح میں اسراف اور تعنت میں معروف ہیں۔

218: ذھبیؒ میزان الاعتدال میں سفیان بن عیینہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ابن قطان رجال کے بارے میں بہت زیادہ متعنت ہے۔ اسی طرح سیف بن سلیمان المکی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ یحیی قطان نے باوجود اپنے تعنت کے سیف سے روایت کی ہے اور اسی طرح حارث اعور کے ترجمہ میں فرماتے ہیں حارث کی حدیث سنن اربعہ میں ہے اور نسائی نے باوجود اس کے رجال میں متعنت ہونے کے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس کے امر کو قوی قرار کیا ہے اور ذھبیؒ عثمان بن عبدالرحمٰن الطرائفی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں اور بہرحال ابن حبان وہ اپنی عادت کے مطابق گرج رہا ہے۔

219: حافظ ابن حجرؒ "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" میں فرماتے ہیں کہ ابن حبان بسا اوقات ثقہ پر بھی جرح کر دیتا ہے گویا اسے نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے سر سے کیا نکل رہا ہے۔ الرفع والتکمیل میں اسی طرح ہے۔

221: اور علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ علامہ ذھبیؒ نے ان محدثین کو جنہوں نے راویوں کے بارے میں کلام کیا ہے مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے

(1) وہ حضرات جنہوں نے تمام راویوں کے بارے میں کلام کیا ہے جیسے ابن معین اور ابوحاتم۔

(2) وہ حضرات جنہوں نے اکثر راویوں کے بارے میں کلام کیا ہے جیسے امام مالکؒ اور شعبہؒ

(3) وہ حضرات جنہوں نے ایک راوی کے بعد دوسرے راوی کے بارے میں کلام کیا ہے جیسے ابن عینیہ اور امام شافعیؒ مزید فرمایا ان تینوں کی آگے تین اقسام ہیں

(1) ایک قسم ان میں سے جو جرح میں متشدد اور تعدیل میں مسبط ہیں چشم پوشی کرتے ہیں۔

وہ راوی سے دو تین غلطیوں کے ساتھ پس اسکے قول کو داڑھوں سے مضبوطی سے پکڑ لو اور اسکی توثیق کے ساتھ استدلال کرو اور جب یہ کسی راوی کی تضعیف کریں تو غور کرو کیا اسکے علاوہ کوئی اسکے ضعف پر متفق ہے پس اگر متفق ہو اور کوئی بھی اس آدمی کو ثقہ بیان نہ کرے ماہر فن میں سے تو یہ ضعیف ہے۔ اور اگر کوئی اسکی ثقاہت بیان کردے تو یہ اس طرح ہے جس طرح انہوں نے کہا اسکے بارے میں اب اسکے بارے میں جرح قبول نہیں کی جائے گی الا یہ کہ جرح مفسر ہو یعنی اسکے بارے میں ابن معین کا ضعیف ہونے کا قول قابل قبول نہیں اگر اسکے ضعف کا سبب بیان نہ کریں۔ پھر امام بخاریؒ وغیرہ جو انکی توثیق بیان کرتے ہوں۔

222: (2) دوسری قسم ان میں سے وہ ہے جو تسامح کرتے ہوں جیسے ترمذی اور حاکم۔

(3) اور تیسری قسم ان میں سے معتدل ہے جیسے امام احمد، دار قطنی اور ابن عدی۔

اور حافظ ابن حجرؒ نکت ابن صلاح میں فرماتے ہیں کہ بے شک ناقدین حضرات میں سے ہر طبقہ میں متشدد اور متوسط حضرات موجود ہیں۔

(1) طبقہ اولی جیسے شعبہ اور سفیان اور شعبہ سفیان ثوری سے متشدد ہیں۔

(2) طبقہ ثانیہ جیسے یحیی قطان اور ابن مہدی اور یحیی ابن مہدی سے متشدد ہیں۔

(3) طبقہ ثالثہ جیسے یحیی بن معین اور احمد بن حنبلؒ اور یحیی بن معین احمد سے متشدد ہیں۔

(4) طبقہ رابعہ جیسے ابو حاتم و بخاری اور ابو حاتم بخاری سے متشدد ہیں۔

223: اور متاخرین میں سے بعض (نقد رجال کے بارے میں) متشدد ہیں ان میں سے

(1) ابن جوزی ہیں جو کتاب الموضوعات اور علل متناھیہ کے مصنف ہیں

(2) اور عمر بن بدر الموصلی ہیں جو موضوعات کے بارے میں رسالہ کے مصنف ہیں جو

ابن جوزیؒ کی کتاب موضوعات سے تلخیص کیا گیا ہے

(3) الرضی الصاغانی اللغوی ہیں ان کے موضوعات کے بارے میں دو رسالے ہیں

(4) جوزقانی جو مصنف کتاب الاباطیل ہیں

(5) شیخ ابن تیمیہؒ الحرانی ہیں جو منہاج السنۃ کے مصنف ہیں

(6) اور المجد اللغوی ہیں جو القاموس اور سفر السعادہ کے مصنف ہیں اور انکی مثل دوسرے بھی ہیں یہ سب احادیث پر جرح کرنے میں سخت ہیں۔ پس وہ جلدی کرتے ہیں حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں اس کے راوی میں تھوڑا سا عیب پائے جانے کی وجہ سے یا اس راوی کے دوسری حدیث کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ پس انہوں نے بہت ساری قوی حدیثوں پر وضع یا ضعف کا حکم لگایا ہے اور بہت ساری ضعیف حدیثوں پر تھوڑے سے ضعف کی وجہ سے انہوں نے مضبوط جرح کے ساتھ حکم لگایا ہے۔ پس ضروری ہے کہ عالم کے لئے جلدی نہ کرئے ان کے اقوال کے قبول کرنے میں بغیر ان کے احکام کی وضاحت کے۔ یہ ضابطہ علامہ عبدالحئیؒ لکھنویؒ کی کتاب الرفع والتکمیل میں اسی طرح ہے۔

224: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں جارحین میں بعض ایسے بھی ہیں جو خاص شہروں کے راویوں پر جرح کرنے میں سخت ہیں۔ یا بعض مخصوص مذاہب کے راویوں پر نہ کہ وہ تمام راویوں پر جرح کرنے میں سخت ہیں۔

(1) جیسے جوزجانیؒ یہ خاص طور پر کوفی راویوں پر جرح کرنے میں سخت ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں جوزجانی کی کوفیوں پر چڑھائی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

225: امام ذھبیؒ جو اپنے معلوب الحال اور حد درجہ پرہیزگاری کی وجہ سے صوفیہ اور اشاعرہ پر جرح کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ تاج الدین سبکی اپنی کتاب طبقات شافعیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے شیخ امام ذھبیؒ ہیں انکی علمی کمال اور دیانتداری مشہور ہے لیکن اھل السنۃ کے بارے میں انتہائی غلو کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ لہذا انکی بات پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اگر

چہ وہ وہ ہمارے شیخ اور استاد ہیں لیکن حق زیادہ لائق ہے اتباع کرنے کے اور وہ تعصب میں اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں کہ آدمی کو اس سے حیا آتی ہے۔

(1) داقطنیؒ اور انکی مثل متاخرین میں سے محدثین ہیں یہ امام ابوحنیفہؒ واصحاب ابی حنیفہؒ کے بارے میں سخت ہیں۔ یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں ہے جو ان کی کتب کا مطالعہ کرے۔ علامہ بحر العلوم اپنی کتاب فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں کہ مذکی بیان کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو جرح وتعدیل کے اسباب جانتا ہوں اور انصاف کرنے والا ہو ناصح ہو۔ نہ وہ متعصب ہو اور نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا ہو۔ کیونکہ متعصب آدمی کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسے دار قطنیؒ نے امام ابوحنیفہؒ پر عیب لگایا کہ وہ حدیث کے بارے میں ضعیف ہیں۔ اس سے بڑھ کر کونسی بدبختی ہوگی حتی کہ بحر العلوم فرماتے ہیں حق بات یہ ہے کہ جو اقوال دار قطنیؒ سے اس بڑے امام کے بارے میں صادر ہوے ہیں وہ تمام تعصب کی بنا پر صادر ہوے ہیں وہ توجہ کے لائق نہیں ہیں۔ اللہ کے نور کو منہ کے پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکتا، اس کو اچھی طرح یاد کرلے۔

226: (1) خطیب بغدادی مصنف تاریخ بغداد، تنویر الصحیفہ کے مصنف فرماتے ہیں ''خطیب کے کلام سے دھوکہ مت کھا وہ بھی علماء کی ایک جماعت کے بارے میں سخت متعصب ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور احمد کے بعض اصحاب کے بارے میں۔ اور ان پر زیادتی کی ہر وجہ سے اور لکھی ہے اس بارے میں انکے بعض نے السہم المصیب فی کبر الخطیب (2) اور بہر حال ابن جوزیؒ نے خطیب کی اتباع کی ہے اسی طرح الرفع والتکمیل میں ہے۔

227: محدث ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ابن جوزیؒ کا خطیب کی اتباع کرنا یہ عجیب ہے۔ ابو العباس القاضی عصر السر دجی نے ابن جوزی سے یہ بات نقل کی ہے ابن جوزی فرماتے ہیں خطیب کی جرح وتعدیل کو قبول کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خطیب سے منقول باتیں قلت دین پر دلالت کرتی ہیں یہی بات علامہ عینیؒ نے البنایہ میں لکھی ہے۔

228: اور تاج الدین سبکیؒ طبقات الشافعیہ میں فرماتے ہیں کہ ائمہ کے اس قاعدے کو کہ

جرح تعدیل پر مقدم ہے مطلق سمجھنے سے ڈر بلکہ درست بات یہ ہے کہ جس شخص کی امامت و عدالت ثابت ہو اور اسکی تعریف کرنے والے زیادہ ہوں اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور ساتھ وہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اس پر جرح کا سبب تعصب مذہبی ہے یا کوئی دوسرا سبب ہے تو اس وقت اسکی جرح قابل قبول نہیں رہے گی۔ اور طبقات شافعیہ میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ ہم تجھ کو یہ بات بتاتے چلیں کہ جارح کی مفسر جرح بھی اس شخص کے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی جس کی نیکیاں اچھائیاں اسکے گناھوں پر غالب ہوں اور اس کے تعریف کرنے والے زیادہ ہوں اور اسکی مذمت کرنے والوں سے اور اسکی عدالت بیان کرنے والے زیادہ ہوں اس پر جرح کرنے والوں سے کوئی ایسا قرینہ پایا جائے کہ کہ اس پر جرح ہے وہ تعصب مذہبی یا دنیاوی منافرت کی وجہ سے ہے جیسا کہ یہ عام طور پر ہم عصروں کے درمیان ہوتا ہے یا اس کے علاوہ پس اسی وجہ سے امام ثوریؒ اور انکے علاوہ دوسری کلام ابوحنیفہؒ کے بارے میں قابل توجہ نہیں ہے اور ابن ابی ذئب وغیرہ کی کلام امام مالکؒ کے بارے میں اور ابن معین کی امام شافعیؒ کے بارے میں اور امام نسائیؒ کی احمد بن الصالح المصری کے بارے میں اور اسکی مثل دوسروں میں اور اگر ہم جرح کو مطلقاً مقدم رکھیں تو ائمہ میں سے کوئی ایک بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ ہر امام کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعن کیا ہے اور ھلاک ہونے والے اس میں ھلاک ہوئے ہیں۔

229: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب جرح تعصب مذہبی یا دشمنی یا منافرت یا کسی اور وجہ سے صادر ہو جائے تو ایسی جرح مردود ہے اور اسی طرح ہم عصروں کی بعض کی بعض کے بارے میں جرح جب بغیر حجت اور دلیل کے ہو تو ایسی جرح تعصب اور منافرت پر مبنی ہوگی اور اگر ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو جرح مقبول ہوگی اچھی طرح بات کو سمجھ لے۔

230: وہ اوصاف جو راوی میں اسکی روایت کے قبول ہونے کی شرط ہیں اوران عوارض کو ذکر جو نقصان نہیں دیتے:

ائمہ حدیث وفقہ میں سے جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ راوی میں یہ شرط ہے کہ وہ عادل ہو اور روایت کے لئے ضابط ہو یایں طور کہ مسلمان ہو بالغ ہو عاقل ہو اسباب فسق اور خلاف مروت چیزوں سے سالم ہو بیدار ہو غافل نہ ہو۔ اگر حافظہ سے روایت کو بیان کر رہا ہو تو اس کتاب کو تبدل وتغیر سے محفوظ رکھنے والا ہو۔ اگر روایت بالمعنی بیان کرئے تو ان اسباب کا عالم ہو جو معنی کو بگاڑ دیتے ہیں۔ تدریب الراوی میں اسی طرح ہے۔ پس کافر مجنون اور بچے مجنون یا سماع میں غفلت کرنے والے اور فاسق کی روایت قبول نہیں ہوگی۔ ضبط سے مراد ہے کہ مسموع کا یا دھونا اسکے نہ یاد ہونے سے راجح ہو۔ اوراس کو یاد کرنا عدم یاد کرنے سے راجح ہو۔ اسی طرح علامہ آمدی کے الاصول میں ہے کبھی کبھی نسیان سہو اور وہم کا طاری ہو جانا اس کو نقصان نہیں دے گا۔ اس لئے کہ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے "میں بشر ہوں بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔

231: اور لسان المیز ان میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا وہم سے کون سالم رہا ہے ابن معین فرماتے ہیں میں اس سے تعجب نہیں کرتا جو حدیث کو بیان کرے اور خطاء کر جائے مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو حدیث بیان کرئے اور درست بیان کردے۔ میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ یہ بھی ان میں سے ہے جس میں توقف کرنا مناسب ہے۔ جب کسی راوی کے بارے میں جرح کی گئی ہو کہ اس نے حدیث میں خطاء کی ہے یا اسے وہم ہوا ہے یا وہ متفرد ہے تو یہ پختہ جرح نہیں ہے اس سے اس کی حدیث رد نہیں کی جائے گی۔ اسباب فسق سے سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرنے والا ہو۔ اس کی تفصیل طویل کتابوں میں ہے۔ بندہ (محمد محمود عالم) نے جامع الاسرار میں تفصیل سے ان کو بیان کر دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

ان امور کا بیان جو راوی میں جرح کا باعث نہیں:

232: شرائط مذکورہ میں تو جرح مقبول ہوگی ان کے ماسواء میں معتبر نہ ہوگی پس ارسال تدلیس فقہ کے ساتھ مشغول ہونا سلطان کا کام جب کہ وہ جائز ہو گھوڑے پر سوار ہونا جانور دوڑانا مباح کلام کثرت سے کرنا روایات قلیل بیان کرنا شیوخ کا قلیل ہونا حدیث کے سماع کے لئے تھوڑا سفر کرنا اور اسکی مثل چیزیں جرح نہیں ہوں گی۔ اس لئے کہ یہ راوی کی عدالت اور ضبط کو نقصان نہیں دیتی۔ ہمارے احناف میں سے اصولین نے اور محدثین میں سے محققین جو ہم سے یا ہمارے غیر سے ہیں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے۔ تفصیل طویل کتب میں مذکور ہے۔

233: علامہ آمدی الاحکام میں فرماتے ہیں " کسی کی شہادت پر حکم نہ لگانا اس سے اس پر جرح لازم نہیں آتی اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ کسی ایسی وجہ سے ہو جو جرح نہ ہو۔ اور نہ زنا کی گواہی اور ہر ایسی گواہی سے جو مشہور علیہ پر حد کو واجب کرتی ہو جب نصاب شہادت مکمل نہ ہو۔ اس لئے یہ صریح قذف کا مرتکب نہیں ہوا یہ تو شہادت کے لئے آیا ہے اور نہ ان کاموں کی وجہ سے جرح ہو گی جن میں اجتہادی اختلاف کی گنجائش ہے بعض ائمہ مجتہدین جس کے جواز کے قائل ہوں جیسے شطرنج کھیلنا، نبیذ پینا وغیرہ۔ اور نہ تدلیس سبب جرح ہے اس لئے کہ یہ کذب نہیں ہے بلکہ یہ تو ان عوارض میں سے ہے جو کذب سے مستغنی کر دیتے ہیں۔

234: منار اور اسکی شرح نور الانوار میں ہے کہ ائمہ حدیث سے طعن مبہم راوی کو مجروح نہیں کرتا بایں طور کہ وہ کہے ھذا الحدیث مجروح یا ھذا الحدیث منکر اور اسکی مثل۔ الا یہ کہ جرح مفسر واقع ہو اور جرح بھی ایسی ہو جو تمام کے ہاں جرح ہو اور اسکا جرح ہونا اختلافی نہ ہو بایں طور کہ بعض کے نزدیک تو وہ جرح ہو اور بعض کے نزدیک وہ جرح نہ ہو اور اس آدمی سے صادر ہوئی ہو جو نصیحت کے ساتھ مشہور ہو متعصب ہونے کے ساتھ مشہور نہ ہو۔ حتی کہ ارسال تدلیس سواری دوڑانا مزاح کم عمری روایات نقل کرنے کا خاص اہتمام نہ کرنا اور فقہی مسائل کثرت سے بیان کرنا

ملعن مقبول نہیں ہوتا۔

235: حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں ''قسم ثانی ان راویوں کی ہے جن کو امر مردود کی وجہ سے ضعیف کہا گیا ہے جیسے بے جا جرح کرنے کی وجہ سے اس پر جرح کی گئی ہو یا متعنت ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہ اس نے مضعف (جس کو بعض نے ثقہ بعض نے ضعیف کہا ہو) کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا کیوں کہ وہ اہل نقد میں سے نہیں تھا۔ یا اس وجہ سے کہ متکلم فیہ کی حدیث کی خبر یا اسکی حال کی خبر اسے مکمل نہ تھی۔ یا اس وجہ سے جرح کی گئی ہو جو اس کی تمام احادیث میں قادح نہیں ہے۔ جیسے وہ بعض شیوخ کی روایات میں تو ضعیف کہا گیا اور بعض میں نہیں۔

اور اسی طرح جس کو اختلاط ہو گیا یا اس کا حافظ متغیر ہو گیا یا کتاب سے روایت بیان کرتا ہے اس کا ضابط ہے حافظہ سے روایت بیان نہیں کرسکتا حافظہ کا ضابط نہیں ہے۔ پس یہ تمام اقسام ایسی ہیں کہ ان پر مطلقاً ضعف کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ ان کے معاملہ میں تفصیل درست ہے۔

راوی کا اپنی روایت سے انکار کا حکم:

236: مروی عنہ جب روایت کا انکار کر دئے پس اگر تو اس کا انکار سخت ہو بایں طور کہ یہ کہے ''تو نے مجھ پر جھوٹ بولا میں نے تجھے یہ روایت بیان نہیں کی تھی تو حدیث پر عمل بالاتفاق ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر انکار، انکار توقف ہو بایں طور کہ یہ کہے ''مجھے یاد نہیں کہ میں نے یہ روایت تجھے بیان کی یا میں اسے نہیں جانتا'' تو اس صورت میں امام ابو یوسف، امام کرخی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس پر عمل ساقط ہو جائے گا اور امام محمد، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ساقط نہیں ہوگا۔ منار اور نور الانوار اور اسکے حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

237: راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا کا حکم:

راوی کا اپنی روایت کے بعد اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا جو یقینی طور پر اختلاف ہو اس

روایت پر عمل کرنے کو ہمارے نزدیک ساقط کر دیتا ہے۔اور اگر عمل روایت کو نقل کرنے سے پہلے کا ہو یا تاریخ کا علم نہ ہو تو یہ جرح نہ ہوگی۔منار اور اسکی شرح میں اسی طرح ہے۔اگر روایت میں کئی احتمالات ہیں اور راوی نے ان میں سے ایک کی تعین کر دی تو یہ دوسرے احتمال پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوگا۔اور اس میں یہ بھی ہے کہ راوی کا اپنی روایت پر عمل کرنے رک جانا یا اسکے خلاف عمل کرنے کی مثل ہے۔منار میں اس کی بھی تصریح کی ہے۔

صحابی کا حدیث کے خلاف عمل کرنے کا حکم:

238: صحابہ یا کسی صحابی کا کسی حدیث کے خلاف عمل کرنے کو اس پر طعن کو ثابت کر دیتا ہے اگر حدیث ظاہر ہو ان پر یا اس پر اور اخفا کا احتمال نہ رکھتی ہو۔اور اگر خفاء کا احتمال ہو تو یہ اس پر جرح کو ثابت نہیں کرے گا۔منار اور اس کی شرح میں اسی طرح ہے اور اسی طرح صحابہ کا کسی حدیث کے مقتضی پر عمل کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا مرسل کے بارے میں جب صحابی کا قول اس کی تائید کر رہا ہو تو اس سے احتجاج کیا جائے گا پس صحابی کا عمل بھی اسی طرح ہے ہم پہلے یہ ذکر کر آئے ہیں۔

راوی میں نقصان دینے والی جہالت اور نقصان نہ دینے والی جہالت کا بیان:

239: صحابی کی جہالت حدیث کی صحت کو نقصان نہیں دیتی اس لئے کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں پس تعدد روات کے ساتھ ان سے جہالت کو رفع کرنے کی حاجت نہیں ہے۔تدریب الراوی میں اسی طرح ہے اور علامہ آمدی الاحدحکام میں فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ صحابہ کی عدالت پر متفق ہیں۔

بندہ (محمود) نے اس پر قطرات العطر شرح شرح نخبۃ الفکر میں اس پر مزید حوالہ جات نقل کیے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

240: غیر صحابی کی جہالت دو قسموں پر ہے۔ یا وہ مبہم وہ گا یا وہ غیر مبہم ہوگا۔ اگر مبہم ہوگا تو اس کی حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف ہے اگر لفظ تعدیل کے بغیر مبہم چھوڑا گیا تو مناسب یہ ہے کہ ہمارا مذہب اس کی حدیث کو قبول کرنے کا ہونا چاہیے۔ لیکن شرط وہی ہوگی کہ جو مرسل میں ذکر کی گئی ہے، اسی طرح قفوالاثر میں ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ قرون ثلاثہ کا ہو نہ کہ بعد کا اور غیر مبہم یا تو ذات اور حال دونوں کے اعتبار سے مجہول ہوگا اس کو حکم آگے آ رہا ہے اور اگر حال کے اعتبار سے مجہول ہو اور ذات معلوم ہو یا ظاہر کے اعتبار سے عادل ہو اور باطن مخفی ہو اسے ان کے نزدیک مستور کہا جاتا ہے۔ پس امام شافعیؒ امام احمدؒ اور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ مجہول الحال کی روایت مقبول نہیں ہے بلکہ اس کے باطن کی خبر ہونا ضروری ہے اور امام صاحب اور آپکے متبعین ظاہر میں اسلام کا ہونا فسق سے سالم ہونا روایت کے قبول کرنے میں کافی قرار دیتے ہیں۔ کذا فی اصول الآمدی۔

241: قرۃ العین فی ضبط اسماء الرجال الصحیحین میں ہے مجہول الحال مقبول نہیں ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

(1) جو ظاہر و باطناً مجہول الحال ہو۔ اسکی خبر جمہور کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

(2) جو باطناً مجہول العدالت ہو ظاہراً نہ ہو اور یہ مستور ہے مختار مذہب اس کی خبر کو قبول کرتا ہے سلیم رازی نے اس کو اختیار کیا ہے اور جس راوی کی معرفت مشکل ہے ان کے زمانہ کے قدیم ہونے کی وجہ سے مشہور کتب حدیث میں سے اکثر میں اس پر ان راویوں کے بارے میں عمل ہے۔

(3) مجہول العین۔ یہ وہ ہے جس کو علماء نہ پہچانتے ہوں اور اس کی حدیث نہ معروف ہو مگر ایک ہی جہت سے۔

242: بعض فضلاء کا جو مسند امام اعظم کا مقدمہ ہے اس میں ہے کہ علامہ قسطلانیؒ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں ایک قوم نے مستور کو قبول کیا ہے اور اس کو ابن الصلاح نے راجح قرار دیا ہے۔ اور اسدؒ نے شرح نخبۃ میں فرمایا ہے اور اسکی روایت کو ایک جماعت نے بغیر کسی شرط کے قبول کیا ہے اور ملا علی قاریؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ابن حبان نے بھی امام اعظمؒ

کی اتباع کرتے ہوئے اس کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ ابن حبان کے نزدیک عادل وہ ہے جس کے بارے میں جرح معلوم نہ ہو اور فرمایا لوگ اپنے احوال میں اصلاح اور عدالت پر ہیں حتی کہ ان سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جائے جو جرح کو واجب کرتی ہو اور لوگوں کو جو چیز ان سے غائب ہے اس کا مکلّف نہیں بنایا گیا ان کو صرف ظاہر کا مکلّف بنایا گیا ہے۔(ق۲۰۵)

243: علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں اور مستور جو کہ ظاہر کے اعتبار سے عادل ہو اور باطن کے اعتبار سے مجہول العدالت ہو اس کی روایت کو بعض لوگوں نے قبول کیا ہے جنہوں نے پہلی کو رد کیا ہے اور یہی قول بعض شوافع کا ہے۔ شیخ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں قریب ہے کہ اس پر اکثر کتب حدیث میں عمل ہو ان رواۃ کی جماعت کے بارے میں جن کا زمانہ قدیم تھا اور ان کے باطن کی خبر مشکل ہے۔ اسی کو مصنف (نوویؒ) نے شرح مہذب میں صحیح قرار دیا ہے۔ ذھبیؒ میزان الاعتدال میں مالک مصری کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ''ابن قطانؒ کہتے ہیں کہ یہ ان میں سے ہے جس کی عدالت ثابت نہیں ہے مراد ان کی یہ ہے کہ کسی نے ان کو ثقہ نہیں کہا اور صحیحین میں ایسے راوی کثرت سے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کسی نے ان کی توثیق کی ہو اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جو راوی مشائخ سے ہو اور ایک جماعت اس سے روایت کرنے والی ہو اور منکر روایت بھی نہ لائے تو اس کی حدیث صحیح ہوگی۔(ق۲۰۵)

244: اور علامہ سخاویؒ کی فتح المغیث میں ہے وہ حافظ ابن حجرؒ سے نقل کرتے ہیں ''جب مجہول الحال راوی کے بارے میں نہ جرح ثابت ہو اور نہ تعدیل اور اسکا شیخ اور اس سے روایت کرنے والا دونوں ثقہ ہوں اور وہ کوئی منکر حدیث بھی نہ بیان کر رہا ہو وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے اور کتاب الثقات میں بہت سے راوی ایسے ہیں جن کا حال یہ ہے اسی وجہ سے بسا اوقات وہ آدمی جو اس کی اصطلاح سے واقف نہیں وہ ان کو ثقات میں داخل کرنے پر ابن حبان پر اعتراض کر دیتا ہے حالانکہ ابن حبان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ (اصطلاح کو مقرر کرنے میں) کوئی جھگڑا نہیں ہے اور اسکی مثل تدریب الراوی میں ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات تجھے معلوم ہو گئی ہوگی کہ امام ابوحنیفہؒ کی محدثین کی ایک کثیر جماعت مستور روایت قبول کرنے میں متبع

ہے۔فتنبہ لہ محدثین کے نزدیک جہالت اور معرفت عینی کا مدار اس سے روایت کرنے والوں پر ہے پس جس سے روایت کرنے والا ایک ہو وہ انکے نزدیک مجہول العین ہے اور جس سے روایت کرنے والے دو عادل ہوں وہ معروف ہو جائے گا اور اس سے جہالت عینی مرتفع ہو جائے گی۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں ہے اور ہمارے نزدیک اس کا مدار کثرت روایت اور قلت روایت پر ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔(ق۲۰۶)

245: پھر جان لے کہ مجہول العین اور وہ وہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہو۔ یہ محدثین کے نزدیک اتفاقی طور پر مردود الروایۃ نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف ہے۔پس کہا گیا ہے مطلقاً مقبول نہیں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً مقبول ہوگا۔اور یہ انکا قول ہے جو اسلام کے علاوہ کوئی اور شرط نہیں لگاتے۔اور کہا گیا ہے کہ اگر تو اس شخص سے ایسا شخص روایت کرئے جو عادل کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتا جیسے ابن مہدی، یحیی بن سعید قطان تو اس کی روایت قبول ہوگی ورنہ نہیں اور اگر علم میں تو مشہور نہ ہو مگر بزرگی یا زھد وغیرہ میں مشہور ہو تو بھی قبول کرلی جائے گی ورنہ نہیں اس کو ابن عبد البرؒ نے اختیار کیا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تو ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی ایک نے اس کا تزکیہ کردیا ہو اور کوئی ایک اس سے روایت کرنے والا بھی ہو تو مقبول ہوگا ورنہ نہیں اسکو ابو الحسن یعنی یحیی بن سعید القطان نے قبول کیا ہے۔شیخ الاسلام یعنی حافظ ابن حجرؒ نے اسکو صحیح قرار دیا ہے۔کذا فی تدریب الراوی (ق۲۰۷)

246: رہا ہمارے احناف کے نزدیک تو ہمارے نزدیک تو راوی کا واحد ہونا کوئی جرح نہیں ہے مسلم الثبوت کی شرح ''فواتح الرحموت'' میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔اور مجہول العین سے مراد ہمارے نزدیک وہ ہے جو ایک یا دو حدیثیں ہی روایت کرنے میں معروف ہو اور اس کی عدالت بھی مجہول ہو عام ہے کہ اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہو یا دو یا اس سے بھی زائد۔اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ مجہول صحابی ہے تو اس کو جہالت نقصان نہیں دے گی جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر صحابی نہ ہو تو اگر تو اس کی حدیث قرن ثانی میں ظاہر ہو گئی یا نہیں اگر ظاہر نہ ہو تو قرن ثالث

میں عمل اس پر جائز ہوگا نہ کے بعد میں ۔اور اگر ظاہر ہوگئی ہو تو اگر تو سلف نے اس کی صحت کی گواہی دے دی ہو یا طعن سے خاموش رہے ہوں تو مقبول ہوگی اور اگر رد کر دیا تو مردود ہوگی اور اگر بعض نے قبول کیا ہو اور ثقات نقل کرنے والے ہوں اس سے، بعض نے رد تو اگر تو وہ موافق قیاس ہے تو مقبول ہوگی ورنہ مردود۔کذافی قفوالاثر مع تغیر یسیر فی التعبیر ۔(ق ۲۰۷)

247:اگر راوی روایت اور عدالت کے اعتبار سے معروف ہو تو اس کی روایت مطلق مقبول ہوگی عام ہے کہ معروف بالفقہ ہو یا نہ ہو عام ہے کہ اس کی حدیث موافق قیاس ہو یا مخالف قیاس ہو عام ہے کہ اس سے ایک روایت کرے یا دو یا اس سے بھی زائد۔

معروف بالفقہ اور غیر معروف بالفقہ کے درمیان تفریق کرنا عیسی بن ابان کا مذہب ہے۔ کرخی اور ہمارے جن اصحاب نے ان کی اتباع کی ہے ان کے نزدیک حدیث کو قیاس پر مقدم کرنے کی شرط راوی کے معروف بالفقہ ہونا نہیں بلکہ ہر عادل راوی کی خبر قیاس پر مقدم ہوگی جب وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔کذافی نورالانوار۔(ق ۲۰۸)

اس پر مزید تفصیل جامع الاسرار میں ملاحظہ فرمائیں۔

248:ہمارے اصحاب کی کلام مستور کے بارے میں مختلف ہے۔علامہ آمدی اور ملا علی قاری کی جو کلام پہلے گزر چکی ہے اس سے اس کا مطلقاً مقبول ہونا معلوم ہوتا ہے۔اور ابن الحنبلیؒ قفوالاثر میں فرماتے ہیں ''ہمارے نزدیک مستور وہ ہے جو ظاہر کے اعتبار سے عادل ہو اور اسکی باطن کی عدالت معروف نہ ہو عام ہے کہ اس سے روایت کرنے والا ایک ہو یا دو یا دو سے زائد اس کی حدیث کا حکم انقطاع باطنی کا ہے اور صدر اول کے علاوہ قبول نہ کی جائے گی۔یعنی قرون ثلاثہ جس کی خیر کی گواہی حدیث میں دی گئی ہے۔

جیسا کہ انقطاع کے باب میں اس کی تصریح کی ہے۔اور اس کو مسند امام اعظم کے مقدمہ میں بھی ملا علی قاریؒ سے نقل کیا ہے اور کہا اٹھارواں اصول جو امام صاحب سے منقول ہے ۔اختلاف کا حاصل ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے مستور مقبول ہوگا۔

نبی اقدس ﷺ ان کے لئے اپنی حدیث خیر القرونی قرنی الخ کے ساتھ گواہی دینے کی وجہ سے ۔اور خیر القرون کے بعد کا مقبول نہیں ہے الا یہ کہ توثیق منقول ہے اور یہ عمدہ تفصیل ہے ۔(ق ۲۰۹)

249: میرے لئے جو ہمارے فقہاء کے کلام سے بات ظاہر ہوئی ہے کہ صحابہ کے علاوہ کے مستور کی روایت کے قبول ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس پر عمل جائز ہے نہ کہ واجب اسی طرح مجہول العین جو صحابہ کے علاوہ ہے اس کی روایت کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل جائز ہے نہ کہ واجب۔ واللہ اعلم ۔(ق ۲۰۹)

250: اور جس شخص کی ذات اور عدالت معروف ہے اور اس کا نام ونسب مجہول ہے اتفاقی طور پر اس کے ساتھ دلیل پکڑی جائے گی ۔اور بخاری و مسلم میں اس طرح کے بہت زیادہ راوی ہیں اور جب کہا مجھے فلاں نے شک کے طور پر اور وہ دونوں عادل ہیں تو اس کے ساتھ دلیل پکڑی جائے گی ۔پس اگر دونوں میں سے ایک مجہول العدالت ہے یا کہا فلاں نے خبر دی یا اسکے علاوہ کسی نے اور اس کا نام ذکر نہیں کیا تو اس کے ساتھ ساتھ دلیل نہیں پکڑی جائے گی ۔مخبر کے مجہول ہونے کے احتمال کی وجہ سے ،اسی طرح تدریب الراوی میں ہے، میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں ''اور مجہول العدالت کے بارے میں ہمارا اختلاف چلا ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ۔(ق ۲۰۹)

عام شہرت کی وجہ سے عدالت کا ثابت ہونا اور ان لوگوں کا تذکرہ جن کی عدالت ائمہ کے ہاں مشہور ہے:

251: شہرت کے عام ہونے سے بھی عدالت ثابت ہو جاتی ہے، پس وہ شخص جس کی عدالت محدثین یا انکے علاوہ اہل علم کے درمیان مشہور ہے اور اسکی تعریف اس کے ساتھ عام ہے تو یہ شہرت اسکی عدالت میں کافی ہے اور اس کے ساتھ اسکی اور صراحت عدالت بیان کرنے والے

کی طرف احتیاج نہیں ہے۔

قاضی ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں ’’گواہ اور مخبر دونوں تزکیہ کے محتاج ہوتے ہیں جب وہ عدالت اور رضا کے ساتھ مشہور نہ ہوں، اور ان دونوں کا معاملہ بڑا مشکل اور خلط ملط ہے قاضی فرماتے ہیں اور دلیل اس پر یہ ہے کہ بے شک ان کے مخفی رازوں کے (ظہور) ہونے اور ان دونوں کی عدالت کے مشہور ہونے کا علم زیادہ قوی ہے دلوں میں بنسبت ایک اور دو شخصوں کی تعدیل کے کہ ان پر کذب اور محبت کا بھی احتمال ہے۔ اور اسی طرح تلخیصاً تدریب الراوی میں ہے۔ (ق ۲۱۰)

252: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں پس ابوحنیفہؒ و مالکؒ وسفیان بن عیینہؒ وسفیان ثوریؒ وامام اوزاعیؒ وامام شافعیؒ وامام محمد بن الحسن وامام ابی یوسف، وامام احمد بن حنبلؒ واللیث وشعبہ وابن مبارک ووکیع وابن معین وابن المدینی کی مثل اور وہ جو شہرت اور معاملے کی استقامت میں ان مثل ہیں۔ انکی عدالت کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا۔ اور سوائے اس کے نہیں کہ اس شخص کی عدالت کے بارے میں کیا جاتا ہے جسکا معاملہ پوشیدہ ہو۔ اور بہرحال یہ مذکورہ ائمہ کی عدالت محدثین یا انکے فقہاء اور اھل علم کے ہاں مشہور و معروف ہے۔ (ق ۲۱۰)

253: امام ذھبیؒ میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں اور اسی طرح اپنی کتاب میں ان ائمہ میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کروں گا جن کی فروع میں پیروی کی گئی ہے ان ائمہ کی اسلام میں جلالت شان اور دلوں میں انکی عظمت کی وجہ سے جیسے مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ، وامام شافعیؒ وامام بخاریؒ ہیں۔ (ق ۲۱۱)

254: اور حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی نے اس اصول میں مزید وسعت پیدا کی ہے پس فرمایا ہر حامل علم جو اس علم کے لینے میں معروف ہے پس وہ عادل ہے اور اپنے معاملہ میں ہمیشہ عدالت پر ہوگا حتی کہ اس کے بارے میں جرح واضح ہو جائے اور متاخرین میں سے ابن المواقف نے اس اصول کی موافقت کی ہے۔ کذا فی التدریب (ق ۲۱۲)

کس چیز کے ذریعے راوی سے جہالت عینی رفع ہو جاتی ہے۔

255: دو عادل راویوں کی روایت کرنے کے ساتھ جمہور کے ہاں جہالت عینی ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ عدالت ثابت نہیں ہوتی۔ امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں جس سے دو ثقہ روایت کریں اس سے جہالت عینی مرتفع ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح تعلیق الحسن میں امام سخاوی کی فتح المغیث کے حوالہ سے منقول ہے۔ (ق ۲۱۳)

256: علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں حدیث **ابی رکانہ فی التفریق با لعنۃ** کے بارے میں فرماتے ہیں اس کی صراحت یہ ہے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت نہیں پائی جاتی مگر یہ کہ ابن جریج نے اس حدیث کو ابو رافع کے کسی بیٹے سے روایت کیا ہے اور وہ مجہول ہے

۔

اور لیکن وہ تابعی ہے اور ابن جریج ثقہ عادل ائمہ میں سے ہے اور عادل کی روایت کرنا غیر عادل سے یہ اسکی تعدیل ہے جب تک اسکے بارے میں جرح معلوم نہ ہو اور تابعین میں ظاہر ی طور پر جھوٹ نہیں تھا (ابن قیمؒ) فرماتے ہیں اور ابن جریج کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نے جھوٹے سے روایت لی ہے اور نہ اس سے جو اس کے ہاں غیر ثقہ ہو اور جب تک اس کا حال واضح نہ ہو جائے۔ (ق ۲۱۳)

257: اور یہ اصول خبر دیتا ہے کہ راوی سے جہالت اٹھ جاتی ہے ایک عادل کے اس سے روایت کرنے کے ساتھ جب وہ ان زمانوں سے ہو جنکی بہتری کی گواہی دی گئی ہے۔ پس یہ اصول ہمارے روساء احناف کے مذہب کے زیادہ قریب ہے اس کو اچھی طرح یاد کر لے (ق ۲۱۳)

258: حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں حدیث ام سلمہ (افعمیا وان انتما) کے بارے میں فرماتے ہیں اسکی سندیں قوی ہیں اور اکثر جو اسکو معلول قرار دیا جاتا ہے وہ زھری کا نبھان سے

روایت کرنے میں تفرد ہے اور یہ کوئی عیب لگانے والی نہیں ہے۔ پس بے شک جو کوئی زھری کو پہچانتا ہے اور اسکی صفت بیان کرتا ہے کہ وہ زھری ام سلمہ کا مکاتب ہے اور کسی ایک نے اسکو مجروح قرار نہیں دیا وہ اس کی روایت کو رد نہیں کرے گا۔(ق ۲۱۳)

259: اور تدریب الراوی میں ہے جب عادل راوی نام لے کر کسی محدث سے روایت کرے تو یہ محدثین اور ان کے غیر میں سے اکثر حضرات کے نزدیک تعدیل شمار نہیں ہوگی۔ اور وہ صحیح ہے اور بعض حضرات کے نزدیک وہ تعدیل ہے کیونکہ اگر وہ راوی جرح کو جانتا ہوتا تو اسکو ذکر کرتا اور اس کا ذکر نہ کرنا دین میں دھوکہ ہوتا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر راوی عادل ہے اور ہمیشہ عادل راوی سے روایت کرتا ہے تو اس کا روایت کرنا تعدیل شمار ہوگی اور اگر اسکی عادت یہ نہیں ہے تو اس کو روایت کرنا تعدیل نہیں ہوگی۔ اس بات کو علامہ آمدی وابن حاجب اور ان کے علاوہ اصولی حضرات نے اختیار کیا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ پہلی قسم زیادہ احتیاط والی ہے اور دوسری قسم دلیل کے اعتبار سے بہت ہی قوی اور پختہ ہے لیکن دوسری قسم کو تین زمانوں کے ساتھ مقید کرنا مناسب ہے اور تیسری قسم معتدل اور درمیانی ہے اس کو کسی زمانے کے ساتھ مقید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(ق ۲۱۴)

260: اور تدریب الراوی میں ہے کہ جس وقت راوی کہے کہ مجھے ثقہ نے بیان کیا یا نام لئے بغیر اس جیسے کلمات ذکر کرے تو صحیح قول کے مطابق یہ تعدیل میں کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ نام ذکر نہ کرے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ تعدیل بیان کرنے میں کافی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے راوی کو متعین کر دیا ہو کیونکہ دونوں صورتوں میں وہ محفوظ ہو جاتا ہے ۔(ق ۲۱۵)

261: میں کہتا ہوں (علامہ ظفر احمد عثمانیؒ) کہ جب راوی یوں کہے کہ مجھے ثقہ نے ثقہ سے بیان کیا تو اس جیسی تعدیل کا ہمارے مذہب میں مقبول ہونا مناسب ہے خصوصاً قرون ثلاثہ

کے راوی کے متعلق ۔کیونکہ جب خیر القرون میں مجہول راوی ہمارے ہاں حجت ہے تو جس (مجہول) راوی کی تعدیل بیان کی گئی ہوتو وہ بطریق اولیٰ ہمارے ہاں مقبول ہوگا۔اور خیر القرون کے علاوہ کا راوی ہوتو وہ مقبول نہیں ہوگا۔(ق ۲۱۵)

ائمہ کرام کی ایک جماعت کا تذکرہ جو ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں۔

262: یحیی بن سعید القطانؒ ۔ابن مہدیؒ وہ دونوں حضرات ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں جس طرح کہ تدریب الراوی میں ہے اسی طرح امام مالکؒ،اور امام شعبہؒ کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب کے خطبہ میں اس بات کی تصریح کی ہے۔اور اسی طرح سعید بن مسیّب ،محمد بن سیرین،اور ابراھیم نخعیؒ علامہ ماردینیؒ الجوہر النقی میں فرماتے ہیں امام ابوعمر التمہید کے شروع میں فرماتے ہیں ''وہ راوی جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہمیشہ ثقہ سے روایت کرتا ہے تو اس محدث کی تدلیس اور اسکا مرسل بیان کرنا مقبول ہے۔تو حضرت سیعید بن مسیّبؒ اور محمد بن سیرینؒ اور حضرت ابراھیم نخعیؒ کی مراسیل محدثین کے نزدیک صحیح ہوں گی۔(ق ۲۱۶)

263: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسی طرح امام یحیی بن معین اگرچہ ان کے متعلق کسی کی تصریح میں نے نہیں دیکھی لیکن ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ بغیر بیان کئے غیر ثقہ راوی سے روایت کریں تحقیق وہ شدت سے دور کرنے والے ہیں جھوٹ کو نبی پاک ﷺ سے۔اور وہ امام احمد،امام ابن مدینیؒ اور ان کے ہم مثل محدثین کے ساتھ بیٹھے۔اور ان کے لئے ایسی احادیث کا انتخاب کرتے جو پہلے کسی نے نہ کیا ہوتا۔جس طرح کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔فجزاہ الله عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء واتمة وافضله(ق ۲۱۸)

264: اور یحیی بن ابی کثیر طائی بھی اسی طرح ہیں امام ابوحاتم فرماتے ہیں یحیی ایسے امام ہیں جو ہمیشہ ثقہ راوی سے حدیث بیان کرتے ہیں جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔

میں (عثمانی) کہتا ہوں سفیان بن عینیہ بھی اسی طرح ہیں تحقیق محدثین نے ان کی تدلیس کو قبول کیا ہے اسکی محض وجہ ان کا ضعیف راویوں سے احتراز کرنا ہے جس طرح کہ پہلے بات گزر چکی ہے۔اسی طرح امام احمدؒ کے سارے کے سارے شیوخ ثقہ ہیں حافظ ھیثمیؒ ثابت بن ولید بن عبداللہ بن جمیع کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ ان سے امام احمدؒ نے روایت کی ہے اور امام احمد کے سارے شیوخ ثقہ ہیں۔(ق ۲۱۸)

265: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسی طرح سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سارئے کے سارئے شیوخ ثقہ ہیں۔حافظ سیوطیؒ کے شاگرد علامہ شعرانی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مسانید کے صحیح ترین نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ محدثین کے خطوط موجود تھے۔ان میں سے سب سے آخری محدث حافظ دمیاطیؒ تھے تو میں نے دیکھا کہ امام اعظمؒ ہر حدیث کو بہت بڑے بڑے عادل ثقہ تابعین سے روایت کرتے ہیں جس میں حضرت اسودؒ، اور علقمہؒ اور عکرمہؒ اور مجاہدؒ اور مکحول اور حسن بصریؒ اور ان جیسے حضرات شامل ہیں۔پس وہ تمام روات جو رسول اللہ ﷺ اور امام صاحب کے درمیان ہیں وہ عادل اور ثقہ ہیں اور بلند مرتبہ ہیں۔ان میں نہ کوئی کذاب ہے اور کوئی متہم بالکذب۔اے بھائی تجھے ان کی عدالت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے انتہائی تقوی اور احتراز کے باوجود اپنے دین کے احکام ان سے لے رہے ہیں۔میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں کہ روایت کی بارے میں امام صاحب کی سختی معروف ہے حتی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ محدث کو سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے تک اگر روایت یاد نہ ہو تو اس سے بیان نہ کی جائے۔طحاویؒ نے اس کو روایت کیا ہے فرمایا'' کہ ہمیں سلیمان بن شعیب نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ ہمیں ابو یوسف نے یہ بات لکھوائی اور فرمایا کہ ابوحنیفہؒ نے یہ فرمایا ہے۔الجواہر المضیہ میں اسی طرح ہے رجال کے بارے میں جرح وتنقید کے اعتبار سے امام کی معرفت پر دلائل عنقریب آرہے ہیں۔پس جس سے ابوحنیفہؒ روایت کریں اور

اس کے بارے میں جرح بیان نہ کریں وہ ثقہ ہے۔

266: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اور اسی طرح وہ آدمی کہ جس سے الامام سید الفقہاء رئیس المحدثین امیر المومنین فی علوم الشریعہ محمد بن ادریس الشافعی المطلبی قریش کے عالم روایت کرتے ہیں اور اس سے سکوت فرماتے ہیں تو وہ اس راوی کی ثقاہت ثابت کرتے اور امام شافعیؒ ان ائمہ میں سے ہیں کہ حدیث کی جرح وتعدیل میں لوگوں کا مرجع ہیں۔

267: اور اگرچہ امام شافعیؒ کے اصحاب نے اس امر میں ہماری مخالفت کی ہے اور ان کا ابراھیم بن ابی یحیی اسلمی سے روایت کرنے میں ان کے اصحاب میں سے کسی ایک نے اس کی توثیق شمار نہیں کیا ہے کہ وہ کسی متھم راوی سے روایت کریں اور اسکی حالت کو بیان نہ کریں ایسا نہیں ہے اور ان (امام شافعیؒ) کی شان ان سے اعلی وارفع ہے۔

بہرحال اسلمیؒ سے انکار روایت کرنا اسلئے کہ اسلمی امام شافعیؒ کے نزدیک حدیث میں ثقہ تھا اگرچہ ان علاوہ ان لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ اور امام شافعیؒ انکو بذاتہ جانتے تھے اور ان کی صحبت اٹھائی تھی شاید انہوں نے اس میں کوئی ایسی بات پائی ہو جو اس سے روایت کرنے کی اس کو اجازت دیتی ہو۔ (ق ۲۲۱)

268: اور اس طرح ہر وہ راوی کہ جن سے ابن ابی ذئب روایت کرتے ہیں سوائے ابو جابر البیاضی کے سب ثقہ ہیں۔ اس قول کے قائلین ابن معین اور احمد بن صالح ہیں۔ کذا فی التھذیب اور اسی جن راویوں سے امام نسائی روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں امام ذھبیؒ میزان میں خطیب سے نقل کرتے ہوئے ابو الولید احمد بن عبدالرحمٰن البسری کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ابو الولید کی وہ حالت جو کہ ابو بکر الباغندی نے السکری سے نقل کی ہے ہمارے ہاں ایسی حالت نہیں ہے بلکہ (ابو الولید) سچے لوگوں سے ہیں (کیوں کہ) ان سے امام نسائی روایت کرتے ہیں جو کہ ان کے (ثقہ) ہونے کے لئے کافی ہے۔

میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسطرح وہ راوی جن سے امام نسائی المجتبی میں

احادیث لیتے اور پھران کی حالت پر سکوت فرماتے ہیں وہ راوی حجت ہے اس لئے کہ امام نسائی کی رجال کے معاملے میں شرائط امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے زیادہ سخت ہیں ۔حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ابوالفضل بن طاہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعد بن علی الزنجانی سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسکی توثیق بیان کی ، میں نے پھر کہا امام نسائی اس سے احتجاج کرتے تو انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے ابوعبدالرحمٰن (امام نسائی) کی رجال میں شرائط امام بخاریؒ وامام مسلمؒ کی شرائط سے سخت ہیں۔کذافی الزھرالربی۔(ق۲۲۲)

269: اوراس طرح ہروہ راوی جس سے امام بخاریؒ حدیث بیان کریں تو وہ ثقہ ہوتا ہے کیونکہ امام صرف اس سے روایت کرتے ہیں جوانکے نزدیک ثقہ ہوتا ہوخواہ صحیح میں ہو یا اسکے غیر میں محمد بن ابی حاتم امام بخاری سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں میں نے ایک ہزار اسی نفوس سے کتابت کی جن میں سارے کے سارے صاحب حدیث تھے اور نیز فرماتے ہیں میں نہیں کتابت کرتا مگر اس آدمی سے جو کہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اسی طرح فتح الباری کے مقدمہ میں ہے۔

270: اوراسی طرح ہروہ راوی جسکو امام بخاری اپنی تواریخ (دو کتب کے نام) میں ذکر کریں اوراس پر طعن نہ کریں تو وہ ثقہ ہوتا ہے کیونکہ انکی عادت ہے کہ وہ جرح اور مجروحین کو ذکر کرتے ہیں اس بات کو امام ابن تیمیہؒ نے بیان کیا اسی طرح نیل الاوطار میں ہے۔(ق۲۲۳)

271: اوراس طرح ہروہ راوی جس سے امام مسلم حدیث بیان کریں یا اسکی تخریج کریں تو وہ ثقہ ہوگا کیونکہ وہ بھی اسی سے روایت لیتے ہیں جو اسکے نزدیک ثقہ ہواور وہ نہیں استدلا ل پکڑتے مگر ثقہ سے اوراسی طرح امام ابوداود، خطیب بغدادی ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ، امام مسلم اور امام ابوداود ایسی جماعت سے استدلال نہیں کرتے جن کے بارے میں انکے علاوہ دوسرے حضرات سے طعن کا علم ہوجائے ۔یہ بات اس صورت پر محمول ہے جب تک موثر السبب ثابت نہ ہو اس طرح امام نوویؒ کے مقدمہ مسلم میں ہے۔ابن قطان فرماتے ہیں کہ امام ابوداود

اس سے روایت کرتے ہیں جو انکے نزدیک ثقہ ہو اسی طرح زیلعی میں ہے۔(ق ۲۲۴)

272: میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں اسطرح ہر وہ راوی جسکی حدیث کے بارے میں امام ابوداود اپنی سنن میں سکوت اختیار کریں تو وہ صالح الحدیث ہوگا۔علامہ ذھبی میزان میں ابراھیم بن سعید المدنی کے حالات نافع سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث غیر معروف ہے اس کی صرف ایک حدیث ہے احرام کے بارے میں امام ابوداود نے اسکی تخریج کی ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے پس وہ مقارب الحال ہے اسکو امام ابوداود کے چپ رہنے نے مقارب الحال کردیا ہے اور تحقیق سے یہ بات گزر چکی ہے کہ امام ابوداود کا چپ رہنا یہ حدیث کے صالح للاحتجاج ہونے کی خبر دیتا ہے اسی طرح روایت کے صالح ہونے کی خبر دیتا ہے۔واللہ اعلم (ق ۲۲۴)

273: میں (علامہ عثمانیؒ) کہتا ہوں اس طرح بقی بن مخلد صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں احمد بن جواس الحنفیؒ کے حالات بیان کرتے ہیں اور بقی بن مخلد ان سے روایت کیا ہے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی صرف ثقہ راوی سے حدیث بیان کرتے ہیں اسی طرح حریز بن عثمان کے تمام شیوخ ثقہ ہیں۔حافظ ابن حجرؒ نے لسان میں اسکی تصریح فرمائی ہے اسی طرح طبرانی کے وہ مشائخ جن کو میزان میں ضعیف نہیں کہا گیا وہ ثقہ ہیں۔علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اسکی وضاحت کی ہے۔(ق ۲۲۴)

274: میں (علامہ عثمانیؒ) کہتا ہوں اسکی بنیاد میرے گمان کے مطابق اس کلام پر ہے جس کو علامہ ذھبی نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے (فرمایا) میں نہیں دیکھتا اپنی رائے کو کہ ایسے راوی کا نام حذف کردوں جن کا ذکر ضعفاء کے ساتھ مذکورہ ائمہ کی کتب میں کیا گیا ہے خوف کرتے ہوئے اس بات سے کہ میرا تعاقب کیا جائے نہ کہ میں اس کا ذکر اس ضعف کی وجہ سے جو میرے نزدیک ہے کروں گا وگرنہ ہم نہیں پاتے میزان میں کوئی بات جو امام طبرانیؒ کے ان شیوخ کی کسی خصوصیت پر دلالت کرتی ہو جن کو توثیق کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

پس ظاہر بات یہ ہے کہ علامہ ہیثمیؒ اس قول کے عموم کو لیتے ہوئے اس کی توثیق کا حکم لگاتے ہیں اور اس پر جائز ہے ہمارے لئے کہ ہم اس اصول کو لیتے ہوئے ہر اس راوی پر توثیق کا حکم لگائیں جنکا ضعف میزان میں بیان نہیں کیا گیا۔ برابر ہے کہ وہ طبرانی کے شیوخ ہوں یا کسی اور کے۔ اس کو یاد کرلے (ق ۲۲۵)

275: حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیز ان کے آخر میں متفرقات کی فصل کے بعد یہ بات ذکر کی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ راوی جو میزان اور تہذیب میں نہ پایا جائے وہ ثقہ ہوتا ہے یا مستور۔ میں (عثمانیؒ) کہتا ہوں عند الاحناف مستور کی روایت کا حکم ہم نے بیان کردیا ہے پس چاہیے کہ رجوع کرلیا جائے۔ (ق ۲۲۶)

البدعة نوعان موثرة فی رد الروایة و غیر موثرة

276: بدعت کی دو قسمیں ہیں ا۔ جو رد روایت میں موثر ہے ۲۔ جو موثر نہیں ہے۔

وہ بدعت جس کی وجہ سے کافر کہا گیا تو ضروری ہے کہ وہ تکفیر متفق علیہ ہو تمام ائمہ کے قواعد کے اعتبار سے۔ جیسا کہ روافض میں سے غلو کرنے والے ان میں سے بعض کا دعوی اللہ کے حلول کرنے کا ہے۔ اور قیامت سے پہلے حضرت علیؓ کے دنیا میں لوٹنے پر ایمان یا قرآن مجید میں تحریف پر ایمان رکھتا ہے میں یا ان کے غیر میں یا بعض اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں یا سیدہ عائشہؓ پر تہمت لگاتے ہیں۔ حالانکہ اسکے قاذف پر لعنت کی ہے ایسے لوگوں کی روایت مطلقاً قطعاً مردود ہے

277: اور وہ بدعت جس وجہ سے آدمی فاسق بنتا ہے وہ روافض جو ایسا غلو نہیں کرتے اور ان کے علاوہ وہ لوگ جو سنت کے اصول کی کھل کر مخالفت کرتے ہیں لیکن وہ مخالفت منسوب ہوتی ہے تاویل کی طرف جس کا غلط ہونا ظاہر واضح ہو۔ پس اہل السنۃ نے ایسا آدمی جس کا یہ طریق ہو قبول کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ جب جھوٹ سے بچنے کے ساتھ معروف ہو خلالی مروت عادات سے سلامتی کے ساتھ مشہور ہو دیانت اور عبادت کے ساتھ منصف ہو ایک قول میں کہا گیا کہ اسکی روایت مطلقاً قبول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً رد کی جائے گی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ

اسمیں تفصیل ہے دیکھیں گے کہ وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہے یا نہیں۔ پس غیر داعی کی روایت کو قبول کیا جائے گا اور داعی کی روایت کو رد کیا جائے گا۔(ق ۲۲۷ تا ص ۲۳۰)

278: یہ مذہب زیادہ مناسب ہے اسکی طرف ائمہ کی اکثر جماعتیں گئی ہیں ابن حبان نے اسپر اہل نقل کا اجماع کا دعوی نقل کیا ہے لیکن اس دعوی میں نظر ہے پھر قائلین نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض نے مطلق رکھا ہے اور بعض نے کچھ تفصیل بیان کی ہے پس فرمایا کہ اگر غیر داعی کی روایت اس طور پر ہو کہ وہ بدعت کو پختہ کرتی ہو اور اسکو مزین کرتی ہو تو قبول نہیں کی جائے گی اور اگر اس طرح نہ ہو تو قبول کی جائے گی۔ فتح الباری للحافظ کے مقدمہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔(ق ۲۳۰)

279: اور قفو الاثر میں بیان فرمایا کہ ہمارے یعنی احناف کے نزدیک اگر بدعت کفر تک پہنچ جائے تو اکثر اصولین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر فسق تک پہنچ جائے تو قبول کی جائے گی جبکہ راوی عادل ہو ثقہ ہو غیر داعی ہو اور اسکے بارے میں تصریح کی ہے کہ یہی مختار مذہب ہے۔(ق ۲۳۱)

280: حافظ ابن حجرؒ فتح الباری کے مقدمہ میں بیان فرماتے ہیں اور جان لیں کہ بے شک تحقیق ایک جماعت سے طعن واقع ہوا ہے دوسری جماعت کے بارے میں عقائد کے اختلاف کی وجہ سے پس مناسب ہے اسکی تنبیہ کرنا اور اس کی پرواہ نہ کرنا مگر حق کے ساتھ(ق ۲۳۱)

281: اسطرح صوفیوں کی ایک جماعت نے دوسری جماعت پر عیب لگایا کہ وہ دنیوی معاملات میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کو ضعیف قرار دے دیا ہے اس وجہ سے حالانکہ صدق اور ضبط کے پائے جانے کی وجہ سے اس ضعف کا حکم لگانے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اور ان تمام صورتیں حق سے زیادہ بعید اس شخص کی تضعیف ہے جس نے بعض راویوں کو ضعیف قرار دے دیا یا کسی ایسے امر کی وجہ سے جس میں غیر پر ابھارنا ہو یا اقران کے درمیان

تعصب کی وجہ سے حکم لگا دیا اور اس سے بھی زیادہ سخت وہ ہے جس نے اپنے سے زیادہ ثقہ یا زیادہ مرتبہ یا زیادہ حدیث کے عارف کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان تمام جروحات کا اعتبار نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

جرح وتعدیل کے الفاظ اور ان کے مراتب اور درجات کا بیان:

282: مراتب تعدیل میں اعلی اور ارفع مرتبہ محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے وصف کے ساتھ ہو جو مبالغہ پر دلالت کرے یا افعل کے صیغہ کے ساتھ ہو جیسے اوثق الناس، اضبط الناس، اثبت الناس یا اس کی مثل ہو جیسے الیہ المنتھی　فی التثبت ولا احد اثبت منہ (ضبط میں انتہاء اس پر ہے اور کوئی ایک اس سے زیادہ ضبط کرنے والا نہیں) ومن مثل فلاں (کون فلاں کی مثل ہو سکتا ہے) ولا اعرف لہ نظیر (میں اسکی مثل نہیں پاتا) فلاں لا یسئل عنہ (فلاں کے بارے میں تو نہ ہی پوچھا جائے) (ق ۲۴۲)

283: دوسرا مرتبہ جو پہلے کے قریب ہے وہ ہے کہ جس میں توثیق کے الفاظ مکرر ہوں جیسے ثقہ ثقہ ثبت ثبت ثقہ حجۃ ثقہ حافظ ثبت حجۃ ثبت حافظ ثقہ متقن اور اس کی مثل جیسے فلاں لا یسئل (فلاں کے بارے میں تو نہ پوچھا جائے) (ق ۲۴۳)

284: تیسرا مرتبہ وہ ہے کہ جس میں تکرار نہ ہو جیسے ثقہ یا متقن یا ثبت یا حجۃ یا عدل یا حافظ یا ضابط یا کانہ مصحف (گویا وہ مصحف ہے) یا امام ہو اور حجت کا لفظ ثقہ کے لفظ سے اقوی ہے اور جس کے بارے میں یہ کہا جائے گا اس کی حدیث سے احتجاج کیا جائے گا اور اس کی حدیث صحاح میں داخل ہوگی اگرچہ بیان کرنے میں متفرد ہو۔ (ق ۲۴۳)

285: اور چھوتھا طبقہ۔ صدوق یا محلّہ الصدق یالا باس بہ۔ یہ ابن معین کے علاوہ کے نزدیک ہے پس لا باس بہ یہ بھی ابن معین کے غیر کے نزدیک ہے یا متماسک یا ثقہ، ان شاء اللہ یا مامون یا خیار یا خیار الخلق اور اس کی مثل۔ (ق ۲۴۹)

286: پانچواں طبقہ۔ شیخ الی الصدق ما ھو (صدق سے دور نہیں) جید الحدیث (عمدۃ حدیث والے) حسن الحدیث (حسن حدیث والے) صدوق سئی الحفظ (سچے مگر حافظہ کمزور تھا) صدوق یھم (سچے مگر وہم ہو جاتا تھا) صدوق لہ اوھام (سچے مگر ان کے اوھام ہیں) صدوق یخطی (سچا مگر کبھی خطاء کر جاتا تھا) صدوق رمی بالتشیع (سچا مگر شیعہ ہونے کا الزام تھا) اور الارجاء (یا مرجیہ فرقہ سے ہونے کا الزام تھا) اور اسکی مثل فلاں راوہ عنہ الناس (فلاں لوگ اس سے روایت کرتے ہیں) وسط مقارب الحدیث (متوسط درجہ کا ہے اسکی حدیث صحیح ہونے کے قریب ہے) (ق ۲۴۹)

287: چھٹا مرتبہ: صالح الحدیث، صدوق ان شاء اللہ ارجوانہ لا باس بہ ما اعلم بہ باسا صویلح مقبول لیس ببعید من الصواب (درستگی سے دور نہیں ہے) یروی حدیثہ (اس کی حدیث روایت کی جائے گی) اور اسکی مثل جس کے بارے میں کہا گیا ہو یکتب حدیثہ و ینظر فیہ (اسکی حدیث لکھی جائے گی اور اس میں نظر کی جائیگی) یہ الفاظ چونکہ ضبط کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ اس کی حدیث ضابطین کی موافقت کی وجہ سے مقبول ہوگی۔ کذا فی التدریب الراوی۔ (ق ۲۴۹)

288: الفاظ جرح کے بھی چھ مراتب ہیں:

ادنی مرتبہ وہ ہے جو تعدیل کے قریب ہے۔ پس جب کہیں لین الحدیث تو اس کی حدیث

لکھی جائے گی اور اس میں اعتبار کرنے کے لئے نظر کی جائے گی۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں لین کہوں تو وہ ساقط اور متروک الحدیث نہیں ہوگا، اور نہ وہ مجروح ہوگا کسی شئی میں اور نہ اس کی وجہ اس کی عدالت ساقط ہوگی۔ اور یہ پہلا مرتبہ ہے۔ اس میں وہ بھی داخل ہو جائے گا جس کو عراقی نے فیہ لین فیہ مقال تعرف وتنکر لیس بذاک لیس بلمتین، لیس بحجۃ، لیس بعمدۃ، لیس بمرضی للضعف ماھو فیہ خلف تکلموا فیہ طعنو فیہ مطعون فیہ سئ الحفظ فیہ ضعف فی حدیثہ ضعف لیس بذاک القوی وغیرہ کے الفاظ کہے ہوں۔ (ق ۲۵۱)

289: جیسا کہ اس میں یہ بھی ہے جب کبھی لیس بقوی تو اس کی حدیث اعتبار کے لئے لکھی جائے گی اور یہ لین سے کم دوسرا مرتبہ ہے اور جب کہیں ضعیف الحدیث اور یہ لیس بالقوی سے کم ہے اور اس سے کم ایسا راوی بھی نہیں پھینکا جائے گا بلکہ اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا اور یہ تیسرا مرتبہ ہے اور اسی مرتبہ سے وہ راوی ہیں جن کو علامہ عراقی ضعیف منکر الحدیث عند غیر البخاری حدیثہ منکر واہ صغفوہ مضطرب الحدیث لا یحتج بہ مجھول کہیں۔

چوتھا مرتبہ: رد حدیثہ رد و حدیثہ مردود الحدیث ضعیف جدا واہ بمرۃ طرحوا حدیثہ مطرح، مطرح الحدیث ارم بہ لیس بشئی لا یساوی شئیا لاشئی اور اس کی مثل الفاظ ہیں۔ یحیی بن معین سے روایت ہے کہ جب میں لاباس بہ کہوں تو وہ ثقہ ہے اور جب میں ضعیف کہوں تو وہ ثقہ نہیں ہوگا اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ کذا فی التدریب (ق ۲۵۱)

290: اور پانچواں مرتبہ فلاں متہم بالکذب یا فلاں متہم بالوضع ساقط ھالک ذاھب ذاھب الحدیث متروک، متروک الحدیث ترکوہ فیہ نظر عند البخاری سکتوا عنہ یہ دونوں الفاظ بخاری کے نزدیک جب ہوں۔ لا یعتبر بہ لا یعتبر بحدیثہ لیس بثقہ لیس بالثقہ غیر ثقہ ولا مامون اور اسکی مثل

جس کے بارے میں مرتبہ رابعہ یا مرتبہ خامسہ کا کوئی لفظ کہا جائے گا وہ ساقط ہوگا اس کی نہ حدیث لکھی جائے گی نہ اس کا اعتبار ہوگا نہ اس سے استشہاد لیا جائے گا۔اور چھٹا مرتبہ وہ ان میں سے سب سے برا ہے وہ یہ کہ راوی کو کہا جائے فلاں کذاب یا یکذب دجال وضاع یضع وضع حدیثا . کذافی تدریب الراوی و الرفع والتکمیل (ق۲۵۳)

291: میں کہتا ہوں جس کے بارے میں طبقہ سادسہ کے الفاظ سے کوئی لفظ کہا گیا ہوتو اس کی حدیث روایت کرنا جائز نہیں ہے اس کے حال کو بیان کئے بغیر اور اس پر رد کئے بغیر اور اسی کے طرح وہ راوی بھی داخل ہو جائے گا جس کے بارے میں امام بخاریؒ منکر الحدیث فرمادیں جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔اور اگر جارحین کے الفاظ کسی راوی کے بارے میں مختلف ہوں بعض نے الفاظ تعدیل کے ساتھ اس کی تعدیل کی ہو اور بعض نے الفاظ جرح کے ساتھ اس کی جرح کی ہو تو اس کو حکم وہی ہے جو ہم ماقبل میں ذکر کر آئے ہیں کہ تعدیل مقدم ہوگی الا یہ کہ جارح نے جرح مفسر کی ہو۔اس لئے کہ یہ تمام الفاظ جرح مبہم کے ہیں ان میں سبب کو بیان نہیں کیا گیا۔البتہ ان کا قول دجال وضاع یضع وضع حدیثاً یہ جرح مفسر کے قبیل سے ہے۔قائل اس پر اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ بھی تو مبہم جرح ہے جب تک یہ بیان نہ کرے کہ کونسی حدیث کو وضع کیا ہے تا کہ پتا چل سکے کہ وضع کا الزام اس پر عائد ہوتا ہے یا اس کے غیر پر فافھم (ق۲۵۳)۔

292- اس میں اختلاف ہوا ہے کہ حدیث کے طرق کا کثیر ہونا ترجیح کی نشانیوں میں سے ہے یا نہیں۔عام احناف اور بعض شوافع عدم ترجیح کی طرف گئے ہیں۔اور کہا ہے کہ دو شہادتوں میں سے ایک کو دوسری پر کثرت عدد کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوتی۔جب آحاد کے مرتبہ سے نکل کر تواتر یا شہرت تک نہ پہنچ جائے۔اور اکثر شوافع اور ہمارے احناف میں سے ابوعبداللہ الجرجانی اور ابوالحسن الکرخی ایک روایت میں اول کی طرف گئے ہیں۔مسلم الثبوت اور اس کی شرح جو ولی اللہ لکھنوی کی ہے اس میں ہے۔کثرت روایت کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ترجیح نہیں ہوگی۔یہ اکثر علماء جیسے ائمہ ثلاثہ ان کے خلاف ہیں۔امام محمدؒ بھی ان میں

سے ہیں۔ان کے نزدیک کثرت ادلۃ اور کثرت رواۃ کی وجہ سے ترجیح ہوگی اگر چہ شہرت تک نہ پہنچا ہو۔اور راوی کا فقیہ ہونا تو اس بارے میں علامہ حازمی فرماتے ہیں۔وجوہ ترجیح میں سے تیسویں وجہ یہ ہے کہ ان کے حفظ اور اتقان میں برابر ہونے کے ساتھ ایک روایت کے راوی فقہا ہو اور الفاظ کے چھلوں سے احکام کے پھل کو چننے کا علم رکھتے ہوں۔پس اس صورت میں فقہاء کی حدیث کی طرف جانا اولیٰ ہے۔(ق ۲۹۷)

293- علی بن خشرم حکایت نقل کرتے ہیں فرمایا ''ہمیں محدث وکیع بن جراح نے کہا تمہیں ان دوسندوں میں سے کون سی زیادہ پسندیدہ ہے۔الاعمش عن ابی وائل عن عبداللہ یا سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمہ عن عبداللہ (کیونکہ اس میں واسطے کم تھے) پس فرمایا وکیع نے سبحان اللہ اعمش شیخ ہے ابووائل شیخ ہے۔اور سفیان فقیہ ہیں منصور فقیہ ہیں ابراھیم فقیہ ہیں، علقمہ فقیہ ہیں اور وہ حدیث جسے فقہا نقل کریں وہ اس سے بہتر ہوتی ہے جسے صرف محدثین نقل کریں۔اور تدریب الراوی میں ہے'' وجوہ ترجیح میں سے تیسری وجہ راوی کی فقہاہت ہے عام ہے کہ حدیث بالمعنی مروی ہو یا باللفظ۔اس لئے کہ جب ایسی حدیث سنے گا جس کو ظاہر پر محمول کرنا ممتنع ہوگا اس سے بحث کرے گا حتی اس پر مطلع ہوجائے جس سے اشکال زائل ہوجائے۔(ق ۲۹۸)

294- اور مسلم الثبوت کی شرح میں ہے کہ بخلاف غیر فقیہ کے اس لئے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہوگا اور جتنا سنا اس طرح نقل کردے گا یہ بات افقہ کی روایت کی ترجیح اس کی روایت پر جو فقہ میں ادنی ہو تقاضا کرتی ہے پس جو فقہ کے اعتبار سے زیادہ ہوگا اس کی روایت کو اس روایت پر ترجیح ہوگی جو فقہ میں اس مرتبہ پر نہ ہوگا۔فتح القدیر میں امام صاحب کا جو امام اوزاعی سے مناظرہ ہوا اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے'' پس ابوحنیفہؒ نے راوی کی فقاہت کو ترجیح دی جیسا کہ اوزاعی نے سند کے عالی ہونے کو ترجیح دی اور فقہ راوی کی وجہ سے ترجیح دینا ہمارا مختار مذہب ہے۔اور اس کی مثل ابن امیر الحاج کی ''حلیۃ المجلی شرح منیۃ المصلی'' میں ہے۔(ق ۲۹۹)

295- جو مجاز واحد کو مستلزم ہو وہ اس سے اولی ہے جو دو مجازوں کو مستلزم ہو اس پر جو اپنے

مدلول پر دلالت مطابقی کے اعتبار سے دلالت کرے وہ اس سے اولی ہے جو دلالت التزامی کے ساتھ دلالت کرے۔ جو اقتضاء النص کے ساتھ دلالت کرے وہ اس سے بہتر ہے جو مفہوم کے اعتبار سے دلالت کرے۔ مفہوم موافقت کی دلالت مفہوم مخالف کی دلالت سے اولی ہوگی۔ دال بالمنطوق اولی ہے دال بغیر المنطوق سے۔(ق ۳۰۱)

296- مسند احمد کی اکثر احادیث جید ہیں۔ بہت کم ان میں ضعیف ہیں امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ اس راوی سے حدیث نقل کرتے تھے جو ان کے والد کے ہاں ثقہ ہوتا تھا۔(ق ۳۵۶)

297- اکیلے امام مالکؒ کا کسی راوی سے روایت لے لینا اس سے جہالت کو رفع کر دیتا ہے۔(ق ۳۵۷)

298- ابن ابی حاتم اور بخاری کا کسی راوی کی جرح سے سکوت اس کی توثیق شمار ہو گا۔(ق ۳۵۸)

299- امام بخاریؒ کا امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منحرف ہونے کا سبب نعیم بن حماد کی صحبت تھی۔(ق ۳۸۰)

300- ذھبیؒ کا میزان میں تمام مجروحین کو ذکر کرنا اور جس کو ذھبیؒ ذکر نہ کرے وہ ثقہ ہے یا مستور۔(ق ۳۸۸)

301- حافظ ذھبیؒ میزان میں فرماتے ہیں میں نے اپنی رائے سے کسی ایسے راوی کا نام حذف نہیں کیا جس کو ائمہ مذکورین کی کتب میں جرح کے ساتھ لکھا گیا ہو اس بات کے خوف سے کہ میرا تعاقب کیا جائے، یہ کلام اس کی کتاب کا تمام مجروحین کا احاطہ کرنے کو بتلاتی ہے۔ پس جس کو میزان میں ضعیف نہ کہا گیا ہو وہ یا تو ثقہ ہوگا یا مستور۔(ق ۳۸۷)

302- جس سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو وہ ثقہ ہوسکتا ہے اور اس سے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔(ق ۳۸۷)

303- ذھبیؒ میزان الاعتدال میں عبداللہ بن عمرو المخزومی العابدی کے ترجمہ میں فرماتے

ہیں ’’میں نہیں جانتا کہ اس سے محمد بن عباد بن جعفر کے علاوہ کسی نے روایت کی ہو۔صدوق ان شاءاللہ اور اس پر مسلم اور ابوداؤد کے رمز بھی لگائے ہیں اور اس پر’’صح‘‘ لکھا ہے۔(ق ۳۸۸)

304- میزان الاعتدال ضعفاء کے ذکر کے لئے لکھی گئی ہے اور اس میں ثقہ راوی بھی مذکور ہیں ان پر اعتراض کو دفع کرنے کے لئے۔(ق ۳۸۹)

تصحیح وتضعیف امر اجتہادی ہے اس میں اختلاف ممکن ہے۔صحیحین پر نقد بھی اس قبیل سے ہے۔(ق ۳۹۰)

305- راوی کے بارے میں جارحین کا قول لیس بذاک القوی ہلکی قسم کی جرح ہے ۔(ق ۳۹۴)

306- جرح وتعدیل ظن پر مبنی ہیں کبھی جارح خطاء اور وھم کی وجہ سے بھی جرح کر دیتا ہے۔(ق ۳۹۴)

307- اہل مدینہ کا اہل عراق سے انحراف ان میں سے واقدی اور ابن سعد بھی ہیں ۔(ق ۳۹۶)

308- متقدم کی توثیق کے ہوتے ہوے جرح کا اعتبار نہیں۔(ق ۳۹۹)

309- بدعتی کا قول بدعتی کے بارے میں نہیں سنا جائے گا جیسا کہ ناصبی کا قول شیعہ کے بارے میں۔(ق ۳۹۹)

310- صحیحین کے رواۃ کے ساتھ مطلقا احتجاج نہیں کیا جائے گا بلکہ قیود معلومہ کے ساتھ کیا جائے گا۔(ق ۴۰۰)

311- ایسا راوی جس کے ضعف پر اجماع ہو جب وہ غیر کے ساتھ مقرون ہو تو شیخین اس سے روایت کر لیتے ہیں۔(۴۰۱)

312- بخاری کا قول فی اسنادہ نظر راوی میں مطلق ضعف کو ثابت نہیں کرتا۔(ق ۴۰۱)

313- راوی کا بدعتی ہونا اس کی روایت میں طعن کو پیدا نہیں کرتا الا یہ کہ وہ جھوٹا ہو یا

بدعت کی طرف داعی ہو۔(ق۴۰۲)

314- عادل راوی مجروح کے قول سے مجروح نہیں ہوگا۔اور بیہقیؒ کی جرح ایسے راوی کے بارے میں موثر نہیں ہوگی جس سے ایک جماعت نے احتجاج کیا ہو۔(ق۴۰۲)

315- ابو حاتم اور ابو زرعہ کا راوی کی جرح سے سکوت کرنا اس راوی کی توثیق ہوگی۔اور جارح کا کسی راوی کو کذاب کہنا موثر نہیں ہوگا الا یہ کہ مفسر ہو۔(ق۴۰۳)

316- جب جارح ضعیف ہو اور مجروح ثقہ تو اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔جو طعن سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ پر کیئے گئے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔(ق۴۰۵)

317- حکام کے امور میں جب کہ وہ جائز ہوں عمل دخل راوی کو مجروح نہیں کرتا ۔(ق۴۰۶)

318- ابن حزم جرح میں متعنت ہے۔(ق۴۰۷)

319- جارحین کی کثرت راوی کو پھینکنے کا سبب نہیں بن سکتی۔(ق۴۰۷)

320- لفظ ترکہ اور لم یروعنہ کے درمیان فرق ہے اول جرح ہے دوسرا نہیں۔(ق۴۰۷)

321- راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے تمام روایات میں اسکا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔(ق۴۰۸)

322- ابن حبانؒ جرح میں متعنت تھے اور الفاظ میں تصرف کرتے تھے۔(ق۴۰۹)

323- مختلط راوی کے بڑے شاگردوں کی روایت صحت پر محمول ہوگی۔(ق۴۱۱)

324- جرح مبہم مقبول نہیں ہے۔(ق۴۱۱)

325- بعض روایات میں ابن معین کا جو قول راوی کے بارے میں لیس بشئی ہے اس سے مراد قلت حدیث ہے۔(ق۴۱۷)

326- جارحین کا قول اتھم بسرقۃ الحدیث جرح مبہم کے قبیل سے ہے۔(ق۴۱۸)

327- ابن حجرؒ نے تہذیب میں رجال کو حروف تہجی سے ذکر کرنے کا التزام نہیں کیا اس

لئے کہ اس سے صغیر کو کبیر پر مقدم کرنا پڑتا تھا۔(ق ۴۲۰)

328-علامہ مزیؒ نے صاحب ترجمہ کے تمام شیوخ اور اس سے روایت کرنے کے استیعاب کرنے کی کوشش کی ہے۔(ق ۴۲۱)

329-بدعتیوں میں سے خارجیوں کی روایات سب سے زیادہ صحیح ہیں۔(ق ۴۲۳)

330-ابن عدیؒ کی کتابوں میں عجیب وغریب خطائیں بھی واقع ہوئیں ہیں ۔(ق ۴۲۳)

331-علی بن مدینی رجال کے بارے میں متشدد تھے۔(ق ۴۲۴)

332- کبھی ایک راوی ایک شیخ کی احادیث میں ضعیف اور دوسرے کی احادیث میں ثقہ ہوتا ہے۔(ق ۴۲۵)

333-ترغیب وترہیب کی احادیث میں امام بخاریؒ بھی تساہل کرجاتے ہیں ۔(ق ۴۲۶)

334-جب راوی کبھی خطاء کرے کبھی درستگی کو پہونچے تو ایسا راوی امام احمد کے نزدیک ساقط الحدیث ہوگا۔(ق ۴۲۷)

335- کبھی راوی کی تضعیف معین حدیث کے اعتبار سے ہوتی ہے۔(ق ۴۲۷)

336-ابوحاتم رجال کے بارے میں متعنت تھے۔(ق ۴۲۷)

337-جب ایک ہی آدمی سے راوی کے بارے میں جرح وتعدیل دونوں مروی ہوں تو تعدیل کو ترجیح ہوگی۔(ق ۴۲۹)

338-ائمہ کا راوی پر اعتماد کرنا اس کے ضعف کو ختم کردیتا ہے۔(ق ۴۳۱)

339-متقدمین متساہل راوی سے بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔(ق ۴۳۲)

340-بردیجی جب منکر الحدیث کہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اکیلا روایت کررہا ہے ۔لہٰذا ان کا یہ قول جرح نہ ہوگا۔(ق ۴۳۳)

341- حفص بن غیاث امام اعمش کی ان احادیث جو سماع پر محمول ہوتیں اور جو تدلیس پر ان کے درمیان فرق کرتے تھے۔(ق ۴۰۵)

342-امام نسائی جرح میں متعنت تھے۔(ق ۳۹۷)

343- کبھی راوی کی تضعیف اسکے بلند مرتبہ کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے۔(ق ۳۸۹)

344-جس سے ایک حدیث مروی ہو اسکے بارے میں کان یخطی نہیں کہنا چاہیے ۔جب کہ ابن حبان کہہ دیتے ہیں۔(ق ۳۸۸)

345-علامہ مزی جب کسی آدمی کے لئے ایک ہی راوی پاتے ہیں تو اس کو مجہول قرار دیتے ہیں۔(ق ۳۵۱)

نوٹ: اصول حدیث کے متعلق کچھ ضروری معلومات یہاں درج کی گئی ہیں جو حضرات تفصیلی معلومات چاہتے ہوں وہ قواعد فی علوم الحدیث اور بندہ کی کتاب جامع الاسرار شرح نور الانوار کا مطالعہ فرمائیں۔

اصول مناظرہ

المناظرہ لغة من النظير اومن النظر بالبصيرة واصطلاحاً هى النظر بالبصيرة من الجانبين فى النسبته بين الشيئين اظهارا للصواب.

(کتاب التعریفات جرجانی ص ۱۵۷)

اگر تو یہ نظیر سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مناظر ہم مرتبہ ہوں، یہ نہیں کہ ایک طرف بہت بڑا پہلوان ہو اور دوسری طرف بچہ کھڑا کر دیا جائے۔ یا نظر بمعنی ابصار سے کہ دونوں آمنے سامنے ہوں اور ایک دوسرے کو دیکھیں۔ یا نظر بمعنی تامل سے ماخوذ ہے کہ دونوں مناظر پورے غور وفکر سے بات کریں۔ یا نظر بمعنی انتظار سے ماخوذ ہے کہ ہر مناظر دوسرے کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرے اور دوسرے کے کلام کے دوران کلام نہ کرے۔

(حمیدیہ ص ۲۵)

پہلی بات یہ ہے کہ اس میں آداب سکھائے جاتے ہیں کہ بات سمجھنی کس طرح ہے اور سمجھانی کس طرح ہے، ہر بات کرنے کا طریقہ ہوتا ہے اگر غلط طریقے سے بات کی جائے تو بجائے فائدے کے نقصان ہوتا ہے۔ طریقہ صحیح ہونا چاہئے۔

لطیفہ۔

کسی کا میٹھے چاول کھانے کو جی چاہا تو اس نے چاول پھانک لئے اور اوپر سے گنے کا رس پی کر آگ پر بیٹھ گیا۔ اب یہ کھیر کھانے کا طریقہ تو نہیں ہے۔ اسی طرح مناظرہ کا مادہ النظر ہے۔ اب چار معنی بیان کئے ہیں۔

نمبر۱۔ دونوں ہم پلہ ہوں۔

نمبر۲۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھیں۔

نمبر۳۔ دونوں غور وفکر کریں، تأمل کریں، یہ نہیں کہ جو منہ میں آیا وہ کہہ دیا۔

جیسے ایک مرتبہ بریلویوں کے ساتھ مناظرہ تھا، اب حضرت اوکاڑویؒ کو صدر مناظر بنا دیا گیا، حضرت اوکاڑویؒ نے بتایا کہ مناظر جو تھا وہ منافق مماتی تھا، میں نے اس سے پوچھا بھی کہ تو مناظرہ صحیح کر سکتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے اعتبار کر لیا۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو بریلوی مناظر نے کہا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تھانہ بھون میں بیٹھ کر **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پڑھا۔ اب اس مماتی مناظر نے کہہ دیا کہ اشرف علی تھانویؒ مشرک تھا۔ اب اس پر بریلویوں نے شور مچا دیا، تب میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ میں صدر مناظر ہوں، مجھے حق ہے کہ میں اپنے مناظر کی بات کا جواب دوں۔ میں نے کہا کہ پورا واقعہ پیش کرو۔ اب بریلوی مناظر مر تو سکتا تھا لیکن پورا واقعہ پیش نہیں کر سکتا تھا، اس پر بانی مناظرہ جو تھا وہ ایک بریلوی پیر صاحب کا بیٹا تھا لیکن متعصب نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ آپ ہی پورا واقعہ سنا دیں۔ تو میں نے واقعہ سنایا۔

واقعہ۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ حج یا عمرہ پر جانے لگے تو حضرت تھانویؒ نے انہیں فرمایا کہ روضہ پاک پر حاضری ہو تو میرا سلام بھی عرض کرنا۔ مولانا وہاں تشریف لے گئے، جب روضہ پاک پر حاضر ہوئے **صلوٰۃ والسلام** پڑھا، لیکن حضرت تھانویؒ کا سلام کہنا بھول گئے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی، تو سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا آپ نے اشرف علی کا سلام کیوں نہیں پہنچایا؟ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت میں بھول گیا۔ اس پر حضرت پاک ﷺ نے فرمایا اشرف علی کو میرا سلام کہنا اور کہنا تو جو شرک و بدعت کے خلاف کام کر رہا ہے میں اس سے بہت خوش ہوں۔

جب مولانا واپس تشریف لائے تو حضرت تھانویؒ نے یہ واقعہ سنا تو رونے لگ گئے اور

بار بار فرماتے تھے کہ پھر کہو کہ حضرت پاک ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟ اور صلوٰۃ والسلام بھی پڑھ رہے ہیں، اور مریدین کو فرمایا کہ آج مجلس ذکر میں ذکر کی بجائے **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پڑھیں گے اور تصور یہ کریں گے کہ ہم روضہ پاک پر کھڑے ہیں۔

اب جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو وہ آدمی جو مناظرہ کروا رہا تھا، بریلوی مناظر سے پوچھنے لگا کہ کیا واقعہ ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے پڑھا ہے؟ تو بریلوی مناظر بولا واقعہ تو ایسے ہی ہے۔ اس پر وہ آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ بس مناظرہ ہو گیا ہے، جن دیوبندیوں کے اشرف علی تھانویؒ ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سلام بھیج رہے ہیں ان کے بڑے کیسے ہوں گے۔

تو کبھی بے سوچے سمجھے بات کرنے سے اس طرح بات بگڑ جاتی ہے کہ سدھارنا مشکل ہو جاتی ہے۔ مناظرے میں بات جانچ پرکھ کر کرنی چاہئے۔ جیسے کہتے ہیں پہلے تو لو پھر بولو۔

لطیفہ۔

ایک لڑکا تھا ترازو ساتھ رکھ کر بیٹھا تھا، کسی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگا کہ بڑے کہتے ہیں پہلے تو لو پھر بولو، اس لئے میں نے ترازو ساتھ رکھا ہوا ہے تا کہ تول تول کر بولوں۔

نمبر۴۔ یا نظر بمعنی انتظار سے ہے، کہ ایک جب پوری عبارت پڑھ لے پھر دوسرا مناظر اس کا جواب دے۔ پھر تو کسی فیصلے کے درمیان پہنچیں گے، اور اگر دونوں اکٹھے بات شروع کر دیں گے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا سوائے شور کے۔

لطیفہ۔

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے بہت زیادہ مناظرے کئے ہیں تو اچھا مناظرہ کون سا رہا؟ فرمایا کہ جو گالی گلوچ پر ختم ہو گیا ہو، وہ مناظرہ اچھا رہا اور جس میں لڑائی بھی ہوئی اور مکا مکی بھی ہوئی وہ برا تھا۔

یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی بات نہیں سنتے درمیان میں شور کر دیتے ہیں جس سے لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔

اصطلاح۔

اصطلاح میں مناظرہ کہتے ہیں

توجہ المتخاصمین فی النسبة بین الشیئین اظهارا للصواب

(رشیدیہ ص۹)

دو متخاصموں کا دو چیزوں کے درمیان نسبت کے بارے میں درست بات ظاہر کرنے کے لئے بحث کرنا۔

بحث کا معنی ہے کھریدنا، کریدنا۔ قرآن پاک میں آیا ہے

فبعث الله غرابا یبحث فی الارض.

ہر کام میں چار علتیں ہوتی ہیں۔

نمبر۱۔علت مادی۔ نمبر۲۔علت صوری۔

نمبر۳۔علت فاعلی۔ نمبر۴۔علت غائی۔

اس کی توضیح بالمثال۔

جیسے چارپائی میں لکڑی علت مادیہ ہے، بڑھئی علت فاعلیہ ہے، یہ جو سامنے جس صورت میں پڑی ہے یہ علت صوریہ ہے، اور اس پر بیٹھنا علت غائیہ ہے۔

اسی طرح مناظرے کی تعریف میں بحث و توجہ علت صوریہ ہے، متخاصمین علت فاعلیہ ہے، نسبت علت مادیہ ہے، یعنی جو حکم ہوگا کہ یہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے، حرام ہے یا مکروہ ہے۔ اور اظہار صواب علت غائیہ ہے۔

(حمیدیہ ص۲۶)

نمبر۴۔مجادلہ۔

تعریف مجادلہ۔

توجـه المتخاصمين فی النسبة بين الشيئين لا لاظهارا لصواب بل لالزام الخصم.

یعنی مجادلہ آپس میں جھگڑے کو کہتے ہیں، جو اظہار صواب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مدمقابل کولا جواب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

(حمیدیہ ص۲٦)

مکابرہ۔

توجه المتخاصمين فی النسبةبين الشئين لا لاظهار الصواب ولا لالزام الخصم.

یعنی یہ وہ جھگڑا ہے جس میں نہ تو اظہار صواب مقصود ہو نہ ہی الزام خصم، محض بے مقصد بحث برائے بحث ہو۔

تو جھگڑے کی تین قسمیں ہو گئیں۔

نمبر۱۔ جو اظہار صواب کے لئے ہو، کہ صحیح بات کا پتا چل جائے، اس کو مناظرہ کہتے ہیں۔

نمبر۲۔ یہ کہ صرف دوسرے کو لا جواب کرنا ہے۔

مثال۔

جیسے جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ، دوسرا کہتا ہے تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولھو۔ اس نے کہا قافیہ تو ملا نہیں، اس نے کہا قافیہ ملے یا نہ ملے بوجھ سے تو تو مرے گا۔ تو یہ ہوتا ہے صرف دوسرے کو چپ کرانے کے لئے۔

دوسری مثال۔

ایک ہندوؤں کا پنڈت تھا اس سے کچھ لوگ ناراض تھے، جیسے یہاں لوگ مولویوں سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ وہ تھا پڑھا ہوا، اب اس سے ایک جاہل مناظرہ کرنے آگیا۔ اب ''اچرو'' ان کی زبان میں بات شروع کرنے کو کہتے ہیں، اس پنڈت نے کہا اچرو۔ یعنی بات شروع کرو، وہ جواب میں کہتا ہے اچرو، گچرو، کچرو۔ اس نے کہا کہ اس نے بات تو کوئی کی نہیں بس قافیہ ملا دیا ہے، اس نے کہا اے کی (یہ کیا ہے) اس نے کہا، اے کی، بے کی، ٹے کی۔ اب اس جاہل مناظر کے ساتھیوں نے اس کو اٹھالیا سر پر، زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کردیئے اور کہا کہ ہمارا مناظر ایک ایک کے تین تین جواب دیتا تھا۔ اس نے اچرو کہا، اس نے کہا اچرو، بچرو، کچرو۔ اس نے کہا، اے کی، اس نے کہا، اے کی، بے کی، ٹے کی۔ اس کو کہتے ہیں **الزام خصم مجادلہ**.

واقعہ۔

حضرت امیر خسروؒ بڑے ولی اللہ تھے، شاعر بھی تھے، ایک گاؤں میں وعظ تھا۔ اس زمانے میں نلکے تو ہوتے نہیں تھے، ایک آدھ کنواں ہوتا تھا۔ یہ کنویں پر وضو کرنے کے لئے جارہے تھے، ایک بچی نے پہچان لیا کہ یہ امیر خسرو ہیں۔ اس نے کہا کہ پانی میں پلاؤں گی لیکن ایک شرط ہے کہ یہ کوئی شعر بنا کر سنائیں۔ اس نے کہا کہ بیٹی پانی دو، اس نے کہا پانی پھر دیں گی پہلے یہ کہ ہم چار سہیلیاں ہیں، ہم چاروں کے چار لفظ ہیں، یہ پہلے ایک شعر میں جوڑو تب پانی پلائیں گی۔ انہوں نے پوچھا کہ کون سے لفظ ہیں؟ ایک کہنے لگی آسمان، دوسری کہنے لگی کسان، تیسری کہنے لگی پیلو، چوتھی کہنے لگی سری۔ بے جوڑ لفظ تھے حضرت نے فرمایا

کسان نے جب پیلو کھایا — سری نے آسمان اٹھایا

یعنی جب انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو خدا سے مقابلہ شروع کردیتا ہے۔

اب انہوں نے کہا کہ دوسرا شعر پڑھو ان الفاظ پر۔ ایک نے کہا کھیر، دوسری نے کہا چرخہ، تیسری نے کہا ڈھول، چوتھی نے کہا کتا۔ انہوں نے فرمایا

؎ کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا

یعنی چرخہ جلا کر کھیر پکالی۔

؎ کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا

آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

لا پانی لا۔ کیا مطلب؟ جو چیز انسان حیلے بہانے سے حاصل کر لے اس کو استعمال کرنا نصیب نہیں ہوتا۔ دیکھو باوجود اس کے کہ انہوں نے بے جوڑ سے الفاظ بولے تھے۔

حضرت کے واقعات میں لکھا ہے کہ کسی گاؤں میں چلے گئے، وہاں کے لوگ ان کو مسجد میں نہیں رہنے دیتے تھے کہتے تھے کہ یہ علم کی جگہ ہے اس میں جاہل نہیں رہ سکتا۔ اب امتحان کیسے لیتے کہ کون پڑھا ہے کون ان پڑھ ہے؟ تو وہ قرآن نہیں سنتے تھے، نہ کوئی مسئلہ پوچھتے تھے۔ ان کا جو مولوی تھا اس نے ایک ڈھونگ رچایا ہوا تھا، وہ ایک شعر پڑھتا اور کہتا کہ اس کا مطلب بتاؤ۔ اب جب یہ پہنچے تو ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ امیر خسرو ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسجد میں جاہل نہیں رہ سکتا، ہمارے مولوی نے ایک شعر بنایا ہوا ہے اس کا کوئی مطلب سمجھا دے تو رہنے دیں گے۔

اب یہ مولوی کے پاس جا پہنچے کہ تیرا شعر کون سا ہے؟ کہا۔

؎ چھاپ چھڑ پر چھڑ پڑ چھو

امیر خسرو نے لوگوں کو کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ یہ مسجد پڑھے لکھے لوگوں کی ہے، یہ تو ان پڑھ مولوی بٹھا رکھا ہے اس کو پورا شعر ہی نہیں آتا۔ پورا کیا ہے سنائے۔ اب مولوی کیسے پورا سناتا، اس نے تو یہ اپنی طرف سے بنایا ہوا تھا۔ اب یہ تو شاعر تھے انہوں نے فوراً بنا لیا۔

؎ دھان دھمکا دھندک دھو

دھان ہوتے ہیں کہ جن سے چاول نکلتے ہیں، پھر ان کو کوٹا جاتا ہے پھر۔

؎ چھاج پچھوڑا چھج بڑ چھو

چھاج میں چھان کر اس کو الگ کیا جاتا ہے۔ پھر۔

؎ ہانڈی ڈوئی گڑ بڑتو

اس کو ہانڈی اور ڈوئی سے پکاتے ہیں۔ پھر اس میں دودھ ڈال کر جب ہاتھ مارتے ہیں تو اس کی جو آواز ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں۔

چھاب چھڑ پر چھڑ پڑ چھو

یہ اس کا فقرہ تھا۔

اب میر خسرو نے فرمایا تمہاری کوئی نماز نہیں ہوئی، یہ مولوی ان پڑھ ہے۔ اب جس مولوی نے ساری شرارت کی ہوئی تھی، اس سے لوگوں نے کہا یہ تو ساری ہماری نمازیں خراب کرتا رہا ہے۔ اس کو کہتے ہیں مجادلہ۔ ایسی بات کرنی کہ دوسرا لا جواب ہو جائے۔

قرآن پاک میں دعوت کے تین طریقے بتائے ہیں۔

ادعوا الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن.

ایک ہے کہ حکمت سے بلایا جائے، یعنی ایسے دلائل سے کہ جو دوسرے کے دل میں اترتے چلے جائیں اور اس پر اثر کریں۔ تو آپ کا واسطہ تین قسم کے لوگوں سے پڑے گا،

نمبر ۱۔ جو اپنے آپ کو پڑھے لکھے کہتے ہیں، دانشور کہتے ہیں، ایل ایل بی کہتے ہیں۔

نمبر ۲۔ جو عوام ہیں۔

نمبر ۳۔ جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ نہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسروں کو سمجھنے دیتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں کے لئے حکمت ہے، کہ دلائل سے بات ہو۔ وہ دلائل سے سمجھیں گے، دوسری قسم کے لوگوں کے سامنے اگر آپ دلائل بیان کریں گے تو ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان کے لئے موعظہ حسنہ ہے، یہ بتائیں کہ دو رکعت اگر پڑھیں گے تو کتنا ثواب ملے گا۔ یہ کتاب فضائل اعمال اسی درجے میں ہے، اب دیکھیں اس کتاب نے دنیا میں کتنا کام کیا ہے۔ کتنے لوگ نمازی بنے ہیں، تو عوام کے لئے موعظہ حسنہ ہے۔

تیسری قسم کے لوگ ہیں معاند اور ضدی، نہ سننا ہے نہ سننے دینا ہے، ایسے لوگوں کے لئے جدال کا حکم ہے۔

وجادلهم بالتی هی احسن.

جدال ہو لیکن اچھے طریقے سے، جدال کا معنی میں نے لکھوایا کہ دوسرے کی زبان بند کردی جائے۔ اس کو زیادہ منہ نہیں لگانا چاہئے۔ اگر آپ اس کو زیادہ منہ لگاؤ گے، تو وہ نقصان دہ ہے۔ وہ کہے گا کہ میں دو گھنٹے شاہ صاحب سے مناظرہ کر کے آیا ہوں، اس کو تو پہلی بات پر ہی خاموش کروا دیں۔ اس سے ایسی بات پوچھیں، جس سے وہ لا جواب ہو جائے۔ اور فتنہ ختم ہو جائے۔ کیونکہ اس کا مقصد سمجھنا اور سمجھانا نہیں۔

ہمارے دوست کیا کرتے ہیں کہ اگر ضدی آ بھی جائے تو اس کو سبق پڑھانے بیٹھ جاتے ہیں دو دو تین تین گھنٹے سر کھپاتے ہیں۔ اس نے نہ سمجھنا ہوتا نہ سمجھتا ہے، حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا خود جب ہم غیر مقلد تھے تو یہ کام کرتے تھے۔ استاد جی ایک سوال لکھ دیتے، ہم جا کر پوچھتے وہ جواب دیتا تو ہم سنتے ہی نہیں تھے۔ ہم تو دوسرے سوال کی طرف توجہ رکھتے تھے، کہ کہیں وہ ذہن سے نہ نکل جائے۔ اب وہ بے چارہ ابھی سانس بھی نہ لینے پاتا، ہم دوسرا سوال کر دیتے، پھر تیسرا کر دیتے، اس لئے ایسے لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آپ بھی لوگوں سے سوال کریں، اب اس نے آپ کی بات سننی نہیں، اپنے سوال ذہن میں رکھنے ہیں، جب آپ بھی سوال کریں گے تو اس کے پانچ چھ سوال ذہن سے نکل جائیں گے۔ کیونکہ اس کا ذہن دوسری طرف مشغول ہو جائے گا۔ اس لئے ایسے لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آپ بھی ایسے لوگوں سے سوال کریں۔

واقعہ۔

حضرتؒ نے فرمایا میں جب جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تھا تو کچھ لوگ دار الافتاء میں آئے۔ انہوں نے میرے پاس بھیج دیئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان سے بات کریں، اب وہ میرے پاس بیٹھ گئے ایک کا منہ ایک طرف، دوسرے کا دوسری طرف، تا کہ پتا چلے کہ غیر مقلد

ہیں۔اب بیٹھتے ہی کہنے لگے، ہم بہت پریشان ہیں، ہم بہت پریشان ہیں، سب یہی کہہ رہے ہیں۔میں نے کہا جو بھی بڑوں کو چھوڑتا ہے پریشان ہی ہوتا ہے۔اس لئے غیر مقلد کی تشریح میں تو پنجابی کے اس محاورے سے کیا کرتا ہوں، کہ چلوں گئی تے چوڑیاں جوگی۔ جو لڑکی گھر سے بھاگ جائے تو وہ جس کے ساتھ چاہے چلی جائے، اسے پتا ہے کہ مجھے گھر میں تو کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ غیر مقلد بھی ایسا ہی ہے، اب وہ لڑکی جب تک گھر میں تھی اس کے سارے رشتے قائم تھے، باپ ہے، بھائی ہے۔اب باپ اس کو بیٹی کہنے کے لئے تیار نہیں، بھائی اس کو بہن کہنے کے لئے تیار نہیں۔لیکن جب تک انسان مقلد ہے اس کے سارے رشتے قائم ہیں اللہ سے بھی، نبی سے بھی، آئمہ سے بھی، محدثین سے بھی، لیکن جب غیر مقلد ہو گیا تو سارے رشتے ٹوٹ گئے،اسی لئے غیر مقلد اپنے مذہب تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

مسجد کے مولوی نے اسکے ذہن میں ڈالا کہ ابوحنیفہؒ کی نہیں مانی میری مانو،اب جب وہ ابو حنیفہؒ کی نہیں مانے گا تو اس کے پاس بھی نہیں رہے گا۔ پھر کسی کی نہیں مانے گا،کبھی مرزائی کے پاس جائے گا،کبھی عیسائی کے پاس،اس لئے یہ مذہب تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

میں پاکپتن گیا، میں اکیلا دفتر میں بیٹھا تھا، جو قاری صاحب میزبان تھے وہ چائے لینے کے لئے چلے گئے تو ایک بوڑھا میرے پاس آیا کہنے لگا تو محمد امین ہے میں نے کہا ہاں، کہنے لگا اسّی سال تک میں دیوبندی رہا ہوں، اب چھ مہینے سے اہل حدیث ہو گیا ہوں۔ میں خاموش رہا، دو تین منٹ کے بعد کہتا ہے تو نے سنا نہیں؟ میں نے کہا سناؤ بابا جی۔ آپ کیا سناتے ہیں؟ میں اسّی سال دیوبندی رہا ہوں، اب چھ مہینے سے اہل حدیث ہو گیا ہوں۔ میں پھر خاموش رہا، اب پھر اس نے دو تین منٹ انتظار کیا، لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر کہنے لگا تو نے سنا نہیں؟ میں نے کہا سناؤ کیا سناتے ہو؟ کہتا ہے اسّی سال دیوبندی رہا ہوں، اب چھ مہینے سے اہل حدیث ہو گیا ہوں۔اب ساتھ ہی کہنے لگا کہ سن لیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ یہ تو بابا جی میں نے کئی بار سنا ہے، اب چلے جاؤ مرزائی ہو جاؤ گے تو پھر مجھے آکر بتانا۔اب بگڑ گیا کہ تو مجھے کہتا ہے کہ مرزائی ہو جا۔

جب گھر سے نکل گیا، اب کبھی مرزائی ہوگا۔

پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ پہلے آدمی غیر مقلد ہوتا تھا پھر وہ وہاں سے جہاں چلا جائے، خواہ مرزائی ہو جائے، خواہ عیسائی۔ اب مولوی عنایت اللہ شاہ نے درمیان میں ایک چھوٹا سا اسٹیشن اور بنا دیا ہے، اب پہلے اشاعۃ التوحید والسنۃ میں جاتا ہے، پھر غیر مقلد ہوتا ہے پھر اس سے آگے مرزائی بنتا ہے یا عیسائی۔ تو میں نے ان سے کہا کہ بڑوں کو جو چھوڑتا ہے وہ ہمیشہ پریشان ہی رہتا ہے، مودودی اس پریشانی کی پیداوار تھا، مرزا اس پریشانی کی پیداوار تھا۔ ڈاکٹر اسرار، جاوید غامدی، امین احسن اصلاحی سب اسی پریشانی کی پیداوار ہیں۔ اب دیکھیں قادیانی بھی قرآن پاک کی آیات سے استدلال کرتا تھا۔ غیر مقلد بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر آدمی کو قرآن سمجھنے کا حق ہے۔ جو آدمی جس طرح بھی سمجھے اسے حق ہے، ہم کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن وحدیث کے الفاظ ہمیں پہنچائے ہیں اسی طرح معنی بھی صحیح پہنچائے ہیں۔ جن پر ہمیں الفاظ میں اعتماد ہے، انہوں نے ہمیں صحیح الفاظ پہنچائے ہیں انہیں پر ہمیں معنوں میں بھی اعتماد ہے کہ انہوں نے اس کا معنی اور مفہوم بھی صحیح پہنچایا ہے۔ اب اگر وہی معنی مانا جائے جو چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے تو پھر کوئی مرزائی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور اگر آدمی کو چھٹی ہے کہ جس طرح سمجھ آئے عمل کرلو اگر اس میں اہل اور نااہل کی کوئی قید نہیں۔ تو پھر مرزائی غیر مقلدین کے اصول پر قطعاً مجرم نہیں۔ اور اگر اہل نااہل کی تمیز ہے تو پھر مرزا بھی نااہل ہے، غیر مقلد بھی نااہل ہیں، البتہ فرق ہوگا کہ اس نے اس نااہلی کی وجہ سے ضروریات دین کا بھی انکار کر دیا ہے۔ اور انہوں نے ضروریات دین کا تو انکار نہیں کیا البتہ ضروریات اہل سنت کا انکار کیا ہے۔ لیکن نااہل بہرحال ہیں۔

تو میں نے جب کہا کہ جو بڑوں کو چھوڑتا ہے وہ اسی طرح پریشان ہوتا ہے۔ کہ جی کیا کریں، چار امام ہو گئے ہیں چار۔ چار۔ چار۔ بس چار، چار ہی کرتے تھے میں نے کہا کہ بھینگا جو ہوتا ہے اسے بھی ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

مولانا رومؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک استاد کا شاگرد تھا وہ بھینگا تھا، استاد نے کہا میری دوائی

اٹھا کر لاؤ۔ وہ گیا واپس آ کر کہتا ہے کہ وہاں دو ہیں، کون سی لاؤں۔ اس نے کہا وہاں ایک ہے دو نہیں ہیں۔ وہ کہے کہ دو ہیں، استاد نے غصے میں آ کر کہا کہ ایک کو توڑ دو ایک لے آؤ۔ اس نے جا کر پتھر مارا تو ایک بھی نہ رہی۔ وہ تو ایک تھی اس کو دو نظر آ رہی تھیں، اب روتا ہوا آ گیا، استاد جی اللہ کی قسم میں نے ایک ہی توڑی تھی دوسری معلوم نہیں کیسے ٹوٹ گئی۔ تو بھینگے کو بھی ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ آپ کو ایک کے چار کیسے نظر آ گئے؟ آپ عجیب بھینگے ہیں۔ یہاں تو صرف ایک ہی مذہب، مذہب حنفی ہے، کوئی مدرسہ یہاں مالکیوں کا نہیں، کوئی مدرسہ یہاں شافعیوں، حنبلیوں کا نہیں۔ تو تم کیسے بھینگے آ گئے ہو کہ ایک کے چار نظر آ رہے ہیں۔ کہنے لگے یہاں تو نہیں کہیں تو ہوں گے۔ میں نے کہا ان کی پریشانی ہوگی تمہیں یہاں بیٹھے بیٹھے کیسے پریشانی لگ گئی؟ جی آخر چار کیوں بنے؟ میں نے کہا میں نے تو نہیں بنائے۔ پہلے سے بنے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے ایک کے چار ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا جھوٹ ہے ہزاروں میں سے چار بچے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں ہر شہر میں الگ الگ مجتہد ہوتا تھا، پھر جب شہر ہزاروں تھے تو مجتہد بھی ہزاروں ہوں گے۔ بعد میں وہ جو مجتہد تھے ان کے مذہب مدون نہیں ہوئے، مدون ان چار کے ہوئے۔ جب تدوین ہوئی تو یہ غلط ہے کہ ایک سے چار بنے ہیں بلکہ ہزاروں میں سے چار بچے ہیں، اور وہ چار بھی الگ الگ علاقوں میں ہیں، یہاں صرف احناف ہیں، سری لنکا میں صرف شافعی ہی ہیں، لیبیا میں صرف مالکی ہیں، نجد میں صرف حنبلی ہیں، یہ نہ آپس میں لڑتے ہیں، اپنے اپنے علاقے میں اپنے اپنے مذہب پر عمل کر رہے ہیں۔ کہنے لگے، یہ چاروں برحق ہیں؟ میں نے کہا چاروں برحق ہیں۔ کہنے لگے، آپ ایک کی تقلید کرتے ہیں تو چوتھا حصہ دین ملا۔ میں نے کہا تم قرآن پڑھتے ہو؟ کہنے لگے پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا ساتوں قرآتیں یاد ہیں؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر ساتویں حصے کا ثواب ملا۔ کہنے لگے، جی پڑھتے تو پورا ہیں، اگرچہ ایک قرآت میں پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا جس طرح ایک قرأت میں پڑھنے سے پورا قرآن پڑھا جاتا ہے، اسی طرح ایک امام کی تقلید میں پوری سنت پر عمل ہوتا ہے۔

وہ سات قرأتیں قرآن پڑھنے کے سات طریقے ہیں۔ یہ چار مذہب نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے چار طریقے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ ان میں اختلاف ہے۔ میں نے کہا کہ اختلاف منزل کا ہے یا مذاہب کا، یعنی راستوں کا۔ ایک ہے کہ اختلاف منزل کا ہو، کہ ابو حنیفہؒ کی منزل اور ہے، امام شافعیؒ کی منزل اور، اور امام احمدؒ کی منزل اور ہے، امام مالکؒ کی منزل اور ہے۔ منزل سب کی ایک ہی ہے، محمد ﷺ۔ راستے الگ الگ ہیں، جیسے ایک ادھر سے ملتان آرہا ہے، ایک ادھر سے۔ تو راستے تو چار سو بھی ہو سکتے ہیں، راستے کا اختلاف اختلاف نہیں ہوتا۔ چاہے چار سو ہو جائیں۔ منزل کا اختلاف اختلاف ہوتا ہے۔ جیسے ساتوں قاری قرآن پڑھ رہے ہیں، اگرچہ قرأتیں ان کی مختلف ہیں۔ کہنے لگے جب چاروں برحق ہیں تو ایک کی تقلید کیوں کرتے ہو۔ میں نے کہا یہاں ہے ہی ایک، اس لئے ہم اس کی تقلید کرتے ہیں۔ کہنے لگے، یہ کسی حدیث میں ہے کہ ایک کی تقلید کرو؟ میں نے کہا یہ کس حدیث میں ہے کہ ساری عمر ایک قاری کی قرأت پر قرآن پڑھو۔ کہنے لگے ہمیں آتی ہی ایک ہے۔ میں نے کہا کہ یہاں مذہب ہی ایک ہے میں کیا کروں۔ پھر کہنے لگا ان چاروں میں حلال حرام کا اختلاف ہے، حلال حرام کا۔ حلال حرام کا۔ میں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سارے برحق ہیں؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا ان میں بھی حلال حرام کا اختلاف ہے۔ تو کیسے سب برحق ہوئے؟ پھر میں نے کہا، کہ جس طرح نبی سارے برحق ہیں اس لئے کہ عقیدہ سب کا ایک ہے، لیکن شریعتوں میں حلال حرام کا اختلاف ہے، یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں آتا ہے کہ ان کے والد نے ان کو سجدہ تعظیمی کیا تھا، لیکن ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز نہیں۔ شریعت وہ بھی برحق ہے، یہ بھی برحق ہے۔ وہاں سجدہ تعظیمی حلال تھا یہاں حرام ہے۔ یعقوب علیہ السلام کی دونوں بیویاں زلفہ اور بلعہ دونوں سگی بہنیں تھیں، ایک ہی وقت میں ان کے نکاح میں تھیں۔ اب آ گیا لا تجمع بین الاختین ، دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع نہ کرو، تو انبیاء علیہم السلام میں بھی حلال حرام کا اختلاف ہے۔ کہنے لگے وہ زمانے الگ الگ ہیں۔ میں نے کہا یہاں علاقے الگ الگ ہیں۔ شافعی سری لنکا میں ہیں، اور حنفی پاکستان میں

ہیں، مالکی لیبیا میں ہیں، حنابلہ نجد میں ہیں۔ کہنے لگے ہر علاقے کا خدا الگ الگ ہے؟ میں نے کہا ہر زمانے کا خدا الگ الگ ہوتا ہے؟۔ کہنے لگے، وہاں ناسخ منسوخ کا مسئلہ ہے، میں نے کہا یہاں راجح مرجوح کا مسئلہ ہے۔ ہم اپنے امام کے قول کو راجح کہتے ہیں دوسرے آئمہ کے اقوال کو مرجوح کہتے ہیں۔ کہنے لگا جب باقی چاروں کو آپ حق سمجھتے ہیں تو ان پر عمل کریں۔ میں نے کہا کہ ہم حق تو مانتے ہیں، کہنے لگا پھر ان پر عمل کیا کریں یا حق کہنا چھوڑیں۔ میں نے کہا ہم حق تو مانتے ہیں ان کے علاقے میں وہ حق ہے، جیسے نبیوں کو ہم حق مانتے ہیں۔ کہنے لگا یا تو ان کی بات مانیں یا حق کہنا چھوڑیں۔ میں نے کہا حق کہتے ہیں لیکن ان کی بات نہیں مانتے۔ کہنے لگا، کیسے؟۔ میں نے کہا آج جمعرات ہے، کل آپ نے جمعہ پڑھنا ہے؟ کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا تو پھر ہفتے کے دن آپ یہودیوں کے ہاں بھی جائیں گے؟۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو آپ حق سمجھتے ہیں کہنے لگے نہیں نہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ آپ موسیٰ علیہ السلام کو حق نہیں مانتے؟ کہنے لگا، حق تو مانتے ہیں لیکن ہفتہ نہیں پڑھیں گے۔ پڑھیں گے جمعہ ہی۔ میں نے کہا اتوار کو اتوار پڑھنے بھی جائیں گے۔ کہنے لگے نہیں نہیں، ہم صرف جمعہ ہی پڑھیں گے حق اگرچہ سب کو مانتے ہیں، لیکن پڑھیں گے صرف جمعہ ہی۔ عمل صرف اپنے نبی کی بات پر کریں گے۔ میں نے کہا کہ اسی طرح ہم حق سب کو مانتے ہیں تقلید صرف اپنے امام کی کرتے ہیں۔ کہنے لگے اگر تقلید کبھی کسی امام کی کر لی جائے کبھی کسی امام کی کر لی جائے۔ میں نے کہا ایسے ہی ہے کہ اپنی ایک بہن سے نکاح کر لے کہ یہ آدم کی شریعت میں جائز ہے۔ دوسری سے نکاح نہ کرے کہ ہماری شریعت میں حرام ہے، ایک دن سجدہ تعظیمی کر لیا، دوسرے دن نہ کیا۔ کہنے لگا یہ طریقہ تو غلط ہے،۔ میں نے کہا اسی طرح وہ بھی غلط ہے۔ آخر کہنے لگا اگر امام ماننا ہی ہے تو امام مکے مدینے والا ماننا چاہیئے یا کوفے والا ماننا چاہیئے؟ دین مکے مدینے میں آیا تھا یا کوفے میں؟ میں کہا دین تو خیر مکے مدینے میں آیا تھا روپڑ میں بھی نہیں آیا تھا، نہ امرتسر میں۔ لیکن آپ کا دل کیا کہتا ہے؟ کہنے لگا، مکے مدینے والا ماننا چاہیئے۔ میں نے کہا جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کہنے لگے، ہم نے جھوٹ بولا؟۔ میں نے کہا

بہت بڑا۔کون سا؟ میں نے کہا قرآن کے سات قاریوں میں مکی قاری بھی تھا، مدنی قاری بھی، تم سارے قاری عاصم کوفیؒ کی قرآت پر قرآن پڑھ رہے ہو۔قاری عاصمؒ کوفی کی قرأت ہے، قاری حفصؒ کی روایت ہے،تو میں نے کہا کہ تم سے بڑا کوفی کون ہے۔اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر غیر مقلد ملیں تو کہا کرو کہ کوفیو آ گئے ہو۔کوفیو آ گئے ہو۔ میں نے کہا کہ تم سب کوفی ہو کہنے لگے کوفے والوں نے قرآن خود تو نہیں بنایا تھا،صحابہ کرامؓ جب کوفہ آئے تھے تو قرآن ساتھ لے کر آئے تھے، میں نے کہا اللہ اگر ہدایت دے تو مشکل کام نہیں ہے جب صحابہؓ مکہ اور مدینہ سے آئے تھے،تو قرآن ساتھ لائے تھے، کیا نماز وہیں پھینک آئے تھے کہ نماز کوفہ جا کر نئی بنا لیں گے؟ کہ جی نماز بھی لائے ہوں گے۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ تجھے شک ہے کہ نماز لائے یا نہیں؟ جس طرح قرآن کوفے میں صحابہؓ لائے تھے نماز بھی صحابہؓ لائے۔لیکن یہ دو رافضی ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں ایک رافضی کہتا ہے وہ قرآن غلط ہے جو صحابہ کوفہ میں لائے تھے، دوسرا رافضی کہتا ہے یہ نماز غلط ہے جو صحابہؓ کوفہ میں لائے تھے۔آرام سے اٹھ کر چلے گئے حضرت نے یہ جو طریقہ اختیار کیا اس کو کہتے ہیں جدال بالاحسن کہ ان کی بات کا جواب اس طرح دینا کہ وہیں ختم ہو جائے۔تو ضدی اور معاند کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔اس کو زیادہ منہ نہیں لگانا چاہئے۔

حضرتؒ نے فرمایا ہمارے ہاں ایک نوجوان ایف۔اے میں پڑھتا ہے اس پر انہوں نے محنت شروع کی کبھی کہیں تجھے بیٹا بنا لیا ہے، کبھی سموسے کھلا رہے ہیں کبھی کچھ۔ایک لڑکا اس کو لے کر میرے پاس آ گیا۔وہ کہنے لگا وہ سب حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال پر عمل کرتے ہیں، میں نے اس سے کہا کہ ان سے پوچھنا کہ تم سب حدیثوں پر عمل کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ جی وہ کہتے ہیں جو صحیح حدیثیں ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس غیر مقلد کا کوئی بچہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں ہے۔میں نے کہا میں ارضاع الکبیر والی حدیث دکھاتا ہوں اسے کہو کہ تجھے اپنی بیوی کا دودھ پلایا کرے۔وہ کہتا ہے کہ پہلے مجھے حدیث دکھاؤ۔ میں نے موطاء وغیرہ کے ترجمے سے دکھا دیا۔کہنے لگا ٹھیک ہے، اب وہ کالج میں پڑھتا تھا چھ سات لڑکے

لے کر پہنچ گیا۔ کہنے لگا جج صاحب میں حدیث سنانا چاہتا ہوں۔ ہر حدیث پر عمل ہوگا جو صحیح ہوگی۔ کہنے لگا ہمیں اپنی بیوی کا دودھ پلایا کرو اس نے کہا کہ حدیث میں ہے؟ ہاں ہاں، پہلے ہم حدیث دکھائیں گے پھر دودھ پئیں گے۔ اگر حدیث نہ دکھا سکے تو نہ پلانا۔ اس نے کہا کہ حدیث لے آئیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لکھ دیں کہ اگر حدیث میں ہوا تو میں بیوی کا دودھ پلاؤں گا۔ اب وہ لکھ کر نہ دے، اب بات بازار میں مشہور ہوگئی، جو غیر مقلد ان لڑکوں کو ملے وہ کہیں کہ ہم اہل حدیث ہونا چاہتے ہیں آپ ہمیں اپنی بیوی کا دودھ پلائیں گے تاکہ حدیث پر عمل ہو جائے۔ تو ان کا علاج تو اس طرح ہوتا ہے اس طرح کے چار ٹوٹکے یاد ہوں جدال بالاحسن کے لئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مناظرہ ہوتا ہے اظہار صواب کے لئے، دونوں کی نیت یہی ہوتی ہے کہ صحیح بات کا پتا چل جائے اور اسے مان لیا جائے، مجادلہ ہوتا ہے صرف دوسرے کا منہ بند کرنے کے لئے، اور مکابرہ ہوتا ہے اس سے نہ اظہار صواب مقصود ہوتا ہے نہ الزام خصم۔ اس میں بحث برائے بحث ہوتی ہے، تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ یہ بھی کچھ بات کرنا جانتا ہے۔

حضرتؒ نے بتایا کہ جب پیر بدیع الدین راشدی المعروف پیر جھنڈا سے میرا مناظرہ ہوا تو مجھے کہتا ہے کہ موضوع اور مناظرے کی شرطیں لکھو، میں نے چار موضوع تھے لکھ دیئے۔

نمبر۱۔ تقلید　　　　نمبر۲۔ قرأت۔

نمبر۳۔ آمین۔　　　　نمبر۴۔ رفع یدین۔

تقلید کے بارے میں لکھا کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے، غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے، اور غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے۔ میں نے لکھا کہ غیر مقلد مناظر صرف قرآن اور حدیث پیش کرے گا کیونکہ اس کے نزدیک دو ہی دلائل ہیں وہ جس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہے گا وہ بھی اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ سے کہلوائے گا۔ کیونکہ اس کے نزدیک دلائل دو ہی ہیں۔ وہ جس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہے گا وہ بھی اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ سے کہلوائے گا۔ کیونکہ کسی امتی کا قول اس کے نزدیک دلیل نہیں ہے، جبکہ اہل سنت مناظر چار دلیلوں سے اپنا مسلک ثابت کرے

گا۔جس حدیث پر چاروں اماموں کا عمل ہوگا تو اس کو بدلیل اجماع صحیح کہوں گا۔اور جس میں آئمہ کا اختلاف ہوگا اس میں جس حدیث پر میرے امام کا عمل ہوگا اس کو صحیح کہوں گا۔ہاں جس حدیث پر میرے امام کا عمل ہے اگر اللہ یا اللہ کا رسول ﷺ اس کو ضعیف کہے تو میں اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ کی بات کے مقابلے میں اپنے امام کی بات چھوڑ کر اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ کی بات مان لوں گا۔لیکن اپنے امام کے مقابلے میں بعد کے کسی آدمی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

اس پر بڑا اسٹپٹایا، اور کہنے لگا کہ میں فقہ حنفی کے اقوال بھی پیش کروں گا۔میں نے کہا وہ تو مجادلہ ہوگا۔کہتا ہے میں پیش کروں گا۔میں نے لکھ دیا کہ غیر مقلد تحقیقی دلائل میں صرف قرآن و سنت پیش کرے گا اور اگر تحقیقی دلائل سے عاجز آجائے اور عورتوں کی طرح طعنے دینے پر ہی اترنا پڑے تو پھر حنفی مذہب کا مفتیٰ بہ قول میرے سامنے پیش کرے گا۔اور جب اسے بھی الزام کا حق ہوگا تو میں بھی ہر غیر مقلد کی عبارت اس کے سامنے پیش کر سکوں گا۔خواہ وہ غیر مقلد مرزا غلام احمد قادیانی ہو یا غلام احمد پرویز ہو کیونکہ یہ غیر مقلد ہی ہیں۔

اس پر پھر وہ بڑا تلملایا، کہنے لگا کہ مفتیٰ بہ کا لفظ کاٹو، میں نے کہا تم صحیح کا لفظ کاٹو میں مفتیٰ بہ کا لفظ کاٹ دوں گا۔تو جو چار پروفیسر مناظرہ کے بانی تھے وہ چاروں غیر مقلد تھے، مجھے کہنے لگے کہ صحیح کا معنی تو ہمیں آتا ہے لیکن مفتیٰ بہ کا کیا معنی ہے؟ یہ ہمیں سمجھائیں پھر پتا چلے گا کہ آپ غلط ضد کر رہے ہیں یا ہمارے پیر صاحب غلط ضد کر رہے ہیں۔میں نے کہا فتیٰ کہتے ہیں عربی میں مضبوط جوان کو، یہ کہتا ہے کہ میں فقہ کے حوالے پیش کروں گا، میں نے کہا کہ پکے پکے حوالے فقہ کے پیش کرنا، یہ کہتا ہے کہ میں کچے کچے پیش کروں گا۔یہ کیوں کہتا ہے کہ میں کچے کچے پیش کروں گا۔کہنے لگے، کیوں یہ کچے پیش کرے گا؟ میں نے کہا کہ پوچھو اس سے۔تو انہوں نے پیر جھنڈا سے پوچھا کہ امین نے جو مفتیٰ بہ کا معنی کیا ہے کیا یہ معنی صحیح ہے؟۔کہنے لگا کہ معنی تو صحیح ہے۔انہوں نے کہا تو کیوں کچے حوالے پیش کرے گا؟ اس پر خاموش۔

پھر کہتا ہے کہ مرزے کی عبارتیں کیوں پیش کرو گے، میں نے کہا تو جھگڑا تو یہی ہے، ہم

کہتے ہیں کہ قرآن اور سنت کے الفاظ جس طرح امت نے ہمیں پہنچائے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اس کا معنی بھی امت نے ہمیں پہنچایا ہے، امت نے جس طرح الفاظ کی حفاظت کی ہے معنی کی بھی حفاظت کی ہے۔ اب جو بھی سلف کے تحت رہ کر کتاب وسنت کا مفہوم بیان کرے گا وہ مقلد ہے اور جو سلف سے باغی ہو کر معنی بیان کرے گا، ضروری نہیں کہ وہ اہل حدیث کہلائے وہ مرزائی بھی کہلا سکتا ہے، پرویزی بھی کہلا سکتا ہے۔ اگر تم نا اہلوں کو حق دے رہے ہو تو پھر مرزے کو بھی حق ہے کہ جیسا معنی کرنا چاہے کرے۔

پھر میں نے کہا کہ ثناء اللہ کا جب پادری برکت اللہ سے مناظرہ ہوا تو وہ بھی اپنی طرف سے معنی کرتا تھا اور کہتا تھا کہ قرآن پاک کی دو ہزار آیتوں سے زیادہ میں تثلیث کا ذکر ہے۔ کیسے ذکر ہے؟

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون،

یہ جمع کے صیغے ہیں اور عربی میں جمع کم از کم تین پر آتی ہے۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم**. دیکھو یہاں بھی تثلیث ثابت ہوگئی۔ اب ثناء اللہ اس پر بڑا اسٹپٹایا اور کہا کہ یہ جو تو نے معنی کیا ہے یہ کسی نے نہیں کیا۔ پادری برکت نے کہا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب اگر یہ بات کوئی مقلد کہے تو مانوں گا، آپ کے کہنے سے نہیں مانوں گا۔ آپ نے معنی کرنے کا حق سب کو دیا ہوا ہے تو مجھے بھی حق ہے کہ میں جو معنی چاہے کروں۔ اور یہ کہ معنی وہ معتبر ہوگا جو ماہر کرے گا یہ بات مقلدین کو کہنے کا تو حق ہے، آپ کو یہ بات کہنے کا حق نہیں ہے۔

جب کھلی چھٹی دے دی تو اب مرزا جیسے چاہے معنی کرے، پرویز جیسے چاہے معنی کرے۔ اصل کام خراب یہ کھلی چھٹی کرتی ہے، سب سے پہلے انسان سلف سے باغی ہوتا ہے، پھر جہاں چاہے چلا جائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ پنڈی بھٹیاں میں تقریر تھی علماء حضرات تو نہ پہنچ سکے، راستے میں سیلاب آگیا تھا، میں پہنچ گیا، مولوی صاحب نے کہا کہ تقریریں دو کرنی پڑیں گی، کیونکہ علماء حضرات تو دیر سے آئیں گے۔ میں نے کہا کہ تقریریں چاہے چار کروالو، اس میں کون

سی بات ہے۔ کہنے لگے کہ موضوع کیا ہوگا؟ میں نے کہا ایک تو میں عیسائیت کے رد میں کروں گا، دوسری آپ جس موضوع پر کروانا چاہیں کروالیں۔

ظہر کے بعد میں نے تقریر عیسائیت کے رد میں کی، عشاء کے بعد انہوں نے کہا کہ بریلویت کے رد میں تقریر ہونی چاہئے۔ اب وہ جگہ تھی عید گاہ کی، آدھی دیوبندیوں کے پاس تھی آدھی بریلویوں کے پاس تھی۔ میں نے تقریر میں خطبہ پڑھ کر قرآن پاک کھول لیا اور ورق الٹنے لگا کبھی ادھر کبھی ادھر، پانچ منٹ ہو گئے تو آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں، خصوصاً بریلویوں کی کہ بڑی شہرت تھی کہ بہت بڑا مناظر ہے، اسے تو آیت ہی نہیں مل رہی۔ ہمیں بتاؤ کہ کون سی آیت ہے ہم بتاتے ہیں؟۔ میں نے کہا آیت نہیں پوری سورت ہے، مجھے مل نہیں رہی۔ کہنے لگے، ہم بتاتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے مدرسہ والوں نے کہا ہے کہ اختلافی تقریر نہیں کرنی، یہاں میں جس سورۃ کو دیکھتا ہوں کسی پر مکیہ لکھا ہے کسی پر مدنیہ لکھا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ آخر حضرت ﷺ چودہ سو سال سے پنڈی میں بھی تو حاضر ناظر ہیں، تو وہ سورۃ میں دیکھ رہا ہوں جو پنڈی میں نازل ہوئی ہو۔ وہ دیکھو رہا ہوں، کہ آپ کو وہ سناؤں۔ وہ مجھے نہیں مل رہی، یا جبرائیل علیہ السلام کو نہیں پتا تھا کہ حضرت ﷺ وار برٹن میں بھی رہتے ہیں، اس لئے وہ یہاں کوئی سورۃ لے کر نہیں آئے۔ بریلوی خاموش ہو گئے، تو میں نے تقریر شروع کی۔

حضرت مولانا بشیر احمد پسروریؒ بھی تشریف لے آئے اور صدارت فرمانے لگے، اس تقریر پر حضرتؒ نے مجھے ترجمان السنہ انعام میں دی۔ تقریر کے بعد ہم بیٹھے کہ گیارہ بارہ مولوی آ گئے، لمبی لمبی داڑھیاں، خارجیوں والی شکلیں، آ کر بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی کہنے لگے علماء دیوبند نے بڑی خدمت کی ہے۔ آپ ہمارے اخبار میں مضمون دیا کریں۔ میں نے کہا کہ کون سا اخبار ہے؟ کہنے لگے اہل حدیث۔ میں نے کہا ٹھیک ہے مضمون دیا کروں گا، لیکن مضمون مسئلہ توحید پر نہیں مسئلہ تقلید پر ہوگا۔ نہیں نہیں، اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا جو بیماری ہو اس کی دوا دینی چاہئے، اب درد تو ہے گھٹنے میں اور دوا آنکھوں میں ڈالتے رہو۔ جو بیماری ہوگی اس کا

علاج ہوگا۔ مضمون میرا مکمل دینا، پھر بے شک ساری عمر اس کا رد کرتے رہنا۔ کہنے لگے، نہیں نہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ اٹھ کر چلے گئے۔

میں نے کہا یہ اتنے کیسے آ گئے، کہنے لگے ان کی یہاں چودہ مسجدیں ہیں بریلویوں کی دو ہیں اور ہماری بھی دو ہیں۔ میں نے کہا پھر مجھے پہلے بتاتے میں اس پر تقریر کرتا، انہوں نے کہا ہم دو ماہ کے بعد جلسہ کروا رہے ہیں اس میں اس پر تقریر ہو جائے گی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، دو ماہ کے بعد پھر جب میں گیا، اشتہار تو میں نے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ انہوں نے میرے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا مسئلہ تقلید اور فضائل امام اعظم ابوحنیفہؒ۔ اب وہ میرا طرز تو دیکھ چکے تھے کہ یہ بات بڑے عام فہم انداز میں سمجھا لیتا ہے۔ میں گیا تو سارے آ گئے، **السلام علیکم** بڑی خوشی ہوئی آپ کی تشریف آوری پر، آج موضوع کیا ہوگا؟ میں نے کہا معلوم نہیں ابھی مہتمم صاحب سے بات ہوگی تو پتا چلے گا۔ کہ جی وہ پرلے درجے کا بے وقوف ہے اس نے لکھا ہے مسئلہ تقلید اور امام اعظمؒ۔ میں نے کہا میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اتنا بڑا عقلمند آدمی ہوگا۔ یہ تو اس نے بڑی عقلمندی کا کام کیا ہے۔ کہنے لگے اس میں کیا عقلمندی ہے؟ میں نے کہا مولانا رومؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان نے اپنی والدہ کو قتل کر دیا، استاد نے پوچھا بیٹا تجھے یہی کچھ پڑھایا تھا؟ ماں باپ کا اتنا حق ہے،؟ تو نے یہ اچھا حق ادا کیا۔ وہ بے چارہ رونے لگا، اس نے کہا استاد جی میں نے بہت ہی مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے کہ اس کا چال چلن ٹھیک نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اس کو قتل کر دیا۔ استاد نے کہا تو فریق ثانی کو قتل کر دیتا، قتل کا گناہ ہی ہوتا والدہ کی نافرمانی کا گناہ تو نہ ہوتا۔ اس نے پھر روتے ہوئے کہا استاد جی میں ایک کو قتل کرتا، پھر اس کا تعلق دوسرے سے ہو جاتا، پھر اس کو قتل کرتا، پھر اس کا تعلق تیسرے سے ہو جاتا۔ اس لئے میں نے گناہوں کی ماں ہی قتل کر دی۔ نہ رہے گی نہ تعلق ہوگا۔ کہنے لگے اس واقعہ کا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا آج میں نے گناہوں کی ماں مارنی ہے، تقلید پر تقریر کرنا گناہوں کی ماں مارنا ہے۔ کیونکہ سارے گناہ نکلتے ہی یہاں سے ہیں۔

جب بڑوں کو چھوڑا تو پھر چاہے جس کے مرضی ہو جائیں۔ کہنے لگے ہم پرچیاں دیں

گے آپ جواب دیں گے، میں نے کہا اس پر جو سوال ہوگا اس کا جواب دوں گا۔ اب آگئے تقریر شروع ہوئی اس نے جھٹ دی گیارھویں شریف کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا یہ میرا موضوع نہیں، دوسرے مولوی صاحب جواب دیں گے۔ دوسرا سوال کیا امام اعظم ابوحنیفہؒ کیا فرماتے ہیں حضورﷺ نور تھے یا بشر تھے؟۔ میں نے کہا جو میرا موضوع ہے اس پر سوال کریں، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ موضوع نہیں بدلنا چاہتا اٹھ کر چلے گئے۔

المدعی۔

جس طرح ہر مقدمہ میں ایک فریق مدعی ہوتا ہے دوسرا مدعیٰ علیہ، اسی طرح مناظرہ میں ایک مناظر مدعی ہوتا ہے دوسرا سائل۔

المدعی من نصب نفسه لاثبات الحکم بالدلیل او التنبیه.

(رشیدیہ ص۱۴)

تشریح عبارت۔

مدعی وہ مناظر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کسی حکم کے ثابت کرنے کا پابند کرے۔ دلیل سے یا تنبیہ سے۔ اگر بات نظری ہوگی تو دلیل کی ضرورت ہوگی۔ اگر بدیہی بات ہوگی تو تنبیہ ہی کافی ہوجائے گی۔

تعریف السائل۔

من نصب نفسه لنفیه.

تشریح۔

سائل وہ مناظر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس حکم کی نفی کا پابند بنائے، جس حکم کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے۔

تعریف الدعویٰ۔

الدعویٰ ما یشتمل علی الحکم المقصود اثباته بالدلیل.

(رشیدیہ ص۱۶)

تشریح۔

دعویٰ وہ قضیہ ہے جو اس حکم پر مشتمل ہو جس کو دلیل سے ثابت کرنا مقصود ہو۔ دعویٰ حکم پر اس طرح مشتمل ہو جس طرح کل جز پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر وہ حکم نظری ہوگا تو دلیل سے اسکا ثبوت مقصود ہوگا، اگر بدیہی ہو تو صرف تنبیہ سے اس کا اظہار ہو جائے گا۔

(حمیدیہ ص۲۳)

اهم بات۔

مناظرے میں سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مدعی کون ہے اور سائل کون ہے، دلیل کس کے ذمہ ہے؟

دلیل مدعی کے ذمے ہوتی ہے، حدیث میں ہے۔

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر.

(نووی ص۷۴ ج۲)

اس میں ہے کہ مدعی وہ ہے جو کسی حکم کا اثبات کرے۔

مثال نمبر ۱۔

جو کہے رفع یدین سنت ہے، یہ مدعی ہے، اور جو کہے سنت نہیں ہے یہ سائل ہے۔ تو دلیل مدعی کے ذمے ہے نہ کہ سائل کے ذمے۔ آج کل سب سے بڑی گڑبڑ یہی ہے کہ مدعی سائل سے دلیل مانگنی شروع کر دیتا ہے۔ دعویٰ تو اس کا ہے کہ رفع یدین سنت ہے کہتا ہے تم دکھاؤ منع کی

حدیث۔ دعویٰ اس کا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنا فرض ہے، کہتا ہے کہ تم دکھاؤ کہ فرض نہیں ہے۔ دعویٰ اس کا ہے کہ تقلید شرک ہے دلیل ہم سے مانگتے ہیں۔ دعویٰ ان کا ہے کہ حضور ﷺ نور ہیں دلیل ہم سے مانگتے ہیں۔ دعویٰ ان کا ہے اذان سے پہلے صلوۃ والسلام پڑھنے کا، دلیل منع کی ہم سے مانگتے ہیں۔ دعویٰ ان کا ہے دعا بعد الجنازہ کا نفی کی دلیل ہم سے مانگتے ہیں۔ یہ بہت بڑا دھوکہ اور حدیث متواتر البینة علی المدعی کا انکار ہے۔ یہ ایسا دھوکہ ہے کہ دین میں کوئی بھی اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہاں جہاں ہم نفی کا دعوی پہلے کریں گے وہاں ہم پابند ہوں گے۔

مثال۔

ایک آدمی کہتا ہے کہ یہ کار میری ہے۔ پولیس والے اس سے پوچھیں گے کہ کاغذات دکھا کہ یہ کار تیری ہے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ تم دکھاؤ کہ سرکاری کاغذات میں لکھا ہوا ہو کہ یہ کار میری نہیں ہے۔ تم دکھاؤ رجسٹری کہ یہ مکان میرا نہیں ہے۔

تو نہی کی حدیثیں بھی اسی طرح دنیا میں کہیں نہیں ہوتیں، جیسے وہ دھوکا ہے اسی طرح نہی کی حدیثوں کا مطالبہ بھی دھوکہ ہے۔ جتنے باطل فرقے ہیں وہ جن مسائل میں مدعی ہوتے ہیں دلیل ان کے ذمے ہوتی ہے، لیکن انہوں نے اپنے نوجوانوں کو غلط طریقہ سکھایا ہوتا ہے کہ دلیل ان سے مانگنی ہے کہ منع ہے، منع ہے۔ اس کا علاج یہ ہی ہے کہ اس کو پکڑ لیا جائے کہ تو کاغذات دکھا کہ یہ مکان میرا نہیں ہے، یہ گاڑی میری نہیں ہے۔ آپ کاغذات دکھائیں کہ یہ کار آپ کی نہیں ہے، یہ سائیکل آپ کی نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑا دھوکہ چل رہا ہے۔

ہر عدالت گواہ مدعی سے لیتی ہے۔ مدعیٰ علیہ کو عدالت پورا حق دیتی ہے کہ ان گواہوں پر جرح کرے، اگر جرح صحیح ہو تو کیس خارج ہو جائے گا۔ لیکن یہ نہیں کہ گواہ مدعیٰ علیہ سے بھی لیا جائے۔ اسی طرح دلیل ہمیشہ مدعی کے ذمے ہوتی ہے۔

دوسرا دھوکہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مدعی سے دلیل خاص کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی دھوکہ ہے مدعی سے بھی صرف دلیل کا مطالبہ کرنا چاہئے نہ کہ دلیل خاص کا۔ یہ دلیل خاص کا مطالبہ

کرتے ہیں۔ کہ بخاری سے ہی ہو، صحیح صریح، غیر مجروح ہو۔ اپنی طرف سے شرطیں لگاتے ہیں۔ اس کو سمجھیں یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے۔

خدا کے پیغمبر جب دنیا میں تشریف لائے تو اللہ نے ان کے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ان کو معجزات عطا فرمائے، اب کافروں کے لئے دو ہی راستے تھے، تو انہوں نے لوگوں کے دلوں سے معجزات کی قدر و منزلت نکالنے کے لئے یہ بہانہ بنایا کہ جو ہم کہتے ہیں وہ معجزہ دکھاؤ۔ فرمائشی معجزہ جس کو کہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں فرمائشی معجزہ پورا کرنا بھی مشکل نہ تھا وہاں تو کن فیکون والا معاملہ ہے۔ لیکن ایک دفعہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے علاوہ کبھی بھی اللہ نے فرمائشی معجزہ ظاہر نہیں فرمایا۔ اور جہاں ظاہر فرمایا، وہاں پھر اگر نہیں مانا تو اللہ نے ان کو تباہ کر دیا۔ ان کا نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

قرآن پاک کی آیات سے معلوم ہوتا تھا کہ انبیاء کرام چاہتے تھے کہ فرمائشی معجزہ ظاہر ہو جائے، کافر بھی چاہتے تھے، نبی بھی، لیکن اللہ تعالیٰ فرمائشی معجزہ نہیں دکھاتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سے دلیل اور معجزہ کی قوت برباد ہو جاتی ہے۔ دلیل اور معجزہ ایک ایسی قوت کا نام ہے کہ پوری دنیا کی گردن اس کے سامنے جھک جائے۔ لیکن جب فرمائش کی بات آئے گی تو فرمائشی معجزہ سے صرف ایک کی گردن جھکے گی دوسرا دوسرے معجزے کا مطالبہ کر دے گا۔ تیسرا کہے گا مجھے یہ دکھاؤ۔ تو وہ دلیل جو اتنی قوی تھی کہ پوری دنیا کی گردن جھکا سکتی تھی وہ صرف ایک کے لئے بن گئی۔ اب اگر ایسے ہوتا تو انبیاء کرام ساری عمر فرمائشی معجزات ہی ظاہر فرماتے رہتے۔ تعلیم و تبلیغ کے لئے وقت نہیں بچے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمائشی معجزات کو ظاہر ہی نہیں فرمایا، اور جہاں ظاہر فرمایا پھر اس قوم کو باقی نہیں رہنے دیا۔ بلکہ ہلاک کر دیا، اب جب فرمائشی معجزہ وہ مانگتے تھے تو وہ ظاہر نہ ہوتا تو ان کو پورا پورا حق تھا کہ یہ کہتے کہ ہمیں ہمارا فرمائشی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ یہ بات صحیح تھی، لیکن وہ کیا کہا کرتے تھے کہ کوئی معجزہ ہی نہیں دکھایا گیا۔ یہی طریقہ ان لوگوں کا ہے کہ کوئی لفظ اپنی طرف سے بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ وہ باتیں جو اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہیں وہ ہم

نہیں مانتے، یہ لفظ جو ہم نے اپنی طرف سے بنایا ہے یہ اگر اللہ یا اس کا رسول ﷺ کہہ دیں تو ہم مان لیں گے، ورنہ ہم نہیں مانیں گے۔ اب حضرت نبی اقدس ﷺ سے ان کا بنایا ہوا فقرہ کون کہلوا سکتا ہے۔ پھر یہ کہ اس کے بعد بھی ان کو یہ تو حق ہے کہ یہ یہ کہیں کہ جو شرائط ہم نے رکھی تھیں ان شرائط کے مطابق یہ دلیل نہیں دے سکے، لیکن یہ کیا کہتے ہیں کوئی دلیل نہیں دے سکے، کوئی دلیل نہیں دے سکے۔ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید تو ان کے ہاں شرک ہے لیکن ابو جہل کی تقلید ان کے ہاں عین ایمان ہے۔ اس کو کہتے ہیں کہ دلیل خاص کا مطالبہ کرنا۔

مثال۔

ختم نبوت پر دو سو سے زائد احادیث مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ نے **ختم نبوت فی الحدیث** میں جمع فرمائی ہیں۔ آپ وہ دو سو کی دو سو احادیث کسی قادیانی کو سنا دیں آخر میں وہ یہی کہے گا کہ میری شرط یہ تھی کہ غیر تشریعی کا لفظ آئے۔ کہ حضرت ﷺ کے بعد غیر تشریعی نبی نہیں آ سکتا۔ یہ دکھاؤ کہاں ہے؟ اب وہ ساری حدیثوں کا رد کر دے گا، اور کہے گا کہ میں جو کہتا تھا کہ غیر تشریعی کا لفظ ہو وہ تو آیا نہیں ہے۔ تم میرا فقرہ غیر تشریعی اللہ کے نبی ﷺ سے کہلوا دو۔

غیر مقلدین کے چھ نمبر۔

حضرت نے غیر مقلدین کے چھ نمبر سنائے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چھ نمبر ذکر کئے جائیں۔ جیسے تبلیغی جماعت کے چھ نمبر ہیں اسی طرح غیر مقلدین کے بھی چھ نمبر ہوتے ہیں، اور ان کا سارا کام چھ نمبروں پر ہی چلتا ہے۔

نمبر ا۔

سب سے پہلے جاتے ہی تم نے سوال کرنا ہے، تا کہ کوئی دوسرا موقع پا کر سوال نہ کر دے۔ کہ اس طرح کا پین کس حدیث میں ہے؟ اس قسم کے قلم کے متعلق حضور پاک ﷺ نے کسی حدیث میں فرمایا ہے تو دکھاؤ؟ وہ جا کر پوچھنا شروع کر دے گا کہ یہ گولی پونستان کس حدیث میں ہے؟ یہ شربت کس حدیث میں ہے؟ یہ ٹیکہ کس حدیث میں ہے؟ اب یہ حدیث میں ہو تو

دکھائیں۔اب سارے زور سے شور مچائیں گے کہ کوئی حدیث نہیں ملی۔ دو پیچھے ڈھول بجانے والے ہوں گے کہاں سے ملے، بارہ سال فقہ ہی پڑھتے رہے ہیں، فقہ پڑھتے ہیں حدیث تو پڑھتے ہی نہیں، تو حدیث کہاں سے ملے؟ ایک سال حدیث پڑھتے ہیں۔اساتذہ اور شاگردوں نے لنگوٹے کسے (تہبند باندھے ہوئے) ہوتے ہیں، حدیثوں سے بھاگتے بھاگتے نکل جاتے ہیں۔ یہ پہلا نمبر ہے۔شاگرد نے کہا استاد جی آپ نے ایسا نمبر بتا دیا ہے کہ نہ کسی کو بیٹھنے دوں گا نہ کھڑا ہونے دوں گا، جو بیٹھے، دکھاؤ کس حدیث میں ہے یوں بیٹھنا؟ جو کھڑا ہو، دکھاؤ حدیث کہاں ہے اس طرح کھڑا ہونا؟ اب پورے علاقے میں شور ہو جائے گا کہ حنفیوں کو کوئی حدیث نہیں آتی۔

شاگرد نے پوچھا کہ استاد جی وہ مجھ سے بھی تو پوچھ سکتے ہیں کہ تو نے جو یہ عینک لگا رکھی ہے یہ کس حدیث میں ہے؟ یہ ٹوپی جو تو نے سر پر رکھی ہوئی ہے یہ کس حدیث میں ہے؟ پھر میں کیا جواب دوں گا؟ کہا کہ دوسرا نمبر یاد کرلو۔

دوسرا نمبر۔

کہ جب وہ پوچھے کہ یہ کس حدیث میں ہے تو فوراً کہو کس حدیث میں منع ہے، یعنی یہ بھی ان پر ہی ڈالنا ہے کہ منع کی حدیث لائیں۔اب پورے علاقے میں شور ہوگا کہ ایک کام کرنے کی حدیث پوچھی تھی وہ بھی نہیں آئی حنفیوں کو، ایک منع کی پوچھی تھی وہ بھی نہیں آئی۔بس جی آئے کہاں سے فقہ تو پڑھتے ہیں، حدیث تو پڑھتے ہیں نہیں۔اس نے کہا یہ تو بہت اچھی بات ہوگئی کہ مجھے نہ تو مطالعہ کی ضرورت ہے نہ پڑھنے لکھنے کی ضرورت، جو چیز پوچھیں گے میں کہوں گا کہ اس کے منع کی حدیث دکھاؤ۔ پھر اس نے کہا اگر وہ کتابیں وغیرہ لے آئیں تو پھر کیا کروں اس نے کہا پھر تیسرا نمبر یاد کرلو۔

تیسرا نمبر۔

جس طرح شیعہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ میں سے صرف چار کو مانتے ہیں، اس طرح میں حدیث کی سینکڑوں، ہزاروں کتابوں سے چھ کو مانتا ہوں باقیوں کو نہیں مانتا۔اب پوری کتابوں کا

انکار ہے اور نام اہل حدیث ہے، آپ موطا امام محمد رکھیں ناچے گا، اتنا ابو جہل بھی حدیث کو سن کر نہیں ناچتا تھا جتنا یہ ناچتے ہیں، موطا امام محمد پر غیر مقلد ناچتا ہے، سن ہی نہیں سکتا۔ ابو جہل سن تو لیتا تھا۔ طحاوی شریف رکھ کر دیکھ لیں، یہ کہلاتے اہل حدیث ہیں اور حرکتیں ان کی ایسی ہیں، ہمارے ہاں کسی استاد نے نہیں کہا کہ میں ابوداؤد نہیں پڑھاؤں گا، کیونکہ یہ حنبلی کی لکھی ہوئی ہے۔ میں موطا امام مالکؒ نہیں پڑھاؤں گا۔ کہ یہ مالکی پڑھیں ہمیں کیا ضرورت ہے، یہ تو نبی پاک ﷺ احادیث ہیں جس نے بھی جمع کر دیں۔ اس لئے ہمارے ہاں یہ نہیں ہے کہ یہ ہماری ہے، یہ تمہاری ہے۔ ایک لطیفہ یاد آیا۔

لطیفہ۔

ایک پیر صاحب کے دو مرید تھے دونوں آپس میں لڑ پڑے، گرمی کا موسم تھا پیر صاحب تشریف لائے جس مرید کا گھر پہلے تھا اس کے گھر چلے گئے۔ اس نے پانی وغیرہ پلایا اور پیر صاحب کو دبانے لگا، دوسرے مرید کو پتا چلا کہ حضرت آئے ہیں اس نے سوچا لڑائی میری اس سے ہے پیر صاحب سے تو نہیں ہے۔ وہ بھی پہنچ گیا اور وہ دوسری ٹانگ دبانے لگا۔ اب وہ خوشی سے جلدی میں بیٹھا تو اس کی انگلی پیر صاحب کی اس ٹانگ کو لگ گئی جس کو پہلا مرید دبا رہا تھا، اس نے سمجھا کہ اس نے شرارت کی ہے، اور میری والی ٹانگ کو انگلی لگائی ہے۔ اس نے پیر صاحب کی جس ٹانگ کو وہ دبا رہا تھا اس کو مکہ مار دیا، کہ تو کون ہوتا ہے میری ٹانگ کو انگلی لگانے والا؟ اس نے مکہ مار دیا، دوسرا کلہاڑی اٹھا کر لے آیا کہ آج میں تیری طرف والی ٹانگ ہی نہیں چھوڑوں گا۔

تو پیر بے چارا ہاتھ جوڑے کہ یہ ٹانگ میری ہے۔ بات ہنسنے کی نہیں ہے، رونے کی ہے۔ طحاوی شریف حدیث کی کتاب ہے کہتے ہیں مانی نہیں۔ موطا امام محمد حدیث کی کتاب ہے، کہتے ہیں مانی ہی نہیں۔ اس لئے کہ طحاوی شریک کی ہے مانی نہیں، موطا امام محمد شریک کی ہے مانی نہیں۔

تیسرا نمبر ان کا ہے کہ پوری کتابوں کا انکار کر رہے ہیں، نام پھر بھی اہل حدیث ہے، صرف چھ کتابیں مانتے ہیں، ان میں سے حدیث دکھاؤ۔

اس نے کہا استاد جی اگر ان میں سے حدیث مل جائے تو پھر کیا ہوگا؟ اگر وہ مسلم شریف میں حدیث دکھا دیں کہ حضرت نے رفع یدین کرنے والوں کو سرکش گھوڑوں سے تشبیہ دی ہے، استاد نے کہا چوتھا نمبر یاد کرلو۔

چوتھا نمبر۔

فوراً اپنی طرف سے شرط لگا دو کہ منع کا لفظ ہے، منسوخ کا لفظ ہے۔ اگر منسوخ کا لفظ دکھا دو تو دس ہزار روپے انعام۔ فاتحہ کا لفظ دکھا دو، اگر فاتحہ کا لفظ دکھا دو تو ایک لاکھ روپے انعام۔ اب یہ تو ممکن نہیں کہ حضرت اب قبر مبارک سے باہر تشریف لا کر وہ لفظ جو غیر مقلد نے کہا ہے فرمائیں۔ انہوں نے جو کچھ فرمانا تھا فرما چکے۔ یہ چوتھا نمبر ہے۔ کہ ایک شرط لگا دی جاتی ہے کہ یہ لفظ دکھاؤ دس لاکھ روپے انعام۔ اس نے کہا استاد جی اگر انہیں چھ کتابوں میں سے کوئی حدیث مل جائے اور وہ لفظ بھی دکھا دیا جائے تو پھر تو ماننی پڑے گی؟ استاد نے کہا نہیں، اہل حدیث نام کس لئے رکھا ہے کیا حدیث ماننے کے لئے رکھا ہے اس لئے نہیں ماننی۔ حضرت اب کیا طریقہ ہوگا انکار کا؟ فرمایا پانچواں نمبر یاد کرلو۔

پانچواں نمبر۔

پورے زور سے تین مرتبہ کہہ دو ضعیف ہے، ضعیف ہے، ضعیف ہے۔ اب حدیث بھی نہ ماننی پڑے گی اور رعب بھی قائم ہوگیا کہ یہ حنفیوں کا شیخ الحدیث ہے اس کو اتنا معلوم ہی نہیں کہ حدیث ضعیف ہے یہ گانے کی کیسٹیں بیچنے والا جانتا ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔

واقعہ۔

حضرت نے فرمایا میں ایک مرتبہ سرحد وغیرہ کی طرف گیا تو وہاں ضاد کو داد پڑھتے ہیں، اٹک میں میں تقریر کر رہا تھا ایک بوڑھا بابا آ گیا، ایک دانت منہ میں نہیں تھا، اب وہ کہے ڈئیف، ڈئیف، میں نے کہا اسے معلوم نہیں کیا ہوگیا ہے؟ پھر غور کیا تو پتا چلا کہ یہ پانچواں نمبر سنا رہا ہے۔ اور حدیث کو ضعیف کہہ رہا ہے۔ فرمایا

میری تقریر کے ان کے پاس دو جواب پکے ہیں۔

نمبر۱۔ اگر تو میں نے تقریر میں امام ابو حنیفہؒ کے فضائل بیان کر دیئے تو کہیں گے، بس کل اس کی تقریر سنی تھی، اللہ رسول کا نام تو اس نے لیا ہی نہیں، ابو حنیفہؒ ابو حنیفہؒ ہی ساری تقریر میں کرتا رہا ہے۔

نمبر۲۔ اگر میں مسائل میں بیان کر دوں اور احادیث پیش کروں، تو کہتے ہیں سنی تھی تقریر ؟ ساری ضعیف حدیثیں پڑھ کر گیا ہے، ایک بھی صحیح نہیں پڑھی۔ اور ان باتوں کو ان کا ہر آدمی اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اسے آگے سنانی ہے تا کہ آئندہ کوئی اس کی بات سنے ہی نہیں، اس کی کیسٹ سنے ہی نہیں کہ کیا ہے۔

دوسرا واقعہ۔

حضرت نے سنایا۔ ایک علاقے میں میری تقریر تھی ایک ہی ہوئی وہاں، انہوں نے آ کر خوب شور کیا، سپیکر اٹھا کر لے گئے۔ جنہوں نے بلایا تھا انہوں نے کہا اب تقریر نہیں کرنی۔ میں نے کہا اب تو کرنی ہے، جب وہ شور مچا کر تھک کر چلے گئے تو تقریر شروع کی۔ سردیوں کی راتیں تھیں صبح تک تقریر ہوئی۔ ان کا جو صدر تھا شبان اہل حدیث کا وہ سارا پروگرام طے کر کے خود لاہور چلا گیا تھا۔ جب واپس آیا تو مدرسہ میں آ گیا کہ امین کی تقریر کروائی ہے؟ وہ گالیاں دیتا رہا ہے۔ بچے اس کے اسی مدرسے میں قاری صاحب کے پاس پڑھتے تھے، قاری صاحب نے کہا آپ میری بات سنیں یہ امین صاحب کی کیسٹیں ہیں، آپ یہ سن لیں اس میں جو گالی ہے وہ نوٹ کر لیں اگر دس آدمی کہہ دیں کہ یہ گالی ہے تو امین صاحب یہاں آ کر بھرے مجمع میں معافی مانگیں گے اور اگر انہوں نے معافی نہ مانگی تو ہم سب کے سب اہل حدیث ہو جائیں گے۔

اس نے کیسٹیں لے لیں اور سنا کہ نہیں سنا، تو آ کر پوچھتا ہے کہ کیا اور بھی کیسٹیں ہیں، اس نے اور اٹھا کر دے دیں وہ بھی حنفی ہو گیا۔ وہ داماد ہے جامعہ سلفیہ کے ایک استاد کا، اور اس کا سارا خاندان ہی غیر مقلد ہے۔ اب ان سب کی نیندیں حرام ہو گئیں اور اسے جامعہ سلفیہ اور حال

کروانے کے لئے لے گئے۔اس کا سسر بھی اور سالے بھی شیخ الحدیث کے پاس لے کر بیٹھے کہ آپ نے جوان سے پوچھنا ہے پوچھیں۔ مجھے اس نے خود یہ واقعہ سنایا کہ میں نے پوچھا اگر کوئی اہل حدیث حنفی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو ہو جاتی ہے؟ اس نے کہا نہیں ہوتی۔اس نے پوچھا، اگر کوئی حنفی اہل حدیث کے پیچھے پڑھ لے تو ہو جاتی ہے؟ اس نے کہا ہو جاتی ہے۔اس نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے؟ اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔اس نے کہا لکھ دیں۔انہوں نے لکھ دیا کہ حنفی اگر اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔انہوں نے دستخط کر کے مہر لگا دی اس نے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور اٹھ کھڑا ہوا، وہ کہنے لگا باقی مسائل بھی پوچھ لیں، مسئلہ آمین ہے، مسئلہ رفع یدین ہے، فاتحہ ہے۔میں نے کہا ابا جی، میرے سارے ہی مسئلے حل ہو گئے ہیں، میں نے جب اہل حدیث امام کے پیچھے نماز پڑھنی ہے تو فاتحہ میں نے نہیں پڑھنی، میں حنفی ہوں۔انہوں نے لکھ دیا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے، میں نے رفع یدین نہیں کرنی، انہوں نے لکھ دیا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے، میں نے آمین اونچی نہیں کہنی، انہوں نے لکھ دیا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔میں نے رفع یدین نہیں کرنی، انہوں نے لکھ دیا کہ نماز ہو جاتی ہے۔میں نے آمین اونچی نہیں کہنی، انہوں نے لکھ دیا ہے کہ نماز بالکل ٹھیک ہے۔

اب وہ سارے بڑے پریشان گلے پڑ گئے، کاغذ چھیننے لگے میں نے جیب پر ہاتھ رکھ دیا کپڑے انہوں نے میرے سارے پھاڑ دیئے۔میں نے کاغذ محفوظ رکھا، اب وہ استاد اس سے لڑیں کہ تو نے پہلے نہیں بتایا کہ یہ امین کی کیسٹیں سن کر آیا ہے، یہ شرارتی ہے، پہلے تو وہ خاموش رہے۔پھر میرے سالے ان سے لڑ پڑے کہ ایسی کفر کی بات تو ہوئی نہیں کہ تم نے اس کے کپڑے بھی پھاڑ دیئے ہیں، اور اس کو خواہ مخواہ مار رہے ہو۔وہ آپس میں لڑ پڑے، اور میں آ گیا۔

مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ مدعی کون ہے، دلیل مدعی کے ذمے ہے۔

مثال۔

شیعہ اذان میں کچھ کلمات زائد کہتے ہیں، اب ان کا ثبوت ان کے ذمے ہے کہ جس طرح باقی کلمات احادیث سے ثابت ہیں آیا یہ کلمات بھی احادیث سے ثابت ہیں؟ اگر وہاں سے

نہیں تو کم از کم بارہ اماموں میں سے کسی ایک سے تو ثابت کر دیں۔لیکن وہ کسی سے یہ کلمات ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ حضرت علیؓ کی اولیت کا مسئلہ تو ایسا راز تھا جو اللہ نے سارے فرشتوں سے بھی چھپایا تھا، صرف جبرائیل کے کان میں کہا تھا اور جبرائیل نے سارے نبیوں سے چھپایا تھا، صرف حضرت ﷺ کے کان میں کہا اور حضرت نے صرف علی شیر خداؓ کے کان میں کہا، اب یہ سپیکر پر کہتے ہیں، خدا کا راز تھا، انبیاء کا راز تھا، فرشتوں کا راز تھا، اس کو یہ ظاہر کر رہے ہیں۔ تو ان کے ہاں تو یہ سرے سے جائز ہی نہیں، ان کے کسی امام کو تو اس کا پتا ہی نہیں چلا۔اب یہ خواہ مخواہ لوگوں کو سناتے ہیں، تو ثبوت ان کے ذمے ہے اب وہ غلط انداز میں سوال بنالیں کہ دنیا کے سارے سنی مل کر اللہ کے نبی ﷺ سے یا صحابہؓ سے یا باقی بارہ اماموں سے اس کا منع ہونا ثابت کر دیں، ہم دو کروڑ روپے انعام دیں گے، کیا کوئی ایسا حوالہ پیش کر سکتا ہے؟ ایسے سوال غیر مقلدوں کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لئے ان سے پوچھ لیا کریں۔ تا کہ انہیں بھی پتا چلے کہ جس طرح یہ سوال غلط ہے اس طرح ہمارے سوال بھی غلط ہیں۔ جو فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتا ہے ثبوت اس کے ذمے ہے، جو رفع یدین کرتا ہے وہ ثبوت دے گا، یہ کہتے ہیں کہ تم منع کی حدیث دکھاؤ۔

قرآن پاک کی پہلی سورت ہے سورۃ فاتحہ اور اس پر سارے جھگڑے ہوتے ہیں، کوئی **فاتحہ علی الطعام** پر لڑتا ہے، کوئی فاتحہ **خلف الامام** پر لڑتا ہے۔اور دونوں ہی فاتحہ کے منکر ہیں نہ فاتحہ کو وہ مانتے ہیں نہ یہ مانتے ہیں، کیونکہ آدھی فاتحہ مسئلہ توحید ہے، آدھی فاتحہ مسئلہ تقلید ہے۔ وہ جو فاتحہ علی الطعام والے ہیں وہ پڑھتے تو ہیں

ایاک نعبد و ایاک نستعین.

لیکن جب باہر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں یا بہاء الحق بیڑا دھک۔ امداد کن امداد کن از بندغم آزاد کن۔ در دین و دنیا شاد کن۔ یا شیخ عبدالقادرا۔ کتّے تیرے دربار دے شیراں نوں بانگاں ماردے۔اماں حضرت پیر دی مشکل میری آسان کر۔ کہتے یہ بھی ہیں

ایاک نعبد و ایاک نستعین،

یہ تو معلوم ہے کہ تمام لڑائیاں بدر، احد، خندق کی جو ہوئیں ہیں وہ اس ہی ''اور'' بھی پر ہوئی ہیں۔اللہ کے نبی ﷺ فرماتے تھے خدا ہی پکارنے کے لائق ہے وہ کہتے تھے خدا بھی پکارنے کے لائق ہے، اور تین سو ساٹھ اور بھی ہیں۔ساری لڑائی ہی اور بھی پر ہی تھی۔حضرت فاتحہ کا سبق پڑھاتے تھے وہ اور بھی پر اڑے رہے۔فاتحہ میں ہی ہے **ایاک نعبد** اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، **وایاک نستعین** تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔وہ اللہ کو مانتے تھے، حضرت ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ انہوں نے ہی رکھا ہوا تھا۔خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر وہ بھی کہتے تھے، لیکن جھگڑا ہی اور بھی پر تھا۔تو وہ جو فاتحہ علی الطعام والے ہیں ان کو مسئلہ توحید پسند نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں پڑھیں گے۔ **ایاک نعبد وایاک نستعین** اور بیٹا سلطان باہو سے جا کر مانگیں گے۔

اور یہ جو فاتحہ خلف الامام والے ہیں فاتحہ **ایاک نعبد وایاک نستعین** پر ختم ہو گئی یا آگے ہے؟۔آگے ہے۔

صراط الذین انعمت علیھم

کیونکہ راستہ بغیر راہبروں کے طے نہیں ہوتا، اس لئے راہبروں کی ضرورت ہے۔آگے ہے **صراط الذین انعمت علیھم**، کیونکہ راستہ بغیر راہبروں کے طے ہوا ہی نہیں کرتا۔اس لئے راہبروں کی ضرورت ہے۔آگے راہبروں کا ذکر کیا، وہ ہیں نبیین، صدیقین، شہداء، اور صالحین۔اب جو کہتے ہیں کہ ہم صرف نبی ﷺ کی مانتے ہیں، ان کے پاس چوتھائی دین ہے، سب کی ماننی ہے،۔

دین میں دو چیزیں ہیں۔

نمبرا۔علم۔ نمبر۲۔عمل۔

انبیاء اور صدیقین دونوں علمی طبقے ہیں، صدیق وہ ہے جو علم میں نبی کا وارث ہو، شہداء اور صالحین دونوں عمل میں نبی کے وارث ہیں۔شہید کے معنی حاضر ہے وہ حاضر ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں جان سپرد کر دوں گا۔

صلحاء راہبر ہیں، راہنما ہیں، آئمہ مجتہدین صدیقین کی مد میں آتے ہیں، کیونکہ یہ علم میں نبی کے وارث ہیں، اولیاء اللہ صالحین کی مد میں آتے ہیں۔

دین نام ہے **تعمیر الظاهر والباطن** کا، ہمارا ظاہر بھی صحیح ہو اور باطن بھی صحیح ہو۔ پہلی جماعت انبیاء علیھم السلام کی ذکر فرمائی، انبیاء کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بہت ساری صفات سے نوازا ہے لیکن بنیادی صفتیں دو ہی ہیں، باقی سب ان کے پھل اور پھول ہیں۔

بنیادی صفت نمبرا۔ بشیر۔　　نمبر۲۔ نذیر۔

قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں **مبشرا و نذیرا**. اب نبوت ختم ہو چکی ہے، یہ دو جماعتیں نبی ﷺ کی وارث ہیں، صفت نذیر میں فقہاء وارث ہیں،

ولینذرو قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون.

اللہ کا شکر ہے کہ نبوت تو ختم فرما دی، لیکن صفت نذیر میں فقہاء کو انبیاء کا وارث رکھا، اور اولیاء اللہ کو صفت بشیر میں نبی اقدس ﷺ کا وارث رکھا۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں،

الا ان اولیـاء الله لا خـوف عـلیهـم ولاهـم یحزنون
الـذیـن امـنـوا وکـانوا یتقون لهم البشریٰ فی الحیواة الدنیا
وفی الاخرة.

یہ ان صفات میں سے ہے۔

دوسرے انداز میں سمجھیں دین پر چلنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔

نمبرا۔ علم صحیح ملے۔　　نمبر۲۔ ہمت مضبوط ہو۔

علم صحیح فقہاء سے ملتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے، اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کرنے سے۔ اس لئے راہ ہدایت ان لوگوں کی تقلید کے بغیر ممکن نہیں۔ آگے ہے،

غیر المغضوب علیهم ولا الضالین.

جس طرح راستے پر چلنے کے لئے راہبر کی ضرورت ہے اسی طرح راہزن سے بچنا بھی ضروری ہے، راہزن یہ چاہتے ہیں کہ یہ راستے سے ہٹ جائیں۔

وہاں چار باتوں کا ذکر ہے یہاں دو باتوں کا ذکر ہے، کیونکہ ہدایت دو ہی چیزوں میں منحصر ہے یا خود دین کی سمجھ ہو یا جن کو سمجھ ہے ان سے سمجھ لے۔

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید.

یا خود سمجھ ہو یا کان لگا کر دل متوجہ رکھے اور پوری پوری بات سمجھے۔ پہلی جماعت کو مجتہدین کہا جاتا ہے، دوسری کو مقلدین۔

قبر میں جب غیر مقلدوں کی پٹائی ہوگی تو وہاں بھی فرشتہ یہی دو باتیں یاد کروائے گا **لا دریت ولا تلیت.** کیونکہ دو ہی طریقے تھے یا خود دین کی سمجھ ہوتی، یا سمجھداروں کے پیچھے چلتے۔ حضرت نے فرمایا جب میں نے کوہاٹ میں یہ کہا کہ غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ایسی تعزیر ہے کہ باقی تعزیریں موت تک ہوتی ہیں یہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ اس پر کہنے لگا تلیت کا معنی تقلید نہیں ہے، میں نے قسطلانی شرح بخاری اٹھائی اور بخاری کے حاشیہ پر بھی ہے،

ولا اتبعت العلماء باالتقلید فیما یقولون،

وہ جو حاجی سلطان جو بانی مناظرہ تھا وہ بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا تقلید کا لفظ ہے؟ میں نے کہا ہے۔ اس نے دیکھا اور کہا کہ اب آپ مناظرہ جاری رکھیں یا بند کر دیں، مجھ سے نہیں مار کھائی جاتی۔ ایک بوڑھا غیر مقلد کھڑا ہو گیا کہنے لگا کہ قبر میں تو پٹائی ہوگی نکلنے کے بعد آرام آجائے گا؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر کیا ہوگا۔ میں نے کہا پھر روتے ہوئے جا رہے ہوں گے، اور کہہ رہے ہوں گے

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر،

دو ہی راستے تھے ہدایت کے یا تو خود دین کی سمجھ ہو یا کسی سے سن لیتے ،ہمیں نہ خود عقل تھی نہ سنا۔اس لئے میں غیر مقلد کا معنی کیا کرتا ہوں۔نہ عقل نہ موت۔ تو ہدایت کے دو ہی راستے ہیں یا خود سمجھ ہو یا سمجھدار سے سمجھ لے،[گمراہی کی بنیادیں بھی دو ہی ہوتی ہیں]

نمبرا۔بدعت۔ نمبر۲۔الحاد۔

تعریف بدعت۔

بدعت کہتے ہیں غیر دین کو دین سمجھنا۔جو چیز دین میں ثابت نہیں اس کو دین بنالینا۔

تعریف الحاد۔

الحاد بدعت کا الٹ ہے، جو چیز دین میں ثابت ہو اس کا انکار کر دینا۔

بدعت کا فتنہ عام طور پر ان پڑھ لوگوں میں پھیلتا ہے، بدعت کی بنیاد اللہ والوں کی محبت ہوتی ہے، وہ محبت بڑھ جاتی ہے نبی کو خدا بنالیا۔الحاد جو ہے وہ اللہ کی والوں کی شان میں گستاخی سے آتا ہے،کوئی فقہاء کا گستاخ ہو گیا، اس نے فقہ کا انکار کر دیا،کوئی محدثین کا گستاخ ہو گیا اور احادیث کا انکار کر دیا۔ **صراط الذین انعمت علیھم** کے علاوہ جو ہیں ان میں سے کچھ تو گستاخ ہو کر گمراہ ہو جائیں گے، کچھ محبت میں گمراہ ہو جائیں گے۔محبت کی وجہ سے درجہ سے بڑھا دیں گے، **غیر المغضوب علیھم** میں گستاخوں کا ذکر ہے، جو ملحدین ہیں، اللہ کے انبیاء کا انکار کر دیا ان کو قتل کیا، اور ضالین میں عیسائیوں کا ذکر ہے، جنہوں نے محبت میں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہنا شروع کر دیا۔

تو گمراہی کی دو ہی بنیادیں ہیں بدعت اور الحاد۔ یا تو اللہ والوں کی محبت میں حد درجہ بڑھا جائے یا پھر گستاخیاں کرنا شروع کر دے۔ یہ دو بنیادیں ہوتی ہیں۔

بدعت کی مثال۔

بدعت کی مثال میں جڑی بوٹیوں کی ہے، زمیندار صرف گندم بوتا ہے جب وہ اگتی ہے تو

اکیلی نہیں ساتھ کئی قسم کی جڑی بوٹیاں بھی اگ آتی ہیں اور یہ جڑی بوٹیاں سرحد میں اور ہوتی ہیں، پنجاب میں اور ہوتی ہیں، سندھ میں اور ہوتی ہیں، بلوچستان میں اور ہوتی ہیں۔ لیکن گندم ہر جگہ ایک ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح سنت ہر جگہ ایک ہوگی، لیکن بدعتیں ہر علاقے کی الگ الگ ہوتی ہیں۔ وہاں کی جو بدعات ہیں یہاں والے ان کا نام بھی نہیں جانتے۔ یہاں جو بدعات ہیں وہاں والے ان کا نام بھی نہیں جانتے۔

الحاد کی مثال۔

الحاد کی مثال کیڑوں سے میں دیا کرتا ہوں۔ جیسے کوئی کیڑے جڑیں کاٹ ڈالتے ہیں، کوئی پتے، اور کوئی پھل کاٹ ڈالتے ہیں۔ کسی کیڑے کا نام مودودی ہے، کسی کیڑے کا نام عتیق الرحمٰن سنبھلی ہے، کوئی ڈاکٹر اسرار ہے، کوئی کیپٹن عثمانی ہے، کوئی اشاعۃ التوحید والسنۃ ہے۔ کوئی کہتا ہے معراج جسمانی سمجھ نہیں آتی۔ کوئی کہتا ہے حیات النبی ﷺ عقل سے ماوراء ہے کوئی صحابہ کو معیار حق نہیں مانتا۔

جو مسائل دین میں ثابت ہیں ان کا انکار کرنا اس کو الحاد کہتے ہیں۔ اس کے پیچھے اللہ والوں کی گستاخی چھپی ہوئی ہے۔ بدعت میں اللہ والوں کی محبت کا غلو ہوتا ہے، تو یہ دونوں باتیں گمراہی ہیں اللہ والوں کی گستاخی بھی اور ان کی محبت میں غلو بھی۔ اب ان دونوں میں سے تعاقب کس کا کرنا چاہئے، آج کل ہمارے اکثر حضرات اہل بدعت کا تعاقب کرتے ہیں اور اہل الحاد کو چھوڑ دیتے، حالانکہ قرآن پاک میں پہلے **مغضوب علیهم** کا ذکر ہے، جو اہل الحاد ہیں۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ پہلے ہے، اور آل عمران بعد میں ہے، بقرہ ملحدین یہودیوں کے رد میں ہے اور آل عمران بدعتیوں عیسائیوں کے رد میں ہے۔

ویسے بھی ان دونوں گمراہیوں میں سے الحاد والی گمراہی زیادہ سخت ہے، کیوں؟ اللہ والوں سے محبت کا ایک درجہ خود مطلوب ہے،

من احب لله وابغض لله واعطا لله ومنع لله فقد

استکمل الایمان.

اور اللہ والوں کی گستاخی کا کوئی درجہ بھی شریعت کو مطلوب نہیں ہے۔ اگرچہ غلو محبت مطلوب نہیں ہے، لیکن ممکن ہے کہ کسی وقت یہ محبت اعتدال پر آجائے، لیکن گستاخی کا کوئی درجہ مطلوب نہیں۔ اس لئے ملحد کی، گستاخ کی مثال جلی ہوئی روٹی کی ہے، اب اسے جتنا گھی مکھن لگائیں وہ اب درست نہیں ہوسکتی۔ بدعتی کی مثال کچی روٹی کی ہے کہ وہ پک جائے گی اور انسان یا حیوان کے کام آئے گی۔ اس لئے پہلے ملحدوں کا تعاقب کرنا چاہئے۔ آج کل ہمارا طرز الٹ ہے کہ ملحدوں کو ساتھ ملا لیتے ہیں اور بدعتیوں کا تعاقب کرنے لگتے ہیں، ساتھ تو کسی کو بھی نہیں ملانا چاہئے۔

یہ دونوں افراط تفریط کا شکار ہیں ایک ادھر گمراہ ہوا ہے دوسرا ادھر گمراہ ہوا ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت ہیں اور اعتدال پر ہیں۔ یہ دونوں ضدیں ہیں، ایک کہتا ہے دم بدم پڑھو درود حضرت ﷺ بھی ہیں یہاں موجود۔ کسی نے کہا ضد چھوڑ دو، انہوں نے کہا ہم نہیں چھوڑتے۔ ہم بھی ضد کریں گے، کرو، کیا کرتے ہو، کہ روضہ پاک میں بھی موجود نہیں ہیں۔ یہ دونوں ضدیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر جگہ ہے، یہ کہتے ہیں کہ روضہ پاک میں بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا یا بہاء الحق بیڑا دھک، انہوں نے کہا ضد چھوڑ دو ورنہ ہم بھی ضد کریں گے، کرو ضد۔ کہ وسیلہ بھی شرک ہے۔ وسیلے کا انکار کردیا، انہوں نے کہا کہ نذر لغیر اللہ بھی جائز ہے، انہوں نے کہا کہ وسیلہ بھی شرک ہے۔ یہ دونوں ضدیں ہیں۔ ہم علماء اہل سنت چونکہ امۃ وسط ہیں اس لئے یہ دونوں ہمارے دشمن ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ دیوبندی بریلوی ہیں، یہ کہتے ہیں یہ وہابی ہیں۔

یاد رکھو

جہاں بھی بریلویت کا فتنہ پھیلے گا وہاں اشاعۃ التوحید والسنۃ والے ضرور پھیلیں گے۔ جہاں بھی غیر مقلدین کا فتنہ پھیلے گا وہاں ان کی ضد میں انکار حدیث کا فتنہ ضرور پھیلے گا۔ جہاں بھی شیعت کا فتنہ پھیلے گا وہاں خارجیت کا فتنہ ضرور پھیلے گا۔ تو اہل سنت والجماعت نہ خارجیوں کو درست

کہتے ہیں اور نہ رافضیوں کو۔ ہم صحابہؓ کے فضائل اس طرح بیان کریں گے کہ اہل بیت پر حرف نہ آئے، لیکن خارجی کیا کرے گا کہ وہ چندہ تو اس نام پر لے گا کہ میں صحابہؓ کے دفاع میں کام کر رہا ہوں، اور کام سارا اہل بیت کے خلاف کریں گے۔ یہ ضدیں ہیں انتہا پسندی ہے۔ حضرت نے لطیفہ سنایا۔

لطیفہ۔

ہمارا دوست ہے بشیر احمد ہے، بڑا مزاحیہ ہے، مجھے کہنے لگا کہ آج کل جمہوریت کا دور ہے میں تو آج کل مسئلے جمہوریت سے حل کرتا ہوں، کہنے لگا بریلوی بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن و حدیث کو مانتے ہیں، دیوبندی بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں۔ غیر مقلد بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں۔ ان میں سے جس طرف دو ہو جائیں وہ مسئلہ سچا ہوتا ہے، واقعی اصول اس کا صحیح ہے، رفع یدین، آمین، قرأت خلف الامام، میں غیر مقلد اکیلے رہ جاتے ہیں، دیوبندی اور بریلوی دونوں ایک طرف، تو یہ صحیح ہے۔ بدعات میں بریلوی اکیلے رہ جاتے ہیں اور غیر مقلد اور دیوبندی دونوں ایک طرف تو یہ سچا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم اعتدال پر ہیں، ایک ادھر گزر گیا ہے، ایک ادھر گزر گیا ہے، تو گمراہی کی بنیادیں دو ہی ہیں یا تو اولیاء اللہ کی گستاخی کر کے گمراہ ہوگا یا اولیاء اللہ کی محبت میں غلو کر کے گمراہ ہوگا۔ میں عرض کر رہا تھا کہ فاتحہ میں دو ہی مسئلے ہیں۔

نمبر ۱۔ توحید، نمبر ۲۔ تقلید۔

توحید کا تعلق ہے احکام تکوینیہ سے، تقلید کا تعلق ہے احکام تشریعیہ سے۔

تکوینیات۔

تکوینیات ان امور کو کہتے ہیں کہ جن کے کرنے پر آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

مثال نمبر ۱۔

جیسے آپ کھانا کھاتے ہیں اور وہ ہضم ہو جاتا ہے، اب اس ہضم کرنے میں آپ کا کوئی

اختیار نہیں ہے۔

مثال نمبر۲۔

خون آپ کے بدن میں گردش کر رہا ہے، آپ روکنا چاہیں تو نہیں روک سکتے۔

مثال نمبر۳۔

بادل آیا ہوا ہے، لیکن اللہ اگر نہیں چاہیں گے تو بارش نہیں ہوگی، آپ بارش نہیں لا سکتے۔ اور اگر برسنا شروع ہو جائے اور آپ روکنا چاہیں تو آپ روک نہیں سکتے۔

ایسے کاموں کو تکوینیات کہتے ہیں جن میں انسان کو اختیار نہیں ہے۔ اور اس کا تعلق مسئلہ توحید کے ساتھ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

تشریعیات۔

دوسرے وہ کام ہیں جو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے، آپ نے نظر اٹھائی، اس کا کوئی حکم ہے، اگر غلط جگہ اٹھائی یہ نظر حرام ہے، اور اس پر گناہ ہوا۔ اگر صحیح جگہ پڑی قرآن پاک کی تلاوت کی، اللہ والے کی زیارت کی تو یہ جائز ہے اور اس پر اجر ملے گا۔ اگر غلط جگہ پڑی تو گناہ ہوگا

النظر سهم مسهوم من سهام ابليس من تركه من مخافتي ٠٠٠٠٠الخ،

نظر شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو اس کو میرے خوف سے چھوڑ دیتا ہے تو ایسا ایمان دل میں پیدا ہو جائے گا جس کی مٹھاس وہ دل میں محسوس کرے گا۔ اس سے پتا چلا کہ نظر بازی معمولی گناہ نہیں، نظر بازی ایمان کی مٹھاس کو تباہ کر دینے والا گناہ ہے۔ اور تیر بھی اگر زہر کے بغیر ہو تو اس جگہ اثر کرے گا جہاں لگے گا۔ لیکن زہر آلود تیر پورے جسم پر اثر کرتا ہے، اسی طرح نظر زہر والا تیر ہے، پورے جسم پر اس کا اثر پھیل جاتا ہے۔ یہ معمولی گناہ نہیں ہے یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ تو بات تکوینی اور تشریعی کی چل رہی تھی۔ اگر یہ دیوار پر پڑ گئی تو اس کو بھی فقہاء مباح لکھتے ہیں۔ ہم اگر کوئی قدم اٹھائیں گے اس کا بھی حکم شریعت میں ہوگا۔ تو یہ احکام جو

ہمارے اختیار میں ہیں، اور شریعت ان پر کوئی نہ کوئی حکم لگاتی ہے وہ تشریعی ہیں۔ تشریعی احکام میں ہمیں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے۔

دین نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا۔ ظاہر درست ہوتا ہے فقہی احکام پر عمل کرنے سے، فقہاء نے محنت کی ہے ایک ایک بات لکھ دی ہے، کہ یہ فرض ہے یہ سنت ہے یہ مستحب ہے یہ مباح ہے، یہ مکروہ ہے، یہ حرام ہے۔ اور باطن درست ہوتا ہے اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کرنے سے۔ اللہ والوں کی صحبت میں رہنے سے باطن صاف ہوتا ہے۔

الحمدللہ فقہ کے چاروں امام بھی اہل سنت والجماعت میں ہیں اور تصوف کے چاروں سلسلے بھی اہل سنت والجماعت میں ہیں۔ فقہ کے چاروں امام صفت نذیر میں نبی ﷺ کے وارث ہیں۔ یہ چاروں سلسلے نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ صفت بشیر میں نبی ﷺ کی وارث ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ اہل سنت والجماعت کامل نبی ﷺ کی وارث جماعت ہے۔ ظاہر کو درست کرنے کے لئے بھی ان کے پاس کورس ہے اور باطن کو درست کرنے کے لئے بھی ان کے پاس کورس ہے۔ جس طرح یہ پتا چلا اسی طرح یہ بھی پتا چلا کہ غیر مقلد پورے دین کے دشمن ہیں۔ یہ یا تو فقہاء کو بھونکتے ہیں یا صوفیاء کرام کو بھونکتے ہیں۔ غیر مقلد پورے دین کا دشمن ہے، نہ وہ چاہتا ہے کہ کسی کا ظاہر صحیح ہو اور نہ چاہتا ہے کہ کسی کا باطن ٹھیک ہو۔ اس لئے جہاں سے اصلاح ہوتی ہے ان کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔

علم ما کان ما یکون۔

ایک ہے شرعی حکم کہ بکری حلال ہے خنزیر حرام ہے، اب شروع سے لے کر قیامت تک کے خنزیروں کا حکم اس میں آ گیا، جہاں جہاں بھی ہے۔ یہ ہے نبی کا کام کہ وہ بتائے کہ بکری حلال ہے خنزیر حرام ہے، یہ حکم شرعی ہے۔ تکوین کیا ہے، خنزیروں کو پیدا کرنا بکریوں کو پیدا کرنا ان کے لئے رزق کا انتظام کرنا، یہ کتنے ہیں، ان کے اوپر بال کتنے ہیں، انہوں نے آج پانی کتنا پیا ہے؟ انہوں نے آج چارہ کتنا کھایا ہے؟ یہ ساری باتیں تکوینیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ تشریعیات سے

تعلق نہیں رکھتیں۔

ہم اللہ کے نبی پاک ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دین آپ ﷺ پر مکمل ہوگیا، یہ کہتے ہیں کہ وہ خنزیروں کے بال بھی گنتے ہیں کہ وہ کتنے ہیں، وہ ان کے پیشاب کے قطرے بھی گنتے رہتے ہیں کہ کتنا پیشاب کیا ہے، کیا، کیا ہوا ہے، وہ کــــان کو بھی جانتے ہیں کہ شروع میں کہاں، کہاں سے ان کا نطفہ جمع ہوا، اور مـا یـکـون کو بھی کہ مرنے کے بعد ان کے بال کہاں کہاں بکھریں گے، ان کا گوشت کہاں گیا، ہڈیاں کہاں گئیں، پھر ان سے کون سی چیز بنی۔ اس چیز کے بارے میں ہمارا اور ان کا سارا جھگڑا ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں **تبیاناً لکل شیء** سے دین مراد ہے، کہ آپ کو دین کے احکام کی کلیات بتلا دی گئی ہیں، جن سے آپ تشریحات کر کے جزئیات کے احکام خود معلوم فرما لیتے ہیں۔ تکوینیات کا جتنا علم اللہ نے چاہا اتنا آپ کو بتا دیا، یہ اللہ کی مرضی پر ہے۔

مثال۔

ہمیں علم ظاہر کے لئے اللہ نے پانچ حواس دیئے ہیں، ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں، کان سے سنتے ہیں، زبان سے چکھتے ہیں، ہاتھ سے پکڑتے ہیں، ناک سے سونگھتے ہیں۔ یہ اللہ ہی کی عطا ہیں، لیکن اللہ نے ہمارے اختیار میں کر دیا کہ چاہیں تو دیکھیں چاہیں تو نہ دیکھیں، چاہیں تو سنیں چاہیں تو نہ سنیں۔ اس لئے اس کو ذاتی کہتے ہیں، جیسے کہتے ہیں میں نے ذاتی طور پر اس کو دیکھا تو کیسے انکار کرتا ہے۔ میں نے ذاتی طور پر تیری بات سنی ہے تو کیسے انکار کرتا ہے۔ تو یہ ہمارے اختیار میں ہے۔

علم غیب کے مسئلہ میں یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نبی یا ولی کو کوئی چھٹا حاسہ عطا فرماتے ہیں جو اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے علم غیب معلوم کر لے، اب اس کے لئے وحی کی ضرورت نہیں رہی۔ جیسے آنکھ بھی ہو پھر بھی جبرائیل علیہ السلام آ کر کہے کہ یہ عینک ہے، یہ پنسل ہے، یہ پن ہے۔ اب جبرائیل علیہ السلام کا آنا فضول ہوگیا۔ اسی طرح اگر ایسا حاسہ نبی کو مل گیا تو وحی کی ضرورت

نہ رہی۔حاسہ ملنے کے بعد اختیار مل جاتا ہے، پھر وحی الہام کشف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

انباء الغیب کی مثال۔

انباء الغیب کی حیثیت خواب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو ہزار خواب دکھا دیں چاہیں تو ایک بھی نہ دکھائیں۔یہی حال کشف کا ہے، البتہ کشف اور وحی کے درمیان فرق ہوتا ہے کہ کشف ظنی ہوتا ہے اور وحی قطعی ہوتی ہے۔

واقعہ۔

حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور نواب حیدر آباد نماز پڑھنے کے لئے مسجد جا رہے تھے۔نواب صاحب نے سوال پوچھ لیا کہ حضرت یہ کشف کس کی طرف سے ہوتا ہے، فرمایا اللہ کی طرف سے۔پھر پوچھا وحی کس کی طرف سے ہوتی ہے؟ فرمایا وہ بھی اللہ کی طرف سے، نواب صاحب نے کہا پھر وحی قطعی کیوں اور کشف ظنی کیوں؟ جب دونوں ہیں ایک ہی ذات باری تعالیٰ سے ہیں پھر ایک قطعی کیوں دوسرا ظنی کیوں؟ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا نواب صاحب بعض باتیں عوام کی سمجھ سے اونچی ہوتی ہیں ان کو نہیں کرنا چاہئے، چھوڑو ان کو اور باتیں کرو۔اور باتیں شروع ہوگئیں، جب مولانا نے دیکھا کہ اب نواب صاحب کے ذہن سے وہ سوال نکل گیا ہے تو کہا نواب صاحب یہ مسجد یہاں سے کتنے قدم پر ہے، کہنے لگے کہ جی سو قدم ہوگا۔پوچھا کہ ایک سو بیس نہیں ہو سکتے؟ کہا کہ ہو سکتے ہیں۔پوچھا اسی قدم نہیں ہو سکتے؟ کہا کہ اسّی بھی ہو سکتے ہیں۔اندازہ ہی تو ہے۔پھر اور باتیں شروع ہوگئیں جب مسجد کا دروازہ ایک قدم رہ گیا تو حضرتؒ نے پوچھا کتنے قدم ہے یہ دروازہ؟۔نواب صاحب نے کہا ایک قدم، حضرتؒ نے فرمایا دو نہیں ہو سکتے؟ کہا نہیں۔فرمایا نبی اتنے قریب سے دیکھتا ہے اس وجہ سے قطعیت ہوتی ہے، اور ولی دور سے دیکھتا ہے اس لئے اس میں ظنیت آجاتی ہے۔کیونکہ اس میں ولی کا اپنا اندازہ بھی ہوتا ہے، اس اندازے کی وجہ سے اس میں ظنیت آجاتی ہے، یہاں ظنیت بندے کی وجہ سے نہیں، یہ قرب اور بعد ہے، نبی قریب سے دیکھتا ہے۔جیسے شیشے مختلف قسم کے

ہوتے ہیں بعض میں چیز پوری نظر آتی ہے، بعض میں چھوٹی اور بعض میں بڑی۔ اب جو وہ شیشہ ہے اس میں دیکھنے والے کو خود اندازہ لگانا پڑتا ہے کہ جو شیشے میں اتنی موٹی نظر آ رہی ہے اصل میں کتنی ہے۔ فرمایا وحی کا شیشہ وہ ہوتا ہے جس میں اتنا ہی نظر آتا ہے جتنا ہوتا ہے، اس میں اندازہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور کشف کا شیشہ چھوٹا بڑا دکھاتا ہے، اس کے بعد اندازہ خود لگانا پڑتا ہے کہ اصل میں چیز بڑی ہوگی یا چھوٹی۔

بریلویوں کے نزدیک شیخ الحدیث اور جادو گر برابر ہیں۔

ایک شیخ الحدیث صاحب ہیں حدیث پڑھا رہے ہیں، ایک جادوگر ہے، کیا دونوں کا مرتبہ برابر ہے؟ دیوبندی ان دونوں کو کبھی برابر نہیں کہے گا، اور بریلوی ان کو برابر مانے گا وہ کہے گا کہ جادو بھی علوم نبوت **علم ما کان و ما یکون** میں داخل ہے، اس لئے شیخ الحدیث بھی علوم نبوت بتا رہا ہے، اور جادوگر بھی علوم نبوت بتا رہا ہے۔ اتنا فرق تو ہو جائے گا کہ جیسے سورۃ یٰسین بھی قرآن ہے سورۃ تغابن بھی قرآن ہے، اگرچہ فرق ہے، لیکن قرآن ہونے میں برابر ہیں، اسی طرح حدیث یہ بھی علوم نبوت میں سے ہے اور جادو بھی (ان کے ہاں)۔ اس لئے ہم پوچھتے ہیں کہ جادو بھی علوم نبوت میں سے ہے تو حدیث کے مدرسہ میں چندہ دینا اور جادو کے مدرسہ میں چندہ دینا برابر ثواب رکھتا ہوگا یا فرق ہوگا۔ کیونکہ وہ جادوگر بھی تو علوم نبوت پڑھا رہا ہے اور آپ بھی علوم نبوت پڑھا رہے ہیں۔ جتنا ادب شیخ الحدیث کا ہوگا اتنا ہی جادوگر کا ہوگا۔ لیکن یہ بھی مانتے ہیں کہ اتنا نہیں ہے۔

یہ تشریعی اور تکوینی کا فرق ہم کہتے ہیں کہ شریعت کا تمام علوم نبی ﷺ کو بتا دیئے گئے، بلکہ ان کے قواعد بھی بتا دیئے گئے، لیکن جو غیبی ہیں **وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ پ۷۔ ۵۹ رقم آیت** جس کے ہاتھ میں چابی ہو اختیار اس کا ہو جاتا ہے، اس لئے غیب کا اختیار نہیں دیا گیا، اس کے کلیات نہیں بتائے گئے، ہاں جزئیات بتائے گئے اور جزئیات بھی ایسے

جیسے نابینا کو بتا دیا جاتا ہے کہ آگے دروازہ ہے ایسے کیونکہ اس کے پاس اصل حاسہ موجود نہیں ہے۔

دلیل۔

دلیل مدعی کے ذمے ہے، دلیل خاص کا مطالبہ کرنا قطعاً غلط ہے، دلیل خاص کا مطالبہ کرنا اسی نے سارے مناظرے خراب کئے ہیں۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے ایک حدیث ایسی پیش کرو جس میں آسمان کا لفظ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیئے گئے ہیں۔

واقعہ۔

غیر مقلدین کا مدرسہ جامعہ محمدیہ ہے وہاں ان کا قادیانیوں سے مناظرہ ہو گیا، انہوں نے اسی طرح شرط لگائی جیسے یہ لگاتے ہیں کہ آسمان کا لفظ ہو کہ آسمان پر اٹھائے گئے تین دن مناظرہ ہوتا رہا، آخر ان کا شیخ الحدیث حضرت رئیس المناظرینؒ کے پاس آیا کہ یہ شرط پوری ہو سکتی ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہو سکتی ہے، کہنے لگا مرفوع حدیث مل جائے گی؟ حضرتؒ نے فرمایا مل جائے گی۔ کہنے لگا کہاں؟ حضرت نے فرمایا زمخشری نے کشاف میں **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** کے تحت ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ یہودی، عیسائی اور مسلمان آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ کون سے نبی افضل ہیں، یہودی کہیں موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں، عیسائی کہیں عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں، ان کو اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا، تو حضرت ﷺ نے ساری بات سنی اور پھر فرمایا کہ اللہ نے یہ افضلیت والی شان مجھے دی ہے کہ پوری کائنات کا نبی بنایا ہے۔ اب آنحضرت ﷺ نے سن کر تردید نہیں فرمائی۔ تو حدیث بن گئی، یہ حدیث کشاف میں موجود ہے اور زمخشری نے لکھی ہے، اور زمخشری وہ آدمی ہے جس کے متعلق مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ اس کے سامنے چوں چراں کرنے کی گنجائش نہیں، جب مرزائیوں کا نبی اس کے سامنے چوں چراں نہیں کر سکتا تو کسی اور کو

چوں چراں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس پر وہ بڑا خوش ہوااور جا کر مناظرہ جیتا۔

اس قسم کی شرطیں مرزا قادیانی لگاتا تھااب یہ غیر مقلدین لگانے لگے ہیں کہ جوالفاظ ہم کہتے ہیں یہ ضرور اللہ کے نبی ﷺ سے کہلواؤ۔یہ اس وقت مناظروں کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔

حکم۔

مدعی کی تعریف میں حکم کا لفظ آیا ہے،اور سائل کی تعریف میں بھی یہ حکم ہی اصل چیز ہے مناظرہ میں۔یہ بات بھی یادرہے کہ حکم سے سارے گمراہ فرقے ڈرتے ہیں،غیر مقلدین اب اتنے تنگ آچکے ہیں کہ وہاڑی میں اٹھارہ گھنٹے بیٹھے رہے ہم کہتے رفع یدین سنت ہے؟ کہتے ہم سنت نہیں لکھتے،ہم کہتے کہ یہ لکھو کہ سنت نہیں ہے،کہتے یہ بھی نہیں لکھتے،اب وہ اتنا کیوں ڈرر ہے تھے؟اس کی وجہ یہ تھی آگے آرہا ہے کہ مفردات کی تعریف بھی کروائی جائے۔اب وہ سنت کی تعریف کیسے کرتے؟ کیونکہ ان کوسنت کی تعریف آتی ہی نہیں۔

پسرور میں مناظرہ تھا انہوں نے لکھا آٹھ رکعت تراویح کی نماز سنت ہے۔حضرتؒ نے فرمایا سنت مؤکدہ کی تعریف کریں،اور تراویح کی تعریف کریں۔لیکن وہ امتیوں کی کتاب سے چوری کی ہوئی نہ ہو،صرف قرآن وحدیث سے ہو ورنہ آپ کو پتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔اس نے سنت کی تعریف کی

السنة ما واظبه النبی ﷺ بنفسه.

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلے تو یہ کہ یہ فتح القدیر سے چوری کی ہے، پھر یہ کہ یہ تعریف بھی ایسی ہے کہ واقعی علامہ ابن ھمامؒ نے یہ تعریف کسی زمانے میں کی تھی لیکن پھر انہیں اس کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنی کتاب میں اس کا رد کر دیا۔ویسے بھی یہ غلط ہے،اس لئے کہ تعریف کا جامع مانع ہونا ضروری ہے،تعریف کے دو حصے ہوتے ہیں۔

نمبرا۔جنس۔ نمبر۲۔فصل۔

جنس سے جامعیت آتی ہے،فصل سے مانعیت آتی ہے۔یہ تعریف نہ جامع ہے نہ مانع

ہے۔ وہاں چونکہ عوام تھی اس لئے ان کو سمجھانے کے لئے حضرت نے پوچھا کہ پانچ وقت نماز سے پہلے آذان سنت مؤکدہ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، حضرت نے فرمایا اس کی تعریف سے اذان اور اقامت سنت مؤکدہ نہیں رہی، کیونکہ تعریف یہ ہے کہ جو کام خود حضرت اقدس ﷺ نے فرمایا۔ نبی اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ بھی اذان نہیں کہی نہ اقامت کہی۔ اس نے جو تعریف کی ہے کتنی غلط ہے کہ اذان اور اقامت سنت مؤکدہ نہیں رہی۔ نبی اقدس ﷺ نے فرض ہمیشہ پڑھے ہیں، تو وہ بھی سنت مؤکدہ میں داخل ہو گئے؟ یہ تعریف جامع رہی نہ مانع رہی۔

مولانا عبدالجلیلؒ صاحب پشاور میں گذرے ہیں ان کی ایک کتاب سیف المقلدین بھی ہے۔ اس میں انہوں نے ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلا غیر مقلد پشاور میں محمد صدیق ہے جو مولانا نذیر حسین دہلوی کا شاگرد ہے وہ رات دن فقہاء کے خلاف بولتا تھا۔ میں نے دو چار طالب علم بھیج دیئے کہ اس سے سنت کی تعریف اور فرض کی تعریف پوچھنا۔ لڑکوں نے چٹ لکھ کر بھیجی کہ سنت اور فرض کی تعریف کریں، اس نے تعریف کی فرض وہ کام ہے جس کا کرنا ضروری ہو، سنت وہ کام ہے جس کا کرنا ضروری نہ ہو۔ پھر اس نے کہا کہ بعض لوگ سنتوں کو بھی فرض سمجھتے ہیں ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ یہ دین میں تحریف ہے۔ فرض اور سنت کا فرق ہے۔

اب یہ بھی طالب علم تھے، ایک نے پوچھا کہ داڑھی رکھنا فرض ہے یا سنت ہے؟ کیوں کہ جب سے رکھی ہے پوچھا ہی نہیں کہ کدھر جارہی ہے، اگر فرض ہے تو اس کا ثبوت دیں، اگر سنت ہے تو ایک ہفتہ رکھا کریں ایک ہفتہ کٹوا دیا کریں۔

دوسرا طالب علم ذرا ہوشیار تھا اس نے حدیث لکھی **النکاح من سنتی** کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نکاح میری سنت ہے، لیکن آپ نے جب سے نکاح کیا ہے بیوی فرض بنا کر ساتھ رکھی ہوئی ہے، ایک ہفتہ آپ رکھا کریں ایک ہفتہ ہمیں دے دیا کریں تا کہ دین میں تحریف نہ ہو۔

بدعتی مولوی کا تعریف نہ کرسکنا۔

حضرت اوکاڑویؒ کے سکول میں ہیڈ ماسٹر کسی زمانے میں بریلوی تھا۔ تو ایک بریلوی

مولوی صاحب اپنا بچہ داخل کروانے کے لئے آئے، جب اس نے حضرتؒ کو دیکھا تو دیکھتے ہی غصے سے نیلا پیلا ہونا شروع ہوگیا، ہیڈ ماسٹر سے پوچھنے لگے کہ یہ آپ کے پاس پڑھاتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ اس مولوی نے کہا کہ یہ سنّی نہیں ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے حضرت کو بلا لیا، کہ یہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ آپ سنی نہیں ہیں۔ یہ صحیح کہتے ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ بالکل صحیح کہتے ہیں، کیونکہ یہ تو اس کو پتا چلتا ہے کہ یہ سنی ہے یہ نہیں ہے جس کو تعریف آتی ہو۔ اس کو سنت کی تعریف ہی نہیں آتی۔ حضرتؒ نے فرمایا سنت کی تعریف کرو، کہنے لگا تو فرض کی تعریف لکھ۔ حضرت نے فرض کی تعریف لکھ کر ہیڈ ماسٹر کی جیب میں ڈال دی، اور کہا کہ مولوی غلام علی (اوکاڑہ کا مشہور بریلوی مولوی) کے پاس جانا اور پوچھ لینا کہ یہ تعریف صحیح ہے یا غلط۔ پھر فرمایا اب مولوی صاحب سے کہو کہ سنت کی تعریف کریں۔ اب اسے سنت کی تعریف آئے تو لکھے، حضرت نے فرمایا ہیڈ ماسٹر صاحب میری بات سچی ہوگئی ہے، اس کے کہنے کا اعتبار نہیں جس کو سنت کی تعریف ہی نہیں آتی اس کو کیا پتا سنی کون ہے کون نہیں۔ اب مولوی بڑا پریشان ہوا بات بدل کر کہنے لگا یہ درود کے منکر ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا ہیڈ ماسٹر صاحب ہم ہر التحیات میں درود شریف پڑھتے ہیں، کون کہتا ہے کہ منکر ہیں۔ ویسے بھی میں تین تسبیحات صبح، تین شام درود شریف کی پڑھتا ہوں۔ مولوی کہنے لگا کھڑے ہو کر نہیں پڑھتے۔ حضرتؒ نے فرمایا جنازہ میں کھڑے ہو کر بھی پڑھتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا نماز میں درود آپ بھی پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں، جنازے والا بھی دونوں پڑھتے ہیں، تو اس درورد کے بارے میں فقہ میں لکھا ہے کہ سنت ہے، جو اذان سے پہلے ہے اس کا حکم بتائیں کہ وہ فرض ہے، واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے، کیا ہے؟

اب تو وہ پریشان ہوگیا کہ اگر فرض کہتا ہوں تو یہ فرض کی تعریف پوچھ لے گا اگر واجب کہتا ہوں تو یہ واجب کی تعریف پوچھ لے گا، اگر سنت یا مستحب کہتا ہوں تو یہ سنت یا مستحب کی تعریف پوچھ لے گا۔ وہ مجھے آتی نہیں۔ آخر بڑا سوچ کر کہا مباح ہے، تا کہ اباحت اصلی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

حضرتؒ نے فرمایا ہیڈ ماسٹر صاحب کو مباح کی تعریف نہیں آتی ذرا تعریف فرمادیں کہ مباح کسے کہتے ہیں۔ کہنے لگا کہ آپ ہی کردیں تعریف۔ حضرتؒ نے فرمایا چلو میں ہی مباح کی تعریف کردیتا ہوں۔ فرمایا ہیڈ ماسٹر صاحب مباح ایسے کام کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب نہ ہو اور چھوڑنے پر گناہ نہ ہو۔ جیسے کتوں کا شکار کھیل لینا، گدھے کی سواری کر لینا۔ ایسی باتوں کو مباح کہتے ہیں، کوئی ثواب ملتا ہے گدھے پر سواری کرنے سے؟ کوئی ثواب ملتا ہے، کتوں سے شکار کھیلنے پر؟ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ اچھا یہ مباح ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا بالکل۔ پھر حضرت نے فرمایا آپ کو پتا چلا کہ مولوی صاحب نے کیا کہہ دیا ہے، مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز میں درود شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، جنازے میں درود شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کا ثواب ہی نہیں ملتا۔ یہ ہے درود کا اصل گستاخ اور منکر اور منکر کہتا ہے کہ نبی ﷺ پر درود پڑھنے کا ثواب ہی نہیں ملتا۔ اب مولوی اٹھ کر بھاگے کہ یہ بڑا چکر باز ہے، اس نے مجھے چکر میں ڈال دیا ہے۔

غیر مقلد اور بریلوی کا واقعہ۔

ایک مرتبہ ایک غیر مقلد اور بدعتی کی آپس میں بحث ہوگئی۔ وہ کہے قل خوانی جائز ہے، چالیسواں جائز ہے یہ کہے ناجائز ہے۔ اتفاق سے حضرتؒ بھی پہنچ گئے غیر مقلد نے کہا جان چھڑانے کے لئے کہ امین صاحب آگئے ہیں اس لئے وہ بات کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا دونوں جاہلانہ باتیں کر رہے تھے۔ اب علمی طور پر بات ہوگی۔ حضرتؒ نے فرمایا مولوی صاحب یہ فرمائیں کہ تیجا ساتواں، چالیسواں، فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، یا مستحب ہے۔ بریلوی مولوی نے کہا کہ مباح ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مباح پر تو ثواب نہیں ملتا ایصال ثواب کیا ہوگا۔ مباح پر تو ثواب ہی نہیں ملتا، جس پر آپ کو ہی ثواب نہ ملا آگے کیا پہنچا۔ معلوم ہوا کہ یہ غلط ہے، ثواب والا کام کرو جس پر ثواب ملے۔

احکام شریعت میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ میاں بیوی بنیت صالحہ ایک دوسرے کے

فرج وذکر کو ہاتھ لگائیں تو یہ موجب ثواب ہے۔ دیکھو یہاں ثواب تو ملتا ہے، کہ میاں بیوی ثواب کمائیں اور آپ اعلیٰ حضرت کو بخشتے رہیں تو یقیناً پہنچے گا۔ تیجا، چالیسواں پر خود آپ کو تو ثواب ملا نہیں آگے کیا پہنچے گا، یہ کام ہے ثواب پہنچانے کا۔

جو بھی غلط فرقہ ہے وہ حکم بیان نہیں کر سکتا۔ جبکہ مناظرہ میں اصل چیز حکم ہے۔ اس کے بغیر مناظر کا دعویٰ مکمل ہوتا ہی نہیں۔ اسی لئے اصول مناظرہ میں حکم پر زور دیا گیا ہے۔ جتنے بھی گمراہ فرقے ہیں وہ حکم سے گھبراتے ہیں۔

مجتہدین کا احسان۔

سارے مناظرے کا دارومدار حکم پر ہے اور اس میں سب سے زیادہ کام مجتہدین نے کیا ہے کہ ایک ایک چیز کا حکم بیان فرما دیا ہے۔ آپ کتاب کھولیں بخاری، مشکوۃ اس میں وضوء کا طریقہ ہوگا، وہی طریقہ تعلیم الاسلام میں بھی ہوگا، لیکن اس میں ایک چیز زائد ہوگی کہ ہر مسئلہ کے ساتھ یہ وضاحت ہوگی کہ اس کا حکم کیا ہے۔ چہرہ دھونا فرض ہے، کلی کرنا سنت ہے، یہ فرض سنت کے احکام حدیث میں نہیں ملتے۔ فقہاء نے ایک ایک حکم کی وضاحت کی ہے، مناظرے میں دعوے میں حکم کا لکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جب تک یہ نہ لکھے کہ رفع یدین سنت مؤکدہ ہے یا سنت ہے یا جو حکم بھی ہو وہ نہ لکھے اس وقت تک دعویٰ مکمل نہ ہوگا۔ جب دعویٰ ہی مکمل نہ ہوگا تو دلیل کس پر ہوگی۔ لہذا ہر حکم کی مناظر کو تعریف بھی آنی چاہئے تا کہ آسانی سے بات چل سکے۔ اب چند مشہور چیزوں کی تعریفات نقل کی جاتی ہیں۔

المناظرہ۔

لغة من النظير او من النظر بالبصيرة واصطلاحا هى النظر بالبصيرة من الجانبين فى النسبة بين الشيئين اظهارا للصواب.

(کتاب التعریفات جرجانی ص ۱۵۷)

المناظرہ۔

توجه المتخاصمين فى النسبة بين الشيئين اظهار ا للصواب.

(رشیدیہ ص ۹)

علم المناظرہ۔

هو علم يعرف به كيفيته اداب اثبات المطلوب اونفيه او نفى دليله مع الخصم.

(رشیدیہ ص ۷)

المدعی۔

من لا يجبر على الخصومة.

المدعیٰ علیہ۔

من يجبر عليها.

(کتاب التعریفات ص ۱۳۹)

مجادلہ۔ هی المنازعہ۔ لا لاظهار الصواب بل لالزام الخصم (رشیدیہ)

مکابرہ۔

المكابرة هى المنازعة فى المسئلة العلمية لا لاظهار الصواب بل لا لزام الخصم.

(ص ۱۵۴ کتاب التعریفات)

فن مناظرہ میں مدعی کی تعریف یہ ہے۔

من نصب نفسہ لاثبات الحکم بالدلیل اوالتنبیہ ۔ (رشیدیہ ص۱۴۔)

الدعویٰ. ما یشتمل علی الحکم المقصود اثباته بالدلیل.

(رشیدیہ ص۱۶)

السائل۔

من نصب نفسه لنفیه. (دعویٰ)

(رشیدیہ ص۱۶)

الدلیل۔

هو مرکب من قضیتین للتأدتی الی مجهول نظری.

(رشیدیہ ص۱۹)

الحکم۔

هو فی الاصطلاح خطاب الله تعالیٰ المتعلق بافعال المکلفین اقتضاءً او تخییرا وقد یطلق علی ما ثبت منه کالوجوب والحرمة وغیرهما.

(نورالانوارص)

التقریب۔

سوق الدلیل علی وجه یستلزم المطلوب.

(ص۲۲۔)

الملازمہ۔

هو كون الحكم مقتضياً للاخرىٰ

(ص ۲۴)

المنع۔

طلب الدليل على مقدمة معينة.

(ص ۲۵)

المقدمہ۔

ما يتوقف عليه صحة الدليل.

(ص ۲٦)

السند۔

ما يذكر لتقوية المنع.

(ص ۲٦)

النقض۔

ابطال الدليل بعد تمامه متمسكا بشاهد يدل على عدم استحقاقه للاستدلال به وهو استلزامه فساداً او بدعوىٰ التخلف او لزوم محال.

(ص ۲۷)

المعارضة۔

اقامة الدليل على خلاف ما اقام الدليل عليه الخصم

(ص۳۰۔)

الشاہد۔

ما یدل علی فساد الدلیل للتخلف او لاستلزامه محالاً.

(ص۲۶۔)

دلیل۔

دلیل یا وحی ہوگی یا وحی سے استنباط، پھر وحی اگر متلو ہے تو کتاب اللہ غیر متلو ہے تو سنت اور اگر مستنبط ہے تو اگر سب کا اتفاق ہے تو اجماع ورنہ اجتہاد۔

(نورالانوار ص ۷-۶)

السنۃ۔

والسنة عبارة عن الطريقة المسلوكة المرضية فى باب الدين سواء كانت من رسول الله ﷺ او من الصحابة.

(اصول الشاشی ص ۱۰۴)

اجماع۔

هو فى اللغة الاتفاق وفى الشريعة اتفاق مجتهدين صالحين من امة محمد ﷺ فى عصر واحد على امر قولى او فعلى.

(نورالانوار ص ۲۲۳)

القیاس۔

فی اللغة التقدیر وفی الشرع تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلة.

(نورالانوار ص۲۸،۲۹)

الفرض۔

وهی ما لا یحتمل زیادة ولا نقصانا ثبتت بدلیل لا شبهة فیه.

(نورالانوار ص۱۷۰)

الواجب۔

وهو ما ثبت بدلیل فیه شبهة

(ایضاً)

السنة۔

هی الطریقة المسلوکة فی الدین.

(ایضاً)

النفل۔

هو ما یثاب المرأ علی فعله ولا یعاقب علی ترکه.

(ص۱۷۱)

مزید تفصیل یہ ہے کہ احکام کی چار انواع ہیں۔

(۱) اس حکم کا منکر کافر ہوگا یا نہیں، پہلے کو فرض کہتے ہیں، اگر کافر نہ ہوگا تو اس حکم کے

ترک پر عذاب ہوگا یا نہیں، اگر عذاب ہوگا تو واجب، اگر عذاب نہ ہو تو تارک مستحق ملامت ہوگا یا نہیں، اگر مستحق ملامت ہوگا سنت ہے ورنہ نفل اور حرام فرض میں اور مکروہ واجب میں داخل ہے۔

(نور الانوار ص ۱۷۰)

لزوم کا ثبوت قطعی ہوگا یا ظنی ہوگا اول فرض ہے دوم واجب، یا بلا لزوم عمل ہوگا اگر مواظبت ہے تو سنت، ورنہ نفل۔

نمبر ۱۔

فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر اور بلا عذر تارک فاسق ہے۔

(نور الانوار ص ۱۷۰)

نمبر ۲۔

واجب وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو جیسے عام مخصوص منہ البعض یا مجمل یا خبر واحد ہے۔ اسکا منکر کافر نہیں، تارک فاسق ہے۔

تعریف علم حدیث۔

هو علم يبحث فيه ما نسب الى رسول الله ﷺ قولا و فعلا و تقريرا و صفة.

تعریف حدیث۔

عوام میں تعریفات آسان لکھوانی چاہئیں۔ اکثر تعریفات تعلیم الاسلام میں آجاتی ہیں، فرض واجب وغیرہ کی۔ تعریف لکھ کر کہیں کہ ہم نے تعریف لکھ دی ہے اگر یہ کسی حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث لکھ دیں جو اس کے خلاف ہو۔ آپ بھی کوئی تعریف قرآن و حدیث سے لکھیں۔ اس کے لئے یہ نقارہ موت ثابت ہوگا۔

اس لئے جو باطل فرقہ ہے وہ سرے سے مناظرہ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ مناظرہ تب شروع

ہوگا جب دعویٰ واضح ہوگا۔ دعویٰ تب واضح ہوگا جب اس میں حکم ہو اور حکم کی تعریف ہو۔ یہ ان کے لئے صور اسرافیل سے کم نہیں۔

بریلوی کو اگرچہ فقہ سے حکم تو معلوم ہے اور تعریف بھی، لیکن بدعت کا حکم وہ کہاں سے لکھیں۔ کیونکہ وہ جو حکم بھی لگائیں گے اس کو تعریف کے مطابق ثابت کرنا یہ ان کے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوگا۔ ان کو تو حکم معلوم ہی نہیں، ان کو معلوم ہے۔

اس لئے غیر مقلد کی دو قسمیں ہیں۔

نمبر۱۔ لامذہب غیر مقلد۔ نمبر۲۔ بدمذہب غیر مقلد۔

لامذہب غیر مقلد وہ کوئی مذہب مانتا ہی نہیں، بریلوی بدمذہب غیر مقلد ہے۔ مذہب تو مانتا ہے لیکن ساتھ بدعات کی آمیزش بھی کر دیتا ہے۔ نماز کے درود میں بریلوی اہل سنت والجماعت ہے، جنازے کے درود میں سنی ہے، لیکن اذان سے پہلے کے درود میں وہ بالکل غیر مقلد ہے۔ کیونکہ اس کو وہ مذہب حنفی سے بالکل ثابت نہیں کر سکتا۔ تو غیر مقلدین کی دو قسمیں بنیں۔

نمبر۱۔ لامذہب غیر مقلد۔ نمبر۲۔ بدمذہب غیر مقلد۔

نمبر۷۔

ساتویں بات ہے احکام کی تعریفیں۔ ہم کسی کو جب دیکھتے ہیں مثلاً زید کو دیکھ لیا یا بکر کو، تو اس سے ایک نقشہ ذہن میں بنتا ہے اس کو علم کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

نمبر۱۔ تصور۔ نمبر۲۔ تصدیق۔

انسان کی شکل ذہن میں ہے، یہ تصور ہے کہ یہ انسان ہے، گھوڑے کا تصور کہ یہ گھوڑا ہے۔ اگر حکم بھی ساتھ ہو کہ انسان بیٹھا ہے، اس کو تصدیق کہتے ہیں۔ جب اپنا تصور دوسرے کو سمجھانا ہو تو تعریف کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور تصدیق دوسرے کو منوانی ہو تو دلیل کے ذریعے منواتے ہیں۔ سارے علم کا خلاصہ دو چیزیں نکلتی ہیں۔

نمبر۱۔تعریف یاد ہونی چاہئے۔
نمبر۲۔دلیل پر عبور حاصل ہو۔

تعریف۔

تعریف کے لئے جامع اور مانع ہونا ضروری ہے۔اس لئے وہ وہ دوحصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

نمبر۱۔جنس۔ نمبر۲۔فصل۔

مثال۔

جیسے انسان کی تعریف، حیوان ناطق ہے۔گھوڑے کی تعریف حیوان صاحل۔گدھے کی حیوان ناہق سے کرتے ہیں۔جنس سے جامعیت آتی ہےاور فصل سے مانعیت آتی ہے۔

مثال۔

جن کاموں کا کرنا شریعت میں نہایت ضروری ہے ان کا ثبوت اگر قطعی ہوتو فرض اور ظنی ہوتو واجب کہتے ہیں۔اب اس تعریف میں ضروری ہونا جنس کے درجہ میں ہےاور ظنی یا قطعی ہونا فصل کے درجہ میں ہے۔

مثال۔نمبر۲۔

نبی اقدس ﷺ خاتم الانبیاء نے جن افعال کی ترغیب دی اگر ان میں سے کسی پر مواظبت فرمائی تو اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور اگر مواظبت نہ فرمائی ہو تو سنت غیر مؤکدہ۔جیسے فجر کی سنتیں آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور عصر کی کبھی کبھار۔اب ان میں ترغیب دینا اور آپ ﷺ کا کرنا بمنزل جنس کے ہےاور مواظبت ہونا یا نہ ہونا یہ بمنزل فصل کے ہے۔سنت مؤکدہ کی تعریف میں مواظبت کا ہونا بمنزل فصل کے ہےاور سنت غیر مؤکدہ کی تعریف میں عدم مواظبت بمنزل فصل کے ہے۔

نوٹ۔

مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں، اور اختلافات بھی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ بات اگر چہ پہلے گذر چکی ہے مگر قند مکرر کے دوبارہ ذکر کی جاتی ہے۔

نمبرا۔

وہ عقائد ہیں جو تواتر سے چھپلے، مسلمان تو مسلمان عام کافر جو مسلمانوں میں بستے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ مسلمان اپنے نبی ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں۔ پانچ نمازیں دن رات میں فرض مانتے ہیں ایسے عقائد کو ضروریات دین کہا جاتا ہے، ان سب کو ماننے کا نام ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار یا اس کی باطل تاویل کرنا کفر ہے۔

انکار کی مثال۔

جیسے کوئی یہ کہے کہ میں حضور ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ تو یہ آدمی کافر ہے۔

تاویل باطل کی مثال۔

کوئی کہے کہ میرا ایمان ہے کہ رسول اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں، لیکن خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے نبیوں کی مہر۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے نبی تو خود بنائے تھے اب وہ مہر حضور اقدس ﷺ کو دے دی کہ جس کو چاہیں مہر لگا کر نبی بنا دیں۔

مرزا قادیانی حقیقت الوحی میں لکھتا ہے، ہمارے پیغمبر خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کی روحانی توجہ نبی تراش ہے۔ اب بجائے آخری نبی کا معنی کرنے کے کتنا معنی بدل دیا۔ اس کو تاویل باطل کہتے ہیں۔

مثال دوم۔

مولانا رومؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی ایک پیر کا بیعت ہو گیا، وہ پیر کیا پیڑ (پنجابی میں پیڑ درد کو کہتے ہیں) تھا، مرید کی بیوی کسی مولوی صاحب کی بیٹی تھی، اب پیر صاحب

کے ساتھ مریدین کی فوج ظفر موج بھی تھی اور آ کر اس کے گھر براجمان ہو گئے، وہ بے چاری سارا دن کھانا پکاتی تھک جاتی۔ اب پیر صاحب کھا پی کر ڈکار پر ڈکار مارتے اور نماز کا نام تک نہ لیتے۔ مرید کی بیوی نے کہا کہ پیر اچھا ہے روٹیاں پھاڑ رہا ہے لیکن نماز کا نام تک نہیں لیتا۔ مرید نے کہا حضرت جی گھر والوں کو شکایت ہے کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ پیر صاحب فوراً سمجھ گئے کہ عورت دیوبندی ہے، فوراً بڑے دھڑلے سے گویا ہوئے کہ میں نماز مکہ اور مدینہ میں پڑھتا ہوں۔ مرید نے گھر آ کر ڈانٹا کہ تجھے کیا معلوم پیر صاحب تو نماز مکہ اور مدینہ جا کر پڑھتے ہیں مریدنی نے کہا کہ نماز اگر مکہ مدینہ جا کر پڑھتے ہوں تو کیا وہاں کا کھانا حرام ہے؟ کھانا بھی وہاں ہی کھا لیا کریں۔ لوگ تو ترستے ہیں کہ مکہ مدینہ کا کھانا نصیب ہو، یہ عجیب ہے کہ سلام پھرتے ہی بھاگ کر روٹیاں پھاڑنے یہاں آ کھڑا ہوتا ہے۔ اب پیر صاحب نے سوچا کہ مرید کی بیوی کی عقیدت خراب ہو رہی ہے۔ اسے درست کرنا چاہئے چنانچہ دو چار مرید بھیج دیئے کہ میرے گھر جا کر اتنے بجے جھونپڑی کو آگ لگا کر بجھا دینا، اب یہاں جب وہ وقت ہوا تو شور مچا دیا کہ جلدی کرو بالٹی میں پانی لاؤ۔ پانی سے چھینٹے مار رہا ہے لوگوں نے پوچھا کہ خیر ہے کہا گھر جھونپڑے کو آگ لگ گئی ہے وہ بجھا رہا ہوں۔ پانچ سات مریدین گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گئے تو کیا دیکھا کہ واقعی آگ لگ کر بجھی ہوئی تھی اب بہت زیادہ اثر ہوا، کہ پیر صاحب تو پہنچی ہوئی سرکار ہیں، کہ کہاں تک نظر گئی ہے اب وہ مرید تو اپنی بیوی کے درپے ہو گیا تو خواہ مخواہ پیر صاحب کو نہیں مانتی دیکھو ہمارے پیر صاحب اتنی پہنچی ہوئی سرکار ہیں۔

اب وہ بھی آخر مولوی صاحب کی بیٹی تھی رات کو جب کھانا بھیجا تو چینی نیچے ڈال دی، چاول اوپر ڈال دیئے۔ اب حضرت جی بیٹھے ہیں کہ چینی لاؤ، کہنے لگی کہ بھیجی ہوئی ہے، پیر صاحب نے کہا کہ کہاں بھیجی ہے؟ دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو مرید کو گھر والی پر غصہ آ گیا، کہ تو کہتی ہے کہ چینی بھیج دی ہے وہاں تو نہیں۔ تو وہ پھر کپڑے دھونے والا ڈنڈا لے کر آئی اور آ کر حضرت کے ایک رسید کیا کہ آگ بارہ میل سے نظر آ گئی تھی یہ چینی نیچے ہے یہ نظر نہیں آ رہی۔

اب پیر صاحب نے سوچا کہ یہاں سے جانا ہی اچھا ہے، صبح تیاری ہوگئی جاتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ یہ جو ظاہری نماز ہوتی ہے یہ تو لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوتی ہے، بس اصل نماز دل کی نماز ہے، ہم تو چوبیس گھنٹے نماز میں رہتے ہیں، ظاہر میں نمازی ہونا ضروری نہیں۔ باطن میں نمازی ہونا ضروری ہے۔ جب عورت نے یہ بات سنی تو اس نے لڑکے کو بھیجا کہ حضرت آج جا رہے ہیں حضرت کو کہنا کہ بھینس کو دم کرتے جائیں، پیر صاحب خوش ہوگئے کہ چلو کچھ اعتقاد جم گیا ہے۔ کہا کہ لاؤ بھئی کہاں ہے بھینس؟ کہا گیا کہ جی ذرا باہر نکلیں۔ باہر نکلے تو سامنے گدھا کھڑا تھا، پیر صاحب نے کہا کہ دم بھینس کو کرنا ہے کہ گدھے کو؟ یہ تو گدھا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ جی امی کہ رہی ہیں کہ یہ اگرچہ باہر سے گدھا ہے یہ اندر سے بھینس ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ جو باہر سے گدھا ہے وہ اندر سے بھی گدھا ہوگا۔ لڑکے نے کہا کہ پھر امی کہہ رہی ہیں جو باہر سے بے نمازی ہے وہ اندر سے بھی بے نمازی ہے۔

دیکھیں اب اس نے نماز کو مانا لیکن تاویل باطل کی۔ تو ایسا شخص کافر ہے۔ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر دے، یا باطل تاویل کرے، وہ کافر ہے۔

واقعہ۔

رئیس المناظرین حضرت اوکاڑویؒ نور اللہ مرقدہ کا قادیانیوں سے مناظرہ تھا۔ وہ حضرت سے کہنے لگے کہ تجھے ایمان اور کفر کی تعریف آتی ہے۔ حضرت نے یہی تعریف فرمائی کہ تمام ضروریات دین کو ماننا ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا یا باطل تاویل کرنا کفر ہے۔ کہنے لگا کہ یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کہ ماننے کے لئے سب کو ماننا ضروری ہوا انکار کے لئے کہ ایک کے انکار سے بھی آدمی کافر ہو جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ عقلی دلیل بھی بیان فرمائیں، نقلی بھی بیان فرمائیں۔ آپ نے دو لفظ عقل اور نقل سن لئے ہیں اور بول دیئے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا علامہ ہے، عقل اور نقل دونوں لفظ بول رہا ہے۔

جیسے کوئی دیہاتی تھا، اس کو انگریزی بولنے کا بڑا شوق تھا، اس نے دو لفظ سن کر یاد کر لئے

''نو،یس'' (No, Yes) اب اس کے صحن میں کسی انسان کی لاش پائی گئی، پولیس والے اس کو پکڑ کر لے گئے۔اب جب عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے سوچا کہ یہ عدالت ہے یہاں انگریزی بولنی چاہیئے۔جج نے پوچھا کہ اس کو آپ نے قتل کیا ہے؟ یس۔اس کا کوئی قصور تھا؟ نو۔جج نے فیصلہ کر دیا کہ اس کو پھانسی دے دو۔اب وہ رونے لگا جج کو کہا کہ مجھے پھانسی کیوں دیتے ہو؟ تو نے اس کو قتل کیا ہے؟ نہیں۔پھر تو نے یس کیوں کہا تھا۔جی مجھے تو معنی ہی نہیں آتا کہ یس کا کیا معنی ہے۔یہ تو ویسے میں نے شوق کے لئے دو لفظ یاد کئے ہوئے تھے وہ بول دیئے ہیں۔

اسی طرح تو نے دو لفظ عقل اور نقل سن لئے ہیں اور بول دیئے ہیں۔عقلی دلائل بھی ہمارے پاس ہیں اور نقلی بھی۔

دلائل نقلی

نمبر ا۔

شیطٰن نے ساری عمر عبادت کی، ایک حکم کا انکار کیا تو کافر ہو گیا۔

نمبر ۲۔

منکرین زکوۃ باقی سب مانتے تھے صرف زکوۃ کا انکار کیا کافر ہو گئے۔

نمبر ۳۔

مسیلمہ کذاب سب کچھ مانتا تھا، صرف ختم نبوت کا انکار کیا کافر ہو گیا۔

نمبر ۴۔

قرآن پاک میں آتا ہے،

وقالوا کلمة الکفر و کفروا بعد بمانهم

کچھ لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ تھے مسلمان ایک کلمہ کفر کہا کافر ہو گئے۔

عقلی دلائل۔

نمبرا۔

تندرست ہونے کے لئے تو ضروری ہے کہ آدمی ہر بیماری سے بچا ہوا ہو لیکن کسی کو بیمار کہنے کے لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ابھی تو صرف ہیضہ اور ٹی بی ہوا ہے، ہزاروں بیماریاں ابھی باقی ہیں اس لئے بیمار نہیں ہے۔ یہ غلط بات ہے۔

نمبر۲۔

پھر فرمایا کہ یہ میرا رومال ہے، اس کے پاک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہر قسم کی گندگیوں سے پاک ہو۔ لیکن ناپاک ہونے کے لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ابھی تو صرف ایک کا پاخانہ لگا ہوا ہے جب تک ساری دنیا کی گندگیاں اس پر نہ لگیں گی یہ گندہ نہیں ہوگا یہ غلط ہے۔

نمبر۳۔

صراط مستقیم ایک ہی ہے، جیسے دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور ٹیڑھے خطوط سینکڑوں ہو سکتے ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا عقل بھی ہماری تائید کرتی ہے نقل بھی ہماری تائید کرتی ہے۔

دوسرے نمبر کا اختلاف سنت اور بدعت کا اختلاف ھے۔

یہ بات اگرچہ گذر چکی ہے لیکن دوبارہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا

تفترق علی ثلث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هم یا رسول الله ﷺ قال هم ما انا علیه

واصحابی.

(مشکوۃ)

فرمایا میری امت عنقریب تہتر گروہوں میں تقسیم ہوجائے گی جن میں سے سوائے ایک گروہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کی امت میں سے نجات پانے والے لوگ کون سے ہوں گے۔تو فرمایا کہ وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوں گے۔

اب یہ جماعت جو ناجی ہے یہ اہل سنت والجماعت ہے۔اہل سنت والجماعت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تمام ضروریات اہل سنت تسلیم کرے۔مثلاً حیاۃ النبی ﷺ ، وسیلہ۔ یہ مسائل ضروریات اہل سنت والجماعت میں سے ہیں۔جو لوگ ان میں سے کسی کا انکار کریں ان پر فتویٰ کفر تو نہیں لگے گا،لیکن یہ اہل سنت والجماعت میں سے بھی نہیں ہیں۔

اسی طرح ضروریات اہل سنت والجماعت میں سے کسی کی تاویل باطل کرنے سے بھی انسان اہل سنت میں نہیں رہتا بدعتی ہوجاتا ہے۔ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔اور قاعدہ یہی ہے کہ جو نماز مکروہ تحریمی ہو وہ واجب الاعادہ ہوتی ہے۔باقی رہی یہ بات کہ بدعتی سزا کاٹ کر جنت میں جائے گا یا نہیں۔تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو تو ایک نہ ایک دن سزا کاٹ کر جنت میں چلا جائے گا۔اور اگر کفر کی حد تک پہنچ چکی ہو تو پھر یہ بھی ممکن نہیں۔

تیسرا اختلاف۔

پھر اہل سنت میں رہتے ہوئے بھی اختلاف ہوجاتا ہے یہ اجتہادی اختلاف ہے،امام شافعیؒ بھی اہل سنت ہیں،امام اعظمؒ بھی اہل سنت ہیں،اس میں مصیب کو دو اجر اور مخطی کو ایک اجر ملتا ہے۔یہاں کسی کو دوسرے کی غلطیاں نکالنے کی اجازت نہیں۔

حضرت اوکاڑویؒ نے عجیب بات فرمائی کہ صحابہؓ اور مجتہدینؒ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر کا

پیمانہ الگ الگ رکھا ہوا ہے، اس لئے کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ اگر صحابیؓ ایک کھجور صدقہ کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ سونے کا خرچ کرے تو بھی برابر نہیں ہوسکتا۔ جب صحابہ کے اجر کا پیمانہ الگ ہے تو ہمیں ان کے خلاف زبان نہیں کھولنی چاہئے۔ ان کی خطا پر جو اجر انہیں حق سبحانہ نے دینا ہے ممکن ہے ہماری ساری زندگی کی نیکیوں پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا اجر نہ دے۔ کیونکہ ان کے تو اجر کا پیمانہ بھی اللہ نے الگ رکھا ہے اس لئے ہمیں اس بارے میں بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے۔ صحابہ کرام کے اور آئمہ مجتہدین کے بارے میں زبان نہیں کھولنی چاہئے۔

واقعہ۔

بحر العلوم، متکلم اسلام، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب (پی۔ ایچ۔ ڈی۔) دامت برکاتھم العالیہ درس دے رہے تھے کسی نے سوال کیا کہ یزید کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، فرمایا وہ نظریہ رکھتا ہوں جو حضرت شہید کربلا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ رکھتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ آخر اسے برا سمجھ کر ہی لڑنے گئے تھے۔

پھر اس نے سوال کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپس میں لڑائیاں ہوئیں، تو اس بارے میں آپ کن کو حق پر مانتے ہیں اور کن کو غلط کہتے ہیں۔ چٹ پڑھ کر کہنے لگے کہ جہالت بھی بہت زیادہ آ گئی ہے دنیا میں۔ دیکھو یہ کہنا کہ لڑائیاں ہوئیں، بعد میں صلح ہوگئی تھی۔ تو جو لڑنے والے تھے انہوں نے آپس میں صلح کر لی، اور یہ دیکھو لڑائیوں کی باتیں کر رہا ہے، شرارتی آدمی معلوم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا دیکھو تیرا باپ اور چچا دونوں بھائی ہیں، بڑے اور چھوٹے، وہ لڑیں گے بھی صلح بھی کریں گے۔ لیکن اگر ان میں لڑائی ہو جائے اور پھر لڑائی کے بعد صلح بھی ہو جائے اور صلح کے دس سال بعد آپ پھر لڑائی کی باتیں شروع کر دیں تو ان کا دل دکھے گا، کہ یہ دیکھو ہم نے صلح کر لی اور یہ لڑائی کی باتیں کر رہا ہے۔

تو اسی طرح صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی لڑائی کی باتیں چھیڑنا یہ ان کا دل دکھاتا ہے۔ آپ کو اللہ نے ان کے بارے میں جج بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ فیصلے کریں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے

ساتھ ہے جس صحابی نے بھی عمل کیا اپنے اجتہاد پر اس نے دین ہی کو سامنے رکھا کہ دین کا فائدہ کس میں ہے۔

جیسے چار بھائی ہیں انہوں نے اپنی بہن کی کہیں منگنی کرنی ہے تو بظاہر اگرچہ ان میں اختلاف ہو جائے، لیکن وہ سب سوچتے یہ ہیں کہ میری بہن کہاں اچھی رہے گی، اپنی بہن کا فائدہ ہی ہر کوئی سوچے گا اگرچہ آپس میں لڑنا ہی شروع کر دیں۔

تو اسی طرح صحابہؓ میں سے جن کے اجتہاد میں یہ بات آئی کہ اس وقت حضرت علیؓ کے ہاتھ مضبوط کرنا اسلام کے بچانے کی بہترین صورت ہے تو انہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا، کچھ لوگوں کا اجتہاد یہ کہتا تھا کہ حضرت علیؓ کے اردگرد باغی آگئے ہیں، حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیئے بغیر ان کا قلعہ قمع نہیں کیا جاسکتا، تو انہوں نے اپنے اجتہاد کے مطابق حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ باغی اسلام کو نقصان دے رہے ہیں اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ کا ساتھ دینا چاہیے، تو انہوں نے بھی دین کے لئے یہ کیا دنیا کے لئے یہ نہیں کیا۔ اور کچھ تیسری جماعت تھی انہوں نے سوچا کہ یہ آپس کی مسلمانوں کی لڑائی ہے اس لئے کسی کا بھی ساتھ نہیں دینا چاہیے پس دعا مانگنی چاہیے کہ یا اللہ ان میں کوئی آسان فیصلہ فرما۔

تو ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد پر عمل واجب ہوتا ہے، اس لئے اس میں جو صواب پر ہیں ان کو دو اجر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے اور جن کے اجتہاد میں خطا ہوئی ان کو بھی اللہ نے اجر عطا فرمایا۔ اور ان کا اجر بھی اتنا بڑا ہے کہ ہماری پوری جماعت کی نیکیاں بھی مل کر شاید اس اجر تک نہ پہنچ سکیں، اس لئے بہت زیادہ احتیاط رکھنی چاہیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنے میں جو خاک رہی ہوئی ہے، وہ بھی ہم سے کروڑ ہا درجہ بہتر ہے۔ ان کا مقام بہت بلند ہے تو یہ خطا کا لفظ سن کر بعضوں کو تو خود شوق اچھلتا ہے کہ ہم خطائیں پکڑیں صحابہؓ کی اور بعض اس میں فیصلے دینے شروع کر دیتے ہیں یہ دونوں اپنی حد سے بڑھ کر باتیں کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں اپنی حد میں

رہنا چاہئے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔تو یہ تین قسم کے اختلافات ہوتے ہیں ایک ضروریات دین، ایک ضروریات اہل سنت والجماعت،اور ایک اجتہادی اختلافات۔

نمبر ۸۔

یہ ہے کہ دعویٰ ہمیشہ مستند اور مسلمہ کتاب کے حوالے سے لکھا اور لکھوایا جائے، تا کہ وہ جماعتی دعویٰ کہلائے نہ کہ ذاتی۔اور اس لئے بھی تا کہ کوئی غلط شرطیں نہ لگا سکے۔یہاں میں نے یہ کہا ہے کہ مستند کتاب سے حوالہ لکھوایا جائے،اس لئے کہ وہ پوری جماعت کی مسلمہ کتاب ہوگی۔

واقعہ جنڈانوالہ۔

حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا۔جنڈانوالہ میں ہماری تین گھنٹے یہی بحث رہی میں نے عقیدہ حیات النبی چھتیس کتابوں کے حوالوں سے لکھ کر دیا،اور میں نے کہا کہ آپ یہ دنیا کے جس ملک میں لے جائیں اہل سنت والجماعت یہی کہیں گے کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔اور یہ کتابیں ہماری ہیں اور آپ بھی اپنی کتاب سے عقیدہ لکھیں ان کی کتاب ہو تو وہ بھی لکھیں۔مولوی عنایت اللہ سے پہلے سنی کہلا کر کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی اور اس میں آپ کا عقیدہ ہو وہ لکھ دیں ان کے پاس کوئی کتاب تھی ہی نہیں جس میں یہ عقیدہ ہو،اس لئے عوام سارے یہ سمجھ گئے تھے کہ پتا نہیں یہ کوئی نیا فرقہ ہے جن کا عقیدہ ہی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔

تو میں نے کہا کہ دیکھو کہ قادیانیوں کے عقائد بھی ہماری کتابوں میں نہیں ملتے ہماری کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ حضرت کے بعد نبی آسکتا ہے،عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں جو قادیانیوں کے عقائد ہیں اور ہمارے عقائد ملتے ہیں قادیانیوں کی کتابوں میں اسی طرح آپ کا عقیدہ بھی نہیں ملتا۔

اب میں جوں جوں ایسی باتیں کرتا تھا وہ اور پریشان ہوتے تھے،آخر میں انہوں نے کہا کہ ہماری جماعت کے دستور میں یہ عقیدہ لکھا ہوا ہے میں نے کہا کہ چلو دستور جماعت میں ہوتا ہے آپ اسی کا صفحہ لکھ دیں،تو جس کی کوٹھی پر بات ہو رہی تھی اس کا نام ایوب خان تھا،وہ ایم پی

اے تھا مولانا غلام اللہ خان کا مرید تھا۔ کہنے لگے کہ وہ دستور ہمیں ساتھ لانا یاد نہیں رہا، میں نے کہا کہ یہ میرے پاس ہے اور لکھ دیں۔ چونکہ مجھے پتا تھا کہ جو انہوں نے کاغذ پر لکھا ہوا ہے دستور میں اس کے خلاف لکھا ہوا ہے۔

وہ بھاگا ہوا آیا کہ ذرا دستور دے دیں میں نے کہا لے لو اس نے کہا کہ جلدی کر لکھ لو۔ انہوں نے کہا کہ اس میں یہ عقیدہ نہیں ہے تو نے جھوٹ بولا۔ اس نے کہا کہ ہمیں کیا پتا تھا کہ اس کے پاس دستور ہے، میں نے کہا کہ دیکھو ہماری کتابیں لکھی گئیں، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتھم کی تسکین الصدور لکھی گئی تیس بتیس علماء کی تصدیقات ہیں، علامہ خالد محمود صاحب کی لکھی ہوئی مقام حیات میں کتنے علماء کی تصدیقات ہیں، المھند لکھی گئی اس پر ایک سو سے زائد علماء دیو بند کی تصدیقات ہیں۔

لیکن تمہارے ہاں یہ ہے کہ محمد حسین نیلوی نے ندائے حق تین جلدوں میں لکھی ہے لیکن کسی جماعت کے آدمی نے اس پر تصدیق نہیں لکھی کہ ہم بھی اس کے ساتھ ہیں۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے بھی ایک رسالہ لکھا اس پر بھی کسی کی تصدیق نہیں ہے۔ مسالک العلماء بھی ہے القول الجلی بھی ہے، تسکین القلوب بھی لکھی، ان پر کسی کی تصدیق نہیں ہے۔ اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ۔ سب کا اپنا اپنا عقیدہ ہے۔

میانوالی میں اور عقیدہ ہوتا ہے ملتان میں لکھتے ہیں اور عقیدہ ہوتا ہے، سرگودھا میں اور عقیدہ ہوتا ہے، ہر شہر کا عقیدہ اور ہوتا ہے، ہر میٹنگ میں عقیدہ اور ہو جاتا ہے۔ یہ عیسائیوں کی تاریخ میں پڑھا ہے، لیکن اب یہاں بھی یہی قصہ ہوتا ہے کہ ہر کمیٹی بیٹھتی اس لئے ہے کہ اپنے عقیدہ کی تھوڑی سی مرمت کر کے اس کو اور سیدھا کر لیا جائے وہ ڈینٹنگ پینٹنگ عقیدوں کی کرتے رہتے ہیں۔ اس کے چب وغیرہ نکلتے رہیں۔ لیکن غلط بات غلط ہی ہوتی ہے۔ ایک نکالتے ہیں دو پڑ جاتے ہیں۔

پھر اس پر اصرار کرنے لگے کہ کتاب کا حوالہ کیوں ضروری ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا

فائدہ ہوتا ہے کہ غلط شرط نہیں لگ سکتی۔عقیدہ ایک ہی ہوگا یہی وجہ ہے کہ جتنے فرقے اہل سنت سے کٹ کر اہل بدعت بنے، ان کی عقائد کی کوئی کتاب نہیں ہے، اب منکرین تقدیر نے ایک عقیدے پر شور کیا تقدیر پر، باقی سارے عقیدے ہماری کتابوں سے لیتے ہیں، مجسمہ میں ایک عقیدہ میں ہم سے الگ ہو گئے، اور اپنا شور مچاتے رہے، اس پر کتابیں لکھتے جا رہے ہیں۔کتابوں پر کتابیں، لیکن باقی اپنے عقائد پر کوئی کتاب انہوں نے نہیں لکھی باقی سارے عقائد ہماری کتابوں سے لیتے ہیں، حتیٰ کہ قادیانیوں نے بھی چار پانچ اپنے مسئلے جو بنائے ہیں حیات مسیح وغیرہ ان میں وہ الگ ہیں باقی سارے شرح عقائد نسفی سے لے کر لکھے ہیں۔تو ہمیشہ سے اہل بدعت کا طریقہ اور وطیرہ یہی رہا ہے کہ ایک دو چیزوں میں الگ ہو جاتے ہیں اور باقی عقیدے سارے ہمارے والے ہوتے ہیں۔اپنے عقائد کی مکمل کتاب نہیں لکھتے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدے تو سارے ضروریات دین یا ضروریات اہل سنت میں آئیں گے۔ان کے معیار اور ثبوت کا معنی ایک ہونا چاہئے یہ ایک عقیدہ لکھ لیں گے باقی کوئی عقیدہ نہیں لکھیں گے۔پھر اس پر شرطیں لگائیں گے قرآن پاک کی آیت کا صاف معنی ہو اس میں کوئی تاویل کی گنجائش نہ ہو کچھ نہ ہو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو اس کے بغیر عقیدہ ثابت نہیں ہوتا لوگ سمجھیں گے کہ ان کا معیار بہت اونچا ہے۔

ایک مولوی صاحب تعلیم الاسلام پڑھا رہے تھے حیات النبی ﷺ پر بات شروع ہوگئی میں نے کہا کہ یہ تعلیم الاسلام میں جو عقائد ہیں ان کو آپ مانتے ہیں کہتا ہے جی ہاں، عقیدہ صرف قرآن میں ہو اور کسی طرف جانا ہی نہیں، قرآن میں ہو اور صاف لفظ ہوں، میں نے کہا کہ تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا، یہ عقائد میں لکھا ہے آپ پڑھا رہے ہیں، مجھے آپ قرآن پاک کھول کر دکھائیں کہ کہاں ہے۔خاموش۔لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی، پھر تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا، اور مدینہ منورہ میں آپ قبر میں مدفون ہیں۔تو یہ عقائد میں لکھا ہے۔کہتا ہے جی ہاں میں نے کہا کہ

قرآن پاک میں یہ آیت نکالیں کہ کہاں ہے؟ ان کے لئے قطعیت ضروری ہے قرآنیت ضروری نہیں۔یعنی یہ تو بالکل واضح ہے کہ حضرت کا روضہ پاک یہی ہے، مسلمان تو مسلمان ہے کافر بھی مانتے ہیں کہ یہ حضورﷺ کا روضہ مبارک ہے بات قطعی ہے یقینی ہے تو عقیدہ کے ثبوت کے لئے قطعیت ضروری ہے قرآنیت ضروری نہیں ہے۔لیکن وہ عوام میں کہتے ہیں قرآنیت۔اب اگر وہ کتب کے حوالے سے لکھیں گے تو غلط شرط نہیں لگا سکتے۔کیونکہ پھر ہم کہیں گے کہ یہ اگلے پچھلے دو چار عقیدے بھی اسی طرح ثابت کرو تو وہ ثابت نہیں کر سکتے۔تو اس لئے جب میں نے یہ بات واضح کی تو پھر وہ سمجھ گئے کہ یہ ہمارے لئے مشکل ہے تو ایوب صاحب نے کہا کہ کچھ صلح کی بات کرو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ ہم صلح کے لئے تیار ہیں۔اگر یہ حنفی ہیں تو فقہ اکبر پر دستخط کر دیں، **تعاد روحه فی جسده**. حنفی ہیں تو فقہ اکبر پر دستخط کر دیں۔دیوبندی ہیں تو المہند پر دستخط کر دیں اور اگر اشاعۃ التوحید والسنۃ میں ہیں تو مولانا غلام اللہ خان صاحب کی اس تحریر پر دستخط کر دیں جو انہوں نے ۶۲ء میں کئے تھے۔انہوں نے تینوں پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ نہ فقہ اکبر پر دستخط کریں کہ وہاں پر ہے **تعاد روحه فی جسده**. اور یہی بات ان کے خلاف ہے، چونکہ یہ روزانہ یہی تقریر کرتے ہیں کہ روح جب جاتی ہے تو سب کچھ لے جاتی ہے نہ انسان سنتا ہے نہ دیکھتا ہے، اب وہاں تو روح کے آنے کا ذکر ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب روح آتی ہے تو پھر کیوں ننگی ہو کر آتی ہے وہ جو کچھ جاتے ہوئے لے کر گئی تھی وہ آتے ہوئے بھی لے کر آئے گی۔تو وہ اس لئے نہ فقہ اکبر پر دستخط کریں، نہ المہند پر کہ ہم المہند پر دستخط کرنے نہیں آئے، میں نے کہا کہ پھر ہمیں بتاؤ تو سہی کہ میں نے جو تحریر لکھی ہے اس میں میں نے مسئلہ صاف لکھا ہے۔مسئلہ میں میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا میں نے صاف لکھا ہے کہ آپ لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، اور اہل بدعت ہیں اور آپ کے پیچھے ہماری نماز مکروہ تحریمی ہے۔

اس کے بعد شاید وہ رسالہ چھپ بھی گیا تھا اس کا نام ہے مولوی عنایت اللہ کے نام کھلی چٹھی۔میں نے کہا کہ جیسے ہم نے لکھا ہے آپ بھی لکھ کر دیں کہ انور شاہؒ کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

تھی یا ہمیں بتائیں کہ ہم جو حیات النبی کو مانتے ہیں کافر ہیں؟ تاکہ ہم اس کی طرح توبہ کرلیں جو کفر سے کی جاتی ہے۔ یا بدعتی ہیں تاکہ جتنا ہمارا گناہ ہے اتنی توبہ بھی کرلیں ہم تو آپ کو بتا رہے ہیں کہ ہم اس درجے میں گناہ گار ہیں۔

پھر مولانا غلام اللہ خان صاحب کی تحریر کی بات آئی۔ تو میں نے کہا کہ اس پر دستخط کریں وہ کہنے لگا آپ کریں گے میں نے کہا میں نے لکھ کر دستخط کر کے رکھے ہوئے ہیں آپ لے جائیں اس پر دستخط کروا کے لائیں۔ وہ لے گئے اور کہا کہ اس پر دستخط کرو، کہا جی نہیں، یہ تو قرآن کے خلاف ہے، میں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ جس کو شیخ القرآن کہتے ہو وہ قرآن کے خلاف لکھتا تھا اور پھر اس رسالے میں چھپواتا تھا جس کا نام تعلیم القرآن ہوتا تھا۔ عجیب بات ہے کہ قرآن کے خلاف شیخ القرآن لکھے اور تعلیم القرآن میں چھپے کہا جی یہ منسوخ ہوگیا ہے۔ میں نے کہا کہ عقائد بھی منسوخ ہوتے ہیں؟ یہ آج نئی بات سنی ہے۔ اگر عقائد بھی منسوخ ہوتے ہیں تو پھر مناظروں کی ضرورت کیا ہے بس ایک لسٹ دے دیں کہ عقیدہ توحید کس سال منسوخ ہونا ہے، عقیدہ ختم نبوت کس سال منسوخ ہونا ہے۔ اور آرام سے گھر جا کر بیٹھیں۔

ایوب خان سے میں نے کہا کہ ایوب خان صاحب اس مناظرے کا اگر فائدہ ہو بھی سہی تو کیا ہوگا بالفرض مناظرہ ہو جائے اور ہم جیت جائیں اور آپ لکھ دیں کہ آپ جیت گئے ہیں تو یہ گھر جا کر آپ کے فیصلے کو منسوخ کر دیں گے، کہنے لگا کون منسوخ کر سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کے پیر کے فیصلے کو انہوں نے منسوخ کر دیا ہے۔ تو کون ہے؟ اب ایوب خان بالکل سمجھ گیا کہ کسی طرح بھی پورے نہیں آرہے۔ تو کہنے لگا کہ بس جی پھر رہنے دیں ہمیں مل کر کام کرنا چاہئے توحید پر یہ ایسے ہی بحث کر رہا ہے۔

تو بعد میں مجھے جیسے لے کر گیا تھا ویسے چھوڑ گیا تو راستے میں کہتا ہے کہ یہ تو مناظرے کی باتیں تھیں اگر بعد میں میں دستخط کروا لوں اس تحریر پر جو شیخ القرآن والی ہے تو آپ پکے رہیں گے؟ میں نے کہا میں پکا ہی پکا ہوں، آپ اس سے دستخط کروائیں وہ نہیں کریں گے۔

تو یہ مقصد ہے کہ اس کتاب کے حوالے سے جب عقیدہ ہوگا تو پھر غلط شرطیں نہیں لگ سکیں گی۔ ہمیشہ یہ جو باطل فرقے ہوتے ہیں ان کا طریقہ ہے کہ

کچھ شرطیں غلط رکھ لیں گے کہ منسوخ کا لفظ نہیں آیا جی، تو اس لئے ان غلط شرطوں سے مناظرہ خراب ہوتا ہے۔ تو اس کی پیشگی کے طور پر میں نے یہ لکھوایا ہے کہ حوالہ مستند کتاب سے ہونا چاہئے۔ تا کہ جب وہ غلط شرط لگائے تو ہم کہیں کہ باقی بھی اس پر ثابت کرو۔

بہر حال کتاب سے حوالہ ہونا چاہئے اس کا فائدہ یہ ہے۔

نمبر۹۔

تعریف دلیل۔

الدلیل هو مرکب من قضیتین للتأدی الی مجهول نظری.

(رشیدیہ ص۱۹)

دلیل وہ ہے جو دو قضیوں سے مرکب ہو اور اس سے مجہول نظری تک پہنچا جائے۔ پہلا قضیہ صغریٰ اور دوسرا کبریٰ کہلاتا ہے، اور جو اس سے تیسرا قضیہ نکلتا ہے اس کو نتیجہ کہتے ہیں۔

اگر دلیل میں ایجاب صغریٰ اور کلیۃ کبریٰ ہو تو وہ دلیل قطعی ہوتی ہے۔

مثال۔

جہاں متغیر ہے۔ ہر متغیر حادث ہوتا ہے، عالم متغیر ہے یہ صغریٰ ہے، ہر متغیر حادث ہوتا ہے یہ کبریٰ ہے۔ اب نتیجہ نکلے گا کہ یہ جہاں حادث ہے۔

ایجاب صغریٰ کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ جملہ مثبت ہو منفی نہ ہو۔ جیسے آپ مثبت وغیرہ کہتے ہیں۔ تو ہر فن کی اصطلاح ہوتی ہے یہ مثبت کو موجبہ کہتے ہیں۔ اور جو منفی ہو اس کو سالبہ کہتے ہیں۔ اور یہ ہر ہر لفظ کلیت کو واضح کر رہا ہے۔ تو اس میں کلیت ہو تو نتیجہ بالکل واضح ہوگا۔ تو جب بھی

دلیل مانگی ہے تو اس کے دو قاعدے بنا کر چیک کر لینا ہے کہ یہ کیا بنے گا۔

اب دیکھیں مثلاً رفع یدین کی حدیث آپ کو کسی نے دکھا دی ہے، لیکن آپ نے تعریف پڑھی ہے کہ دلیل میں دو قضیئے ہوتے ہیں، اب اس کو دلیل کیسے بنایا ہے؟ آپ خود بنا کر دیکھیں مثلاً حضرت ﷺ نے رفع یدین کی یہ صغریٰ بن گیا، آپ کا ہر عمل سنت مؤکدہ ہوتا ہے، یہ کبریٰ بن گیا۔ آگے نتیجہ کہ رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔ اب یہ جو کبریٰ ہے ہم اس کو نہیں مانتے، کیونکہ آپ ﷺ کا ہر عمل سنت مؤکدہ نہیں ہوتا۔ بہت سے عمل ایسے بھی ہیں جو ضرورت کی بنا پر ہوئے۔ یا مباح کے درجہ میں ہیں، حضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا کوئی نہیں کہتا کہ سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت ﷺ نے جوتا پہن کر نماز پڑھی، کوئی نہیں کہتا کہ سنت مؤکدہ ہے، تو کبریٰ کہ آپ ﷺ کا ہر عمل سنت مؤکدہ ہونا ہے ٹھیک ہوتا تو پھر اس کی دلیل صحیح ہوتی۔

اب ہم نے دیکھنا ہے کہ کبریٰ کی کلیت ثابت ہے یا نہیں؟ اگر کبریٰ کی کلیت ثابت ہے تو اس کی دلیل ماننی پڑے گی، اور اگر ثابت نہیں تو پھر یہ دلیل غلط ہوگی۔ اب پھر وہ دوسرے نمبر پر وہ دلیل دیتا ہے کہ حضرت ﷺ نے ہمیشہ رفع یدین کی جو کام آپ ہمیشہ کرتے تھے وہ سنت مؤکدہ ہوتا ہے، اب ہم صغریٰ پر اعتراض کریں گے کہ صغریٰ ثابت نہیں ہے۔ تو اس لئے دلیل اس طرح بنا کر دیکھی جائے گی کہ کس طرح اس کی دلیل کو پیش کیا ہے۔ اس میں صغریٰ الگ ہو، کبریٰ الگ ہو، پھر پتہ چلے گا کہ نتیجہ صحیح نکل رہا ہے یا نہیں۔

تو اس لئے دلیل کی تعریف لکھوائی ہے کہ جس میں دو قضیئے ہوتے ہیں جو تیسرے مجہول نظری تک انسان کو پہنچاتے ہیں۔

نمبر ۱۰۔

تقریب۔

تقریب کہتے ہیں دلیل کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کو مطلوب لازم ہو جائے، اگر دلیل یقینی ہوگی تو مطلوب بھی یقینی ہوگا، اور اگر دلیل ظنی ہوگی تو مطلوب بھی ظنی ہوگا۔ تقریب یہی ہے

جیسے **العالم متغیر و کل متغیر حادث** اس لئے درمیان میں جو حد اوسط ہے، اس کو کاٹ دیا جائے گا یہ بن جائے گا **العالم حادث.**

نمبر ۱۱۔

مناظرہ کے تین حصے ہوتے ہیں،

مبادیات مناظرہ، اوساط مناظرہ، مقاطع مناظرہ۔

مبادیات مناظرہ۔

میں دعویٰ اور دلیل کی تعیین اور مفردات کی تعریف شامل ہوتی ہے، مثال کے طور پر وہ دعویٰ لکھواتا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے، اب یہ دعویٰ ہوگا ہوگیا تو پہلے سنت مؤکدہ کی تعریف ہوگی۔

السنة هو الطريقة المسلوكة المرضية في باب الدين. سواء كانت عن النبي ﷺ او عن اصحابه. (اصول الشاشي)

طریقہ کے بعد **مسلوکه** آیا ہے، اس سے وہ افعال نکل گئے جو آپ نے کبھی کبھار اپنے لئے کئے تھے جاری نہیں رہے۔ **مرضیه** سے فرض واجب نکل گئے، کیونکہ اس کے اندر وجوب ہوتا ہے **بـاب الـدیـن** کہ جو آپ ﷺ نے دین سمجھ کر کئے۔ کوئی اور کام مثلاً اونٹ کی سواری، یہ اس علاقہ کا رواج تھا، اگرچہ آپ ﷺ نے ہمیشہ کیا مگر سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ اب خواہ یہ اختیاری ہو نبی پاک ﷺ سے ہو یا نبی پاک ﷺ کے صحابہؓ سے ہو اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔

اس کے بعد تراویح کی تعریف ہوگی، کہ تراویح کس کو کہتے ہیں، تراویح جمع ہے ترویحہ کی، ترویحہ کہتے ہیں ایک دفعہ آرام کرنے کو، نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد تھوڑا سا بیٹھتے ہیں اسی کو ترویحہ کہتے ہیں، جس طرح غیر مقلد سنت مؤکدہ کی تعریف صحیح طرح نہیں کر سکتے اسی طرح وہ

تراویح کی تعریف نہیں کرتے۔ کیوں کہ ترویحہ کہتے ہیں چار رکعت کے بعد ایک دفعہ آرام کرنے کو۔ تو آٹھ رکعت میں ایک مرتبہ ترویحہ آتا ہے۔ بارہ میں دو مرتبہ آتا ہے اس کو بھی تراویح نہیں کہیں گے بلکہ ترویحتین کہیں گے۔ کیونکہ عربی میں جمع تین سے شروع ہوتی ہے، دو سے نہیں، سولہ میں کم از کم تین ترویحہ آئیں گے، تو سولہ سے کم پر تراویح کا لفظ بولنا ہی غلط ہے۔ اب اگر وہ تراویح کی صحیح تعریف لکھ دیں تو آٹھ کو تراویح کہا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے وہ تعریفوں سے گھبراتے ہیں۔

غیر مقلدین تراویح کی تعریف نہیں کرتے۔

تو مبادیات مناظرہ مناظرہ میں دعویٰ لکھوایا جائے، پھر دیکھو کہ سنت مؤکدہ کی اس میں تعریف ہو جائے۔ تراویح کا لفظ آیا اس کی بھی تعریف ہو جائے۔ اس کے بعد دلیل کی تعیین کہ آپ کے دلائل کیا ہیں، وہ روزانہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلائل دو ہیں قرآن و حدیث، ہم تیسری بات مانتے ہی نہیں۔ ہمیں اللہ نے دو ہاتھ دیئے ہیں ایک قرآن کے لئے اور ایک حدیث کے لئے فقہ کے لئے اللہ نے ہمیں کوئی ہاتھ نہیں دیا۔ ہمیں اللہ نے دو آنکھیں دی ہیں ایک قرآن کے لئے اور ایک حدیث کے لئے فقہ کے لئے ہمیں اللہ نے کوئی آنکھ ہی نہیں دی، ہمیں اللہ نے دو کان دیئے ہیں ایک قرآن کے لئے اور ایک حدیث کے لئے۔ فقہ کے لئے اللہ نے کوئی کان نہیں دیا، ہمیں زبان ایک ہی دی ہے فقہاء کو بھونکنے کے لئے جس کا اور کوئی کام نہیں ہے۔

جب ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے متعین کرو کہ قرآن والا ہاتھ کون سا ہے؟ بخاری بائیں ہاتھ میں پکڑنی ہے یا دائیں ہاتھ میں، اگر دوسرا ہاتھ لگ جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟۔ اور جو دائیں آنکھ سے کانا ہو وہ قرآن چھوڑے یا حدیث چھوڑے، پھر اندھا تو بخشا بخشایا ہے۔

تو وہ وہاں لکھوائیں کہ ہمارے دلائل صرف دو ہیں قرآن و حدیث۔ اب جب حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا ہوگا تو پوچھیں کہ دلیل سے کہنے لگے ہیں یا بغیر دلیل کے، کیونکہ ہم تو چار دلیلیں

مانتے ہیں، ہم نے جو مناظرہ کی تعریف میں لکھوائی ہیں یہ اجماع سے ثابت ہے۔اہل فن کا اجماع ہے، ہمارے ہاں اجماع دلیل ہے۔ ہر فن والوں کا اجماع اپنا ہوتا۔جیسے **کل فاعل مرفوع** اس پر نحو والوں کا اجماع ہے۔اسی طرح مناظرہ کے فن والے جس بات پر اجماع کریں گے اسے انکا اجماع کہا جائے گا اور اجماع ہمارے ہاں دلیل شرعی ہے۔تو اس لئے ہم ان حدیثوں کو اجماعاً صحیح کہیں گے جن پر چاروں اماموں کا عمل ہے، اور جن پر ہمارے امام کا اجماع ہے اس کو ہم اپنے لئے صحیح مانیں گے۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ سے صحیح ثابت کر دیں پھر دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔

تو مبادیات مناظرہ میں انکا طریقہ یہی ہوتا ہے۔اب یہ عوام کو تو خوش کرتے ہیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث مانتے ہیں، لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو جی یہ صرف قرآن وحدیث مانتے ہیں۔لیکن آپ ان سے صرف یہ سوال پوچھیں کہ حدیث کی تعریف کہاں ہے؟ بس۔ کیونکہ حدیث کی تعریف کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہو، یا فعل ہو یا آپ کے سامنے عمل ہوا ہو اور آپ نے روکا نہ ہو۔قول، فعل، تقریر۔اب یہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ کس حدیث کا ترجمہ ہے؟ حدیث کی تعریف ہی انہوں نے چوری کی ہے اور شور کرتے ہیں کہ ہم قرآن والے، ہم حدیث والے ہیں، ہم تو تیسری بات مانتے ہی نہیں۔تو جب ان سے دلیل کی تعیین کروائیں۔

واقعہ۔

حضرت اوکاڑویؒ نے بتایا کہ میں ملتان میں تنظیم کے دفتر میں تھا تو ایک بریلوی مولوی صاحب آئے کہنے لگے جی آج ہمارا مناظرہ ہے آٹھ تراویح پر، آپ ہمیں کچھ شرطیں لکھ دیں میں نے لکھ دیں۔ وہاں جا کر انہوں نے وہی لکھی لکھائی دے دیں۔ کہ آپ کے ہاں دلیل صرف اللہ کا فرمان ہے یا نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔آپ جس حدیث کو صحیح کہیں گے اللہ سے یا اللہ کے رسول ﷺ سے۔اور کوئی بات کی تو آپ اہل حدیث نہیں رہیں گے۔اب اس پر وہ کہاں آتے تھے؟۔ بڑا شور مچایا، کہتے ہیں کہ شور مچاتے ہو تو مچاتے رہو، لیکن یا تو لکھ دو کہ آج تک ہم جھوٹ بولتے رہے ہیں کہ ہمارے دو دلائل ہیں، آ کر انہوں نے دیکھا کہ بھائی یہ کام خراب ہے تو کہنے لگے کہ ہمارا

مناظرہ بریلوی سے نہیں دیوبندیوں سے ہے۔اس لئے کہ دیوبندیوں کا مناظر آیا ہوا نہیں ہے۔ وہ پھر کھڑا ہو گیا اس نے کہا کہ یہ جو لکھ کر دیا ہے یہ مولوی امین دیوبندی نے لکھ کر دیا ہے، بس جب میرا نام سنا تو چلے گئے۔

موضوع کی تعیین کی اہمیت۔

دعویٰ لکھنا اور لکھوانا آدھا مناظرہ ہوتا ہے۔حضرتؒ نے فرمایا ایک مرتبہ مولوی نواز بلوچ وغیرہ میرے پاس آئے کہ ہم مناظرہ پر جا رہے ہیں کہ دعا بعد الجنازہ کے فرض ہونے پر مناظرہ ہے آپ بھی چلیں۔ میں نے کہا کہ میں تو خود کسی مناظرہ پر جا رہا ہوں، حیات النبی ﷺ کے سلسلے میں۔ کہنے لگے کہ پھر لکھ دیں کہ موضوع کیا ہے؟

عوام ان پڑھ ہوتی ہے، وہ مثالوں سے بات سمجھتی ہے، بغیر مثال کے بات نہیں سمجھ سکتی۔تو جتنی بھی مناظر عبارتیں پیش کرتا ہے، قرآن کی آیتیں، حدیث کی عبارتیں یا فقہ کی عبارتیں ان کو وہ جاہل لوگ نہیں سمجھ سکتے، ان کے لئے عام دلیل جس کو وہ سمجھتے ہیں وہ یہ ہوتی ہے کہ باقی نمازوں کے بعد بھی دعا مانگتے ہیں اور جنازہ بھی نماز ہے۔اس کے بعد مانگ لیں تو کیا حرج ہے؟ مانگنی چاہیئے۔ یہ بات ہے جو عوام کے ذہن میں آجاتی ہے۔اسی کو دیکھ کر اب موضوع لکھنا تھا تاکہ یہ غلط فہمی ان کے ذہن میں نہ آئے۔تو میں نے لکھ کر دیا کہ

> ”جس طرح باقی نمازوں سے پہلے اذان اور اقامت ثابت ہے اور بعد میں دعا۔ جنازہ میں جس طرح اذان اور اقامت ثابت نہیں بعد میں دعا بھی ثابت نہیں ہے۔“

اب یہ ایک مثال بن گئی، اب وہ اگر دعا کے فضائل سنائیں گے تو آپ اذان کے فضائل سنانے شروع کر دیں، اب یہ عوام کو سمجھ آجائے گی کہ ہم جو کہتے ہیں دعا کروان کی طرح، تو ان سے پہلے اذان بھی ہے یہاں آذان کیوں نہیں کہتے۔ یہاں اقامت نہیں کہتے۔تو بات سمجھنی آسان ہو جائے گی۔

وہ چلے گئے تیسرے دن آئے، مجھے ملے میں نے کہا کہ اس کی بیس پچیس فوٹوسٹیٹ کروا لینا اور جو پڑھے لکھے آدمی ہوں، ان کو دے دینا تا کہ ان کے ذہن میں مثال کے ساتھ مسئلہ آجائے۔ پھر وہ چاہیں گے اسی طرح سمجھا جائے۔ دوسرا میں نے یہ لکھا کہ یہ سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کی ایک ایک بات یاد رکھی ہوئی ہے، حضرت ﷺ جب بیت الخلاء جاتے تو کون سی دعا پڑھتے۔ یاد ہے یا نہیں؟۔ بیت الخلاء سے نکلتے وقت کون سی دعا پڑھتے تھے؟ سرمہ لگاتے تو کیا کہتے، لباس پہنتے تو کیا کہتے، ساری دعائیں یاد ہیں؟ تو سب بولیں گے کہ ہاں یاد ہیں۔ تو ان سے کہو کہ حضور ﷺ نے جنازہ کے بعد جو دعا مانگی ہے وہ ہمیں یاد کروادو، جنازہ کے اندر جو دعا ہے وہ بھی یاد ہے، تو جو جنازہ کے بعد کی دعا مانگی ہے وہ آج ہمیں یاد کروادو پھر ہم مانگنا شروع کر دیں گے۔

یہ دو باتیں میں نے ان کو لکھ دیں وہ لے گئے، انہوں نے یہ فوٹوسٹیٹ کروا کے تقسیم کر دیئے، تو مناظرہ کا جو صدر تھا وہ مولوی عبدالعزیز حویلی لکھے کا شیخ الحدیث تھا، اس کو بھی انہوں نے پہنچائی تو وہ پڑھ کر کھڑا ہو گیا اور تین چار مرتبہ اس نے چاروں طرف دیکھا، دیکھنے کے بعد جب کوئی چیز نظر نہ آئی تو پھر کہا کہ مولانا امین صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو نہیں آئے، اس نے کہا کہ یہ تحریر مولانا امین صاحب کی ہے، اور اس پر ہم مناظرہ نہیں کر سکتے، صاف کہہ دیا۔

تو آدھا مناظرہ موضوع کی تعیین ہوتی ہے۔ کیونکہ عوام اصل میں زیادہ تر ان پڑھ ہوتی ہے، ان کے ذہن کے مطابق بات ہوگی تو وہ سمجھیں گے۔

دوسرا واقعہ۔

حضرتؒ نے بیان فرمایا کہ ایک دن رات کو میں سویا ہوا تھا، دو تین آدمی آئے کہ جی ربوے سے ایک مبلغ مناظر آیا ہے، کہتا ہے کہ میں نے مناظرہ کرنا ہے، میں نے کہا کہ صبح کر لیں گے، کہا کہ اس نے چلے جانا ہے، میں نے کہا کہ آیا بھی اتنی جلدی ہے اور جا بھی اتنی جلدی سے رہا ہے۔ کس موضوع پر مناظرہ کرنا ہے؟ کہا جی ختم نبوت پر، میں نے بشیر احمد قادیانی کی جو کہ مرزا

غلام احمد قادیانی کا بیٹا ہے، اس کی چھوٹی سی کتاب ختم نبوت کی حقیقت وہ جیب میں ڈالی اور چلے گئے۔

میں نے کہا، جی دیکھو یہ دیہاتی لوگ ہیں ان میں پڑھے ہوئے تھوڑے ہیں، پہلے یہ سمجھانا ہے کہ میرا اور آپ کا اختلاف کیا ہے تاکہ بعد میں جب دلیل بیان ہو تو یہ سمجھیں کہ دلیل دعویٰ کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ کہا جی آپ سمجھا دیں، میں نے کہا میں سمجھا دیتا ہوں، میں نے کہا کہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ رسول پاک ﷺ کے بعد صاحب شریعت کوئی نبی نہیں آنا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی غیر شرعی نبی ہے، یہ تین باتیں ہوگئیں، شریعت والا کوئی نہیں آنا، غیر شرعی نبی آنا ہے، اور مرزا غلام احمد قادیانی غیر شرعی نبی ہے۔ میں نے کہا کہ یہی بات ہے؟ کہنے لگا جی بالکل یہی بات ہے۔

میں نے کہا کہ یہ جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو یہ نہیں پتا کہ صاحب شریعت نبی اور غیر صاحب شریعت نبی کس کو کہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ پہلے یہ لفظ سنے ہیں؟ جی نہیں سنے۔ میں نے کہا کہ اب یہ فرق بھی سمجھاؤ ان کو، کہنے لگا جی آپ ہی سمجھا دیں، تو وہی کتاب میں نے کھولی اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے، جن میں سے تین سو تیرہ رسول تھے، آگے لکھا تھا کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب شریعت ہو، اور نبی وہ ہوتا ہے جس پر اپنی شریعت نہ آئی ہو۔ وہ رسول ہی کی شریعت کو چلاتا ہو۔ میں نے کہا کہ دیکھو اس نے بات صاف کر دی کہ صاحب شریعت نبی رسول کو کہتے ہیں۔ کہا جی بالکل ٹھیک ہے، میں نے کہا اب خلاصہ کیا نکلا کہ حضور ﷺ کے بعد رسول کوئی نہیں آئے گا، صاحب شریعت نبی کوئی نہیں آئے گا، نبی آئیں گے، اور مرزا غلام احمد قادیانی رسول نہیں ہے نبی ہے۔

ابھی تک اسے پتہ نہیں کہ میں کہاں باندھ رہا ہوں۔ کہا جی بالکل ٹھیک ہے، میں نے کہا کہ پہلے حصہ پر کوئی آیت پڑھیں کہ کوئی رسول نہیں آئے گا، تو جلدی سے بولا

ما كان محمدا ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله

وخاتم النبیین.

اب جو میں نے آیت کا معنیٰ کرنا تھا وہی اس سے کروالیا، کہ کوئی نبی نہیں آئے گا، اس نے کرلیا یہ معنیٰ، پھر میں نے کہا کہ آپ بھول گئے ہیں آپ نے آیت پڑھنی تھی **ختم المرسلین** والی، کہ رسول نہیں آئے گا نبی کا تو آنا ثابت کرنا ہے۔ آپ نے اپنے دعویٰ کے دوسرے حصہ کے خلاف کہہ دیا ہے، کہ نبی نہیں آئے گا، اور جب نبی کی ضرورت نہیں رہی، تو پھر رسول ﷺ کی بطریق اولیٰ نہیں رہی۔ اب اسے پتہ لگا۔ کہنے لگا کہ آپ نے مجھے چکر میں ڈال دیا ہے، میں نے کہا اس میں چکر کون سا ہے؟ بات صاف صاف ہے، اب وہ بیٹھا ہی نہیں۔ کہنے لگا بس اب میں جاتا ہوں میں نے کہا بیٹھو تو سہی، کوئی بات کرلیں، کہا بس جی آپ نے چکر میں ڈالا ہے۔ پہلے کبھی ہمیں ایسے پتہ نہیں چلا۔

تو اصل میں دعویٰ کی تعیین آدھا مناظرہ ہوتا ہے، ہمیں شکایت یہی ہوتی ہے کہ جب مبادیات مناظرہ بھی مناظرہ کا حصہ ہیں، اوساط مناظرہ بھی مناظرہ کا حصہ ہیں، اور مقاطع مناظرہ بھی مناظرہ کا حصہ ہوتا ہے تو یہ مناظر کو طے کرنا چاہیئے۔ ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ ہمارے آنے پر موضوع طے کرلیتے ہیں، اور اس میں باندھ کر بٹھا دیتے ہیں۔ پھر وہ اس پر شور کرتے ہیں کہ نہیں جی یہ لکھا ہوا ہے، یہ لکھا ہوا ہے، ان کے یہی دو چار مسئلے ہوتے ہیں، انہوں نے سو سال اس پر محنت کی ہوئی ہے انہوں نے بچوں کو یاد کروائے ہوئے ہوتے ہیں کہ یہ لکھنا ہے۔ اور ہمارے لوگ بغیر تربیت کے جا بیٹھتے ہیں اور جا کر غلط باتیں لکھ آتے ہیں پھر آجاتے ہیں ہمارے پاس کہ آپ نے مناظرہ کرنا ہے۔ تو اس لئے یہ ساری چیزیں مناظر کو خود طے کرنی چاہئیں۔

تو یہ مبادیات مناظرہ ہیں کہ دعویٰ کی تعیین، مفردات کی تشریح اور دلیل کی تعیین کہ دلیل کیا کیا ہے۔ سنّی چار دلائل مانتا ہے، غیر مقلد دو دلائل مانتا ہے، منکر حدیث صرف ایک دلیل قرآن مانتا ہے۔ رافضی کہتا ہے کہ دو ہیں، قرآن اور اہل بیت۔ تو یہ پہلے لکھوا دیا جائیں اس کے بعد آگے چلیں۔ کہ جو بھی وہ بات کر رہا ہے وہ دلیل سے کر رہا ہے، یا بغیر دلیل کے، ہم جو بات بھی کریں

گے وہ بادلیل ہوگی، ان شاء اللہ۔ آپ پوچھ سکتے ہیں، مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ محدث ہیں، وہ پوچھیں گے دلیل کیا ہے؟ ہم کہیں گے کہ محدثین کا اجماع ہے کہ وہ محدث ہیں، اور اجماع ہمارے ہاں دلیل ہے۔ تو ہم چاروں دلیلوں میں سے کسی نہ کسی دلیل سے بات کریں گے۔ وہ بھی اپنی دو دلیلوں کے اندر رہیں۔ اس سے ان کو باہر نہیں نکلنے نہیں دینا۔ تو اصل میں تو وہ یہیں قابو آجاتے ہیں۔ اگر آپ ان کو قابو کرنا چاہیں۔

لیکن آپ خود ہی ان کو چھٹی دے دیتے ہیں ان کو پوچھتے نہیں کہ یہ قرآن پڑھ رہے ہو، یہ قرآن کی کون سی آیت پڑھ رہے ہو۔ وہ جو بھی اپنی زٹلیات بولتا رہتا ہے آپ ہر زٹلیات کا جواب دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

دوسرا حصہ۔

اوساط مناظرہ۔

اوساط مناظرہ دلائل مناظرہ کو کہتے ہیں، اب دعویٰ کے بعد دلیل کا نمبر ہوتا ہے، چونکہ یہ دعویٰ کے بعد ہے اور فیصلہ سے پہلے، اس لئے ان کو وسط اور اوساط کہتے ہیں، ان کی تعیین بھی کسی مسلمہ کتاب کے حوالے سے ہونی چاہئے۔ کہ مدعی کس دلیل سے اپنا دعویٰ ثابت کرے گا، اہل قرآن صرف قرآن سے، اہل حدیث صرف قرآن و حدیث سے، اہل سنت صرف کتاب و سنت اجماع و قیاس سے، اہل تشیع صرف ثقلین سے، یعنی قرآن کریم اور آئمہ اہل بیت سے۔

مقاطع مناظرہ۔

ان ضروری یا ظنی مقدمات کو کہتے ہیں جو مد مقابل کے ہاں بھی مسلم ہوں، جن پر بحث ختم ہوجائے۔

نمبر ۱۲۔

مدعی پہلے اپنا دعویٰ واضح طور پر بیان کرے گا، مثلاً وضو میں نیت سنت ہے یہ دعویٰ ہے اور

میں اہل سنت ہوں اور بالترتیب چار دلائل مانتا ہوں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ سائل دعویٰ کے مفردات کی تعریف پوچھے گا، کہ مثلاً سنت اور نیت کی کیا تعریف ہے، اور وہ مدعی اپنے دلائل کے مطابق تعریف بیان کرے گا۔ اور تعریف بھی کسی مسلمہ کتاب کے حوالے سے ہوگی۔

نمبر ۱۳۔

ترتیب مناظرہ۔

ترتیب کہتے ہیں بہت سی چیزوں کو اس انداز میں رکھنا کہ ان پر ایک نام بولا جائے، دودھ، چاول، چینی وغیرہ کو اس طرح ترتیب دینا کہ وہ کھیر بن جائے۔ لفظوں کو اس طرح ترتیب دینا کہ وہ فقرہ بن جائے، مدعی اپنے دعویٰ کی وضاحت اور مفردات کی جامع مانع تعریف کرنے کے بعد اپنی مسلمہ دلیل سے ثابت کرے گا اور دلیل کو اس طرح واضح کرے گا کہ تینوں قضیئے الگ الگ سمجھ آجائیں۔ کہ یہ صغریٰ ہے یہ کبریٰ ہے، اور یہ نتیجہ ہے۔

سائل پہلے صغریٰ کا ثبوت مانگے گا، ثبوت مانگنے کو اصطلاح مناظرہ میں منع کہتے ہیں، مثلاً حدیث ہے تو اس کی سند مانگنا۔ کہ حدیث کو صحیح ثابت کرو، مثلاً وہ کوئی حدیث پیش کرے تو یہ کہے گا کہ اس کا صحیح ہونا ثابت کرو۔ اگر ثابت کر دے تو گویا صغریٰ ثابت ہو گیا اب کبریٰ پر نقض وارد کیا جائے گا۔ نقض کہتے ہیں کہ یہ دلیل فلاں جگہ آپ نے توڑی ہوئی ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ **کان یرفع یدیه** سے دوام رفع یدین ثابت ہے، تو ہم کہیں گے **کان یصلی فی نعلیه**، سے آپ نے دوام نہیں مانا۔ تو گویا آپ کی یہ دلیل ٹوٹ گئی۔

اگر بالفرض مدعی کبریٰ کو بھی ثابت کر دے تو اب اس کے خلاف معارضہ پیش کیا جائے گا معارضہ کہتے ہیں کہ مدعی کی دلیل کے خلاف دلیل بیان کرنا۔ اب جب تک مدعی اس تعارض کو ختم نہیں کرے گا، اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ سائل مناظر ترتیب وار تین کام کرے گا۔

نمبر ۱۔ پہلے ثبوت مانگے گا۔

نمبر۲۔ پھر اس کی دلالت پر بحث کرے گا۔

نمبر۳۔ اور اس کے بعد اس کے خلاف دلیل بیان کر کے معارضہ بیان کرے گا۔

اگر دلیل ان تینوں سے بچ گئی تو اسے دلیل تام کہا جائے گا۔

نوٹ۔

حضرت رئیس المناظرینؒ نے فرمایا۔ میں اکثر کتابوں میں جب ان سے سوال کرتا ہوں تو یہ لکھتا ہوں کہ حدیث صحیح، صریح اور غیر معارض پیش کریں۔ صحیح اس لئے کہ اس پر منع وارد نہ ہو سکے، صریح اس لئے کہ اس پر نقض وارد نہ ہو سکے۔ اور غیر معارض اس لئے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ بیان کی جا سکے۔

پہلے گذر چکا ہے کہ مناظرہ میں دو مناظر ہوتے ہیں۔ ایک مدعی دوسرا سائل۔ مدعی کا کام دلائل دینا ہوتا ہے، سائل کے تین کام ہوتے ہیں، کہ اس کی دلیل کو رد کرنے کے لئے پہلے یہ پوچھے کہ حدیث ثابت بھی ہے یا نہیں؟ جب ثابت ہو جائے تو پھر معنی پر بحث ہوگی کہ اس کا جو معنی وہ بیان کر رہا ہے وہی معنی ہے یا کوئی اور ہے؟ تیسرا پھر اگر اس کے خلاف اگر کوئی دلیل ہو تو اس کو حل کرنا ہے تعارض کو ختم کرنا ہے، تو پھر یہ دلیل ہوگی۔

التزامی طور پر دو باتیں یاد رکھیں، ایک یہ کہ مناظرہ کی جگہ غیر جانبدار ہونی چاہئے، کسی فریق کی نہ ہو۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے اور دو تین دفعہ حضرتؒ کے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھیوں نے ان کی جگہ رکھ لی پھر کیا ہوگا، کچھ نہیں ہوگا تجربہ نہیں ہوتا، بعد میں وہ پولیس کو اطلاع دے کر مناظرہ بند کروا دیتے ہیں اب حضرتؒ تو ان کے گھر جا نہیں سکتے اور وہ اپنے گھر بیٹھے ہیں، پھر وہ اشتہار چھپوایا کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم مناظرے کی جگہ بیٹھے رہے اور حنفی نہیں آئے۔ تو بیٹھے بیٹھے فتح ہو گئی۔ یہ دو تین مرتبہ ہمارے ساتھ ہوا ہے، کہ وہ اپنی جگہ رکھ لیتے ہیں پھر پابندی لگوا دی، مناظرہ بند ہو گیا لیکن وہ اپنے گھر میں تو رہیں گے، اس کے بعد وہ اشتہار شائع کرتے ہیں، کہ قسم کھا کر خدا کی قسم ہم مناظرہ کی جگہ سارا دن بیٹھے رہے اور حنفی مناظر نہیں آئے۔

دوسرا یہ کہ مناظرہ کا وقت ضرور مقرر ہونا چاہئے کہ دو گھنٹے تین گھنٹے مناظرہ ہوگا۔ اس کے بغیر مناظرہ نہیں کرنا چاہئے۔ ان کی عادت ہوتی ہے کہ جیتنے تک ہونا چاہئے۔ جب مناظرے کا وقت مقرر ہوگا تو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مناظر مناظرے کے علاوہ باتیں نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کو فکر ہوتی ہے کہ میں نے اتنے وقت میں اپنے دلائل بھی پیش کرنے ہیں اور دوسرے کی باتوں کا جواب بھی دینا ہے۔ تو اس لئے وہ اپنے وقت میں اصل مسئلے کی طرف مصروف رہتا ہے۔ اور اگر وقت مقرر نہ ہو تو پھر اسے پتا ہے کہ مناظرہ تو شور پر ختم ہونا ہے بحث تو ہونی نہیں ہے، اس لئے وہ وقت مقرر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ کہتے ہیں کہ چلتا رہے گا چلتا رہے گا۔ اب مناظرے کا مسئلہ اور ہوگا چھیڑتے اور رہیں گے۔ تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اگر وقت مقرر ہو تو پھر کم از کم اتنے وقت میں لوگ بھی مطمئن ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ کہ اتنے وقت کے بعد مناظرہ ختم ہو جائے گا وہ توجہ سے سنتے ہیں۔ اور جب لوگوں کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ پتا نہیں شام تک چلتا ہے دو دن چلنا ہے تین دن چلنا ہے تو پھر لوگ پوری توجہ نہیں دیتے۔ پھر وہ مناظر بھی وقت ضائع کرتا ہے جس کے پاس دلائل نہ ہوں اور بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس دلائل ہوتے ہیں اس نے وہ پہلے دے دیئے اس کے بعد نئے نئے مسئلے چھیڑتے گئے وہ دلائل پیچھے ہوتے چلے گئے لوگوں کے ذہن سے نکل گئے، تو اس لئے وہ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں اگر دو گھنٹے وقت مقرر ہو جائے تو اس میں ایک تو لوگ مطمئن ہو کر سنتے ہیں کہ دو گھنٹے کا مناظرہ ہے، دوسرا یہ کہ مناظر بھی کم از کم یہ خیال کرتے ہیں کہ ان دو گھنٹوں میں ہم نے اپنی بات بھی سمجھانی ہے اور دوسرے کی بات کا جواب بھی سمجھانا ہے۔ تو پھر ان کے پاس ادھر ادھر کی باتوں کا وقت نہیں ہوتا تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو جاتا ہے۔

یہ جو میں نے بتایا کہ سائل مناظر تین کام کرے گا۔

منع، نقض، معارضہ،

اس کو ایک عام انداز میں اور سمجھیں کہ اگر تقریر میں بات کرنی پڑے تو کر سکے وہ یہ کہ

حدیث پر عمل کرنے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو یہ پتا ہو کہ یہ واقعۃً حدیث رسول ہے؟ آپ ﷺ کا قول ہے، یا فعل ہے یا آپ ﷺ کی تقریر ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کا جو مطلب میں نے سمجھا ہے حضور پاک ﷺ کی مراد بھی یہی تھی۔

تیسرا یہ کہ مجھے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ سوچیں گے کہ جب حدیث ثابت ہوگئی تو عمل کیوں نہیں؟ تو وہ میں تفصیلاً عرض کر دوں گا۔

اب اس میں جو پہلی بات ہے کہ یہ حدیث رسول ﷺ ہے اس میں بھی ہم سراسر امتیوں کے محتاج ہیں، کیونکہ درمیان میں راوی امتی ہوں گے۔ ان راویوں کا ثقہ کہنے والا بھی امتی ہوگا ضعیف کہنے والا بھی امتی ہوگا، تو جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم امتیوں کی بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں وہ حدیث مان نہیں سکتے۔ صحابہ کرامؓ کو یہ تین باتیں بیک وقت نصیب تھیں۔ حضرت ﷺ نے جو فرمایا انہوں نے اپنے کانوں سے سنا، یا آنکھوں سے حضرت ﷺ کو کرتے دیکھا، تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ حدیث نبوی ہے۔

پھر جس طرح ہم بات کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مخاطب کس قسم کا ہے اگر ذہین ہو تو اشارۃً بات کر دیتے ہیں، اور کم ذہن والا ہو تو اس کو مثالوں سے سمجھاتے ہیں تا کہ بات سمجھ آجائے۔ تو حضرت ﷺ کے سامنے بھی ہر قسم کے آدمی آتے رہتے تھے۔ اب حضرت عمرؓ تشریف لائے، یہ مسئلہ پوچھنا تھا کہ اگر بیوی سے روزے میں بوس و کنار کر لیا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ پوچھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں اس وقت سیب تھا تو حضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ٹوٹتا، دیکھا کہ یہ مجتہد صحابی ہے، اس کو طریقہ سمجھانا چاہئے کہ مسئلہ کس طرح حل ہوتا ہے، فرمایا اے عمر ہاتھ میں کیا ہے؟ کہا جی سیب ہے، کہا کہ دو ذرا، تو حضرت ﷺ نے سیب لے کر اپنے ہونٹ مبارک پر رکھ لیا، اور پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے یا باقی ہے؟ تو عرض کیا حضرت کھانے سے ٹوٹے گا ہونٹ لگانے سے تو نہیں

ٹوٹے گا۔ فرمایا کہ جو مسئلہ تو پوچھنے آیا تھا وہ سمجھ آ گیا ہے؟ کہا جی سمجھ آ گیا ہے۔

بخاری شریف میں آتا ہے کہ بعض دفعہ حضرت ﷺ تین تین مرتبہ ایک بات ارشاد فرماتے، تاکہ اچھی طرح سمجھ آ جائے۔ پھر بھی اگر سمجھ نہیں آئی تو وہ پوچھ سکتے تھے کہ ابھی ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ ہمیں مزید سمجھا دیں۔

لیکن اب ہمارے سامنے یہ چیز نہیں ہے اب آپ اور مطلب سمجھ رہے ہیں میں اور سمجھا رہا ہوں تو نہ آپ اللہ کے نبی ﷺ سے کہلوا سکتے ہیں کہ اس کا مطلب صحیح ہے نہ میں کہلوا سکتا ہوں کہ یہ مطلب صحیح ہے۔ تو اس میں بھی صحابہ کو کوئی بحث کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

رہا یہ کہ جو متعارض حدیثیں ہیں کس پر عمل کریں؟ تو ایک صحابی اس وقت ایمان لائے کہ حضرت ﷺ رفع یدین سے نماز پڑھ رہے تھے تو انہیں ایک وقت میں ایک ہی چیز ملی انہوں نے رفع یدین شروع کر دی۔ ایک صحابی اس وقت ایمان لائے کہ جب حضرت ﷺ بغیر رفع یدین کے نماز پڑھ رہے تھے۔ تو انہیں ایک ہی چیز ملی۔ تو یہ صحابہؓ کو ایک وقت میں ایک ہی چیز ملی، لیکن ہمیں وہ دونوں حدیثیں کاغذ پر لکھی ہوئی مل گئیں اور ان میں سے کوئی حدیث ہمیں بول کر نہیں بتاتی کہ میں پہلے کی ہوں اور وہ بعد کی ہے۔ اس لئے یہ بھی ہمارے لئے بحث تھی کہ ہم اس پر عمل کریں۔ تو یہ تین چیزیں تحقیق کے قابل ہوتی ہیں۔

پہلا یہ کہ اس کا ثبوت حضور پاک ﷺ تک ہو، صحابہ کو اس میں کوئی شک نہیں ہوتا تھا، وہ براہ راست حضور ﷺ کو عمل کرتے ہوئے دیکھتے تھے، سن لیتے تھے۔

دوسرا یہ کہ معنی میں کوئی اشکال نہ رہے، معنی واضح ہو جائے۔ تو صحابہؓ کے سامنے وہ مطلب واضح تھا، یا تو خود حضرت ﷺ سمجھا دیتے یا فقہاء صحابہؓ عمل کرتے۔ تو ان کو دیکھ کر سب کو پتا چل جاتا کہ اس کا یہ معنی ہے۔

تیسرا یہ کہ ان کو ان معارضات میں کوئی پریشانی نہ تھی ایک صحابیؓ اس وقت آئے جب ایک کام ہو رہا تھا انہوں نے وہ شروع کر دیا دوسرے صحابیؓ دوسرے وقت آئے۔

لیکن ہم ان تینوں باتوں میں امتیوں کے محتاج ہیں۔اب اگر معنی میں اختلاف ہو گیا تو جیسے میں نے پہلے بتایا کہ نہ میں اللہ کے نبی ﷺ سے کہلوا سکتا ہوں کہ اس نے جو معنی کیا ہے وہ صحیح ہے نہ دوسرا کہلوا سکتا ہے۔آگے رفع تعارض جو ہے کہ دو قسم کی حدیثیں مل گئیں اب ان میں سے کس پر عمل کریں اور کس کو ترک کریں۔تو اس میں بھی ہم امتیوں کے محتاج ہیں۔پھر آئمہ مجتہدین کچھ قوانین بناتے ہیں ان قاعدوں اور قانونوں سے وہ معلوم کرتے ہیں کہ پہلی کون سی ہے، اور بعد والی کون سی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا طریقہ ترجیح۔

مثال کے طور پر سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ نے شریعت کی رفتار کا مطالعہ فرمایا کہ ابتداء میں لوگ سب کچھ کر لیتے تھے، شراب بھی پی لیتے تھے پھر یہ منع ہو گئی۔جوا بھی کھیل لیتے تھے، پھر یہ منع ہو گیا۔سود بھی لے لیتے تھے، پھر منع ہو گیا۔نمازوں میں باتیں بھی کر لیتے تھے، پھر منع ہو گیا۔ انہوں نے اس رفتار کو دیکھ کر ایک قاعدہ بنا لیا کہ اگر کسی مسئلہ میں دو حدیثیں ہوں ایک اس کام کے کرنے کی یا جواز کی اور ایک نہ کرنے کی تو کرنے والی پہلے زمانے کی سمجھی جائے گی اور نہ کرنے والی بعد کے زمانے کی سمجھی جائے گی۔کیونکہ پہلے لوگ سب کچھ کر لیتے تھے۔اب ایک میں شراب کا پینا آ گیا اور ایک میں ترک آ گیا۔تو پینے والی پہلے زمانے کی ہوگی۔اور ترک والی بعد والے زمانے کی ہوگی۔ایک باتیں کرنے والی اور ایک ترک کی وہ بعد کی ہوگی۔

اس سے انہوں نے ایک قاعدہ بنا لیا اب جہاں وضاحت نہیں ہے وہاں وہ اسی قاعدہ کو استعمال کرتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی رفع یدین میں کوئی متعارض حدیث نہیں بس حضور ﷺ کرتے تھے، اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے۔کہ کبھی چھوڑی ہے۔کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں، وتر کی جو ہم رفع یدین کرتے ہیں اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں، عیدین کی تکبیرات کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے۔نہ حدیث ہے نہ کسی امام کا قول ہے، نہ کوئی عمل ہے، تو یہ تین رفع یدین غیر متعارض ہیں ان میں تعارض نہیں ہے۔

رکوع اور سجدے کی رفع یدین کرنے کی روایات بھی ملتی ہیں اور نہ کرنے کی روایت بھی ملتی ہیں تو امام صاحب نے اسی قاعدے کے مطابق کہ کرنے والی روایت پہلے کی ہے، کیونکہ حرمت آہستہ آہستہ آتی رہی ہے پہلے اباحت تھی پھر اباحت سے حرمت کی طرف چلی گئی۔ اور نہ کرنے والی بعد کی ہے، تو انہوں نے اپنے اس قاعدے کی وجہ سے اس کو پہلی قرار دیا اور اس کو بعد والی قرار دیا۔

لیکن انصاف انصاف ہی ہوتا ہے ہم اس کو اپنے امام کا اجتہاد کہتے ہیں کہ مثلاً اگر شوافع نے یہ بات نہیں مانی کہ وہ ہمارے امام کا اجتہاد اپنالیں تو ہم یہی کہتے ہیں کہ یہ حنفی نہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ محمدی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے امام کے اجتہاد کو نہیں مانا۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ شوافع نے ہمارے امام کا اجتہاد نہیں مانا۔

امام شافعیؒ کا طریقہ ترجیح۔

اس کے برعکس امام شافعیؒ نے بھی شریعت کو دیکھ کر ایک قاعدہ بنایا کہ ایک کام کے کرنے کی روایت بھی ہو اور چھوڑنے کی بھی ہو تو کرنا فعل ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور چھوڑنا ترک ہے اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ تو اس لئے انہوں نے کرنے والی کو اختیار کر لیا۔ کہ رفع یدین کرنا فعل ہے اور چھوڑ دینا ترک فعل ہے اور فعل پر تو ثواب ملتا ہے، ترک پر ثواب نہیں ملتا۔ اس لئے انہوں نے رفع یدین کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔ لیکن پھر جب ان سے پوچھا گیا کہ سجدوں میں بھی کرنے اور نہ کرنے دونوں طرح کی حدیثیں ہیں آپ نے وہاں اپنا قاعدہ توڑ دیا تو انہوں نے فرمایا کہ چونکہ اس پر کوئی عمل نہیں پایا گیا اس وجہ سے میں نے ترک کر دیا ہے۔

اسی طرح انہوں نے یہ کہا کہ فاتحہ کے پڑھنے کی روایت ہے اور نہ پڑھنے کی بھی روایت ہے۔ تو پڑھنے میں ثواب ملے گا اور ترک میں ثواب نہیں ملے گا۔ اس لئے پڑھنے والی پر عمل ہونا چاہئے۔ لیکن جب پوچھا گیا کہ آپ ایک سو تیرہ سورتوں کے نماز میں نہ پڑھنے کے قائل ہیں؟ فاتحہ کے علاوہ، پھر تو انہوں نے کہا کہ اس پر عمل نہیں پایا گیا تو مقصد یہ ہے کہ آئمہ مجتہدین پہلے

ایک قاعدہ بنا لیتے ہیں، اس قاعدے سے پھر معلوم کرتے ہیں کہ کون سی روایت کو پہلے کا کہا جائے اور کون سی روایت کو بعد کا کہا جائے۔ اب اگر ہم نے امام شافعیؒ کے اجتہاد کو نہیں مانا تو شافعی یہی کہیں گے کہ حنفیوں نے ہمارے امام کی بات نہیں مانی وہ کبھی یہ نہیں کہتے کہ حنفیوں نے ہمارے نبی کی بات نہیں مانی۔

اس کے برعکس غیر مقلدوں کا انداز ہی نرالا ہے، اب ایک دو حدیثوں میں سے ایک حدیث کو انہوں نے لے لیا، رفع یدین کرنے والی کو اور نہ کرنے والی کو چھوڑ دیا کیا کہہ کر، کہ کرنے والی صحیح ہے اور نہ کرنے والی ضعیف ہے۔ اب یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کا ہے یا اس غیر مقلد کا۔

حضرتؒ نے ایک مرتبہ نسائی شریف ایک غیر مقلد کے سامنے رکھی، حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ رفع یدین کرنے کی حدیث ہے اور یہ چھوڑنے کی حدیث ہے اس حدیث پر آپ کہتے ہو کہ ہمارا عمل ہے، اور آپ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہو ہم اس بعد والی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور آپ ہمیں اہل حدیث نہیں کہتے، اہل رائے کہتے ہیں۔ حالانکہ کہ یہ بھی حدیث ہے یہ فرق کہاں سے آ گیا کہ اس حدیث پر عمل کرنے والے اہل حدیث اور اس حدیث پر عمل کرنے والا اہل رائے ہیں۔ کہنے لگا اس لئے کہ وہ صحیح ہے او یہ ضعیف ہے۔ میں نے کہا کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے؟ کہا نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ہے؟ کہا نہیں۔ کس کا ہے؟ کہا ہے کہ جی میری تحقیق ہے۔ میں نے کہا کہ تو امتی ہے میں اگر تیری تحقیق نہ مانوں تو میں کافر تو نہیں ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ اب میرے جانے کے بعد تو شاگردوں کو کیا کہے گا؟ اگر تو یہی سچ بات کہہ دے گا کہ امین نے میری بات نہیں مانی میری تحقیق نہیں مانی۔ تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ کہیں گے کہ تو ابو حنیفہؒ کی نہیں مانتا تو امین نے اگر تیری نہیں مانی تو کون سی قیامت آ گئی ہے؟ یہ کہیں گے کہ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نہیں مانتا، اگر امین نے تیری نہیں مانی تو کون سی قیامت آ گئی ہے، لیکن تو میرے جانے کے بعد کیا کہے گا کہ امین نے نبی ﷺ کی بات نہیں مانی۔ تو میرے جانے کے بعد جو تو نے نبی بننا ہے تو مجھے ابھی

بتادے کہ تو نبی ہے؟ کیونکہ کہ میں تیری بات کا انکار کر کے جا رہا ہوں تو نے بعد میں ان کو کہنا ہے کہ وہ حنفی تھا وہ محمدی نہیں تھا۔اس نے ابوحنیفہؒ کی بات مانی ہے محمد الرسول اللہ کی نہیں مانی۔ میں تو تیری بات رد کر کے جا رہا ہوں، میں نے کہا کہ تو ابھی مجھے بتادے کہ تو بھی مرزے کی طرح محمد الرسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔میرے بعد جو کرنا ہے تو ابھی مجھے بتادے پھر کہنے لگا کہ بس جی آپ چلے جائیں۔تو ان میں کتنی ناانصافی ہے کہ ہم ان کی بات کا انکار کریں تو یہ کہتے ہیں رسول ﷺ کی بات کا انکار کرتے ہیں۔

شافعیوں اور حنفیوں میں یہ بات نہیں ہے، یہ لوگ یہ کہہ کر عوام کو ایک بہت بڑا دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو جی اگر ہم رفع یدین کریں نبی ﷺ کی سنت کہہ کر تو یہ ہم سے لڑتے ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ ہم امام شافعیؒ کی تقلید میں رفع یدین کرتے ہیں تو پھر نہیں لڑتے۔اور اگر امام شافعیؒ کے مقلد کہہ کر کریں تو پھر یہ ہم سے نہیں لڑتے اور اگر نبی ﷺ کی سنت کہہ کر کریں تو پھر یہ ہم سے لڑتے ہیں۔تو بات یہ ہے کہ جو شافعی رفع یدین کرتے ہیں وہ اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ نہیں بولتے، وہ کہتے ہیں کہ کہ اس کا سنت ہونا اللہ کے نبی ﷺ نے نہیں فرمایا ہمارے امام کی تحقیق ہے کہ یہ سنت ہے۔اور تم جو اس کو سنت نبوی کہتے ہو تو تم خدا کے نبی ﷺ پر جھوٹ بولتے ہو، تو اس جھوٹ بولنے کی وجہ سے تمہیں یہ کہتے ہیں کہ آخر یہ رفع یدین کس دلیل پر مبنی ہے؟ کسی دلیل پر ہونی چاہیئے۔امام شافعیؒ مجتہد ہیں کہ جیسے گنوں کے ایک کھیت کا مالک ہے، شافعیوں نے اس سے گنا مانگ کر لیا ہے اور تم نے چوری کیا ہے، تو اگرچہ گنا ایک ہی کھیت کا ہو لیکن چوری والا حرام ہو جاتا ہے۔تو اس لئے تمہاری رفع یدین چوری والی ہے۔ایک تو تم نے چوری کی دوسرا اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ بولا۔ یہ دو گناہ کبیرہ ہیں، اور شافعی یہ نہیں کرتا، شافعی مقلد ہے، اس نے کھیت والے سے مانگ کر لیا ہے اور پھر جھوٹ بھی نہیں بولتا۔وہ یہی بات کہتا ہے کہ میرے امام کی تحقیق ہے یہ نہیں کہتا کہ نبی کی تحقیق ہے۔اگر کوئی ان کے امام کی بات نہیں مانتا تو وہ یہی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی بات نہیں مانی، یہ کبھی نہیں کہتا کہ اس نے اللہ کے نبی ﷺ کی بات نہیں مانی۔

تو یہ غیر مقلد سارے کے سارے اپنے آپ کو اللہ اور رسول سمجھتے ہیں، اور ہمارے لوگ ان کو امام شافعیؒ سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شافعی نے کیوں اختلاف کیا، یہ کیوں ہوا، ایسا کیوں ہوا؟ شافعیؒ معصوم تھوڑا ہے ابوحنیفہؒ معصوم تھوڑا ہے؟ ہم بھی تو بات کر سکتے ہیں، یہ ان کا دعویٰ عام دھوکہ ہوتا ہے، یاد رکھیں یہاں جھگڑا معصوم غیر معصوم کا نہیں ہے، جھگڑا اہل اور نا اہل کا ہے۔ کہ مجتہد اپنے فن کا اہل ہے، اور غیر مقلد نا اہل ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے،

اذا وسد الامر لی غیر اهله فانتظر الساعة.

کہ جب کوئی امر کسی نا اہل کے سپرد کیا جائے تو سمجھو کہ اس قامت ٹوٹ پڑی۔

واقعہ۔

حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا ایک دن میرے پاس پانچ سات ڈاکٹر آئے آکر بیٹھ گئے میں نے کہا جی آپ کیا کام کر رہے ہیں، انہوں نے کہا جی ہم دین کی تحقیق کر رہے ہیں، میں نے کہا کہ دین کی تحقیق کا یہ طریقہ نہیں جو آپ اختیار کئے ہوئے ہیں کہنے لگا کہ کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا کہ چار سال چھٹی کر کے یہاں آجائیں، اور وہاں اپنی کلینک پر چماروں اور کمہاروں کو بٹھائیں کہ نسخے لکھیں، کہنے لگے کہ جی کس کو بٹھائیں؟ میں نے کہا کمہاروں اور چماروں کو، کہنے لگے وہ کیا کریں گے؟ میں نے کہا اتنا کچھ ہی کریں گے جتنا کچھ دین کے ساتھ تم کر رہے ہو۔ یعنی وہ بھی ڈاکٹری کے ماہر نہیں ہیں، ابھی اگر ایک چمار ڈاکٹری کا نسخہ لکھ دے اور کہے کہ جی ڈاکٹر کوئی معصوم تھوڑا ہے؟ میں بھی لکھ رہا ہوں تو وہ نا اہل اور اناڑی تو ہے، میں نے کہا کہ وہ تمہاری ڈاکٹری کے ساتھ اس سے زیادہ نہیں کریں گے جتنا تم دین کے ساتھ کر رہے ہو۔ وہ پڑھے لکھے لوگ تھے فوراً بات سمجھ گئے، کہنے لگے کہ جی واقعی ہم غلط کر رہے ہیں، کہ جس فن کو ہم نہیں جانتے اس فن میں ہم خواہ مخواہ دخل دیں، تو یہ واقعتاً ہماری زیادتی ہے، تو میں نے کہا بس یہی بات ہے کہ اہل کو اہل سے اختلاف کا حق ہوتا ہے نا اہل کو اہل سے اختلاف کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

تو یہاں یہ جھگڑا یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ معصوم ہیں اور یہ معصوم نہیں ہیں بلکہ یہاں یہ ہے کہ

امام ابوحنیفہؒ اہل ہیں اور یہ نا اہل ہیں، اس لئے ہم اہل کی بات مانتے ہیں نا اہل کی بات نہیں مانتے، یہ سارا قصہ ہے۔ تو معصوم اور غیر معصوم کی بات نہیں ہے اب دیکھیں کہ تینوں باتوں کی جب تحقیق کی ہے تو تینوں میں ہم امتیوں کے محتاج ہیں۔

تینوں قسموں کی تحقیق کس نے کی ہے؟

محدثین نے صرف پہلی بات کی تحقیق کی ہے کہ راوی سچے ہیں یا جھوٹے ہیں، آگے اس کے معنوں پر بحث محدثین نے نہیں کی، اس کے مطابق روایتیں ہیں تو محدثین نے کوئی بحث نہیں کی، باب باندھ دیتے ہیں یہ کرنے کا یہ نہ کرنے کا۔ تو جب تک تینوں باتوں کی تحقیق نہ ہو تحقیق نہیں ہوتی۔ اب یہ تینوں باتوں کی تحقیق مجتہدین نے کی ہے، امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف وہ احادیث لکھی ہیں جو صحیح ہیں، اب اس کو اتنا پروپیگنڈہ کردیا گیا کہ بچہ بچہ یہی کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، بخاری کی ہے۔ لیکن بخاریؒ نے جن حدیثوں کو صحیح کہا اللہ اور رسول سے پوچھ کر کہا ہے یا اپنی رائے سے کہا؟ اپنی تحقیق اور رائے سے کہا۔ ان کی تحقیق کو ماننا تقلید شخصی ہے یا نہیں؟

اس کے برعکس امام ابوحنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا وہ حنفیوں کو بھی یاد نہیں ہے، امام صاحب نے تینوں باتیں فرمائی ہیں کہ میں جب حدیث کی تحقیق کرتا ہوں تو ثقہ راوی دیکھتا ہوں، کسی کو ثقہ اور غیر ثقہ امتی کہتے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ نے نہیں فرمایا، لیکن امام صاحبؒ نے کیا فرمایا کہ میں صرف اپنی ذاتی تحقیق کو آگے نہیں رکھتا تمام محدثین اہل کوفہ جس کو صحیح کہیں اس کو صحیح کہتا ہوں۔ تو دیکھو کہ اجماع اور انفراد میں فرق ہوتا ہے یا نہیں؟ **ید الله علی الجماعة.** اللہ کا ہاتھ تو جماعت پر ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ نے ذاتی تحقیق سے صحیح کہا اور امام ابوحنیفہؒ نے اجماعی تحقیق کو تسلیم کیا۔ تو اس بارے میں بھی امام ابوحنیفہؒ کا مقام تنقید حدیث میں امام بخاریؒ سے بہت اونچا ہے۔

دوسری بات تھی اس کی دلالت اور رفع تعارض کی۔ اس میں امام بخاری اور دیگر محدثین امام صاحب کے مدمقابل نہیں ہیں۔ شافعیؒ، مالکؒ، احمد بن حنبلؒ یہ مجتہدین مدمقابل ہیں۔ یہاں

بھی یہی کچھ ہوا کہ امام شافعیؒ نے جو تحقیقات فرمائیں وہ اکیلے بیٹھ کر فرمائیں، امام احمدؒ نے اکیلے بیٹھ کر فرمائیں، امام مالکؒ نے اکیلے بیٹھ کر فرمائیں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے پہلے چالیس مجتہدین کی ایک جماعت تیار کی اور پھر ان میں بیٹھ کر ان کو آزادانہ حق دیا کہ جس کے پاس جو ہو وہ پیش کرے، تو دلالت کی بحث میں چالیس شریک رہے، اور رفع تعارض میں بھی وہ چالیس شریک رہے۔ تو اس لئے یہ سب سے زیادہ منقح فقہ تھی اس میں جتنی تنقیح ہوئی کسی اور فقہ میں نہیں ہوئی۔

حضرتؒ لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثال دیا کرتے تھے، کہ دیکھو ایک حافظ صاحب تراویح پڑھا رہے ہیں اور سامع پیچھے کوئی نہیں ہے، تو کچھ شبہ تو رہتا ہے نہ کہ پتا نہیں کوئی غلطی ہوئی ہو اور پکڑی نہ گئی ہو، اور ایک حافظ صاحب پڑھا رہے ہیں پیچھے چالیس حافظ کھڑے ہیں تو پھر عقل مانتی ہے کہ یہاں غلطی نہیں ہوسکتی، امام شافعیؒ جب تحقیق کر رہے ہیں تو کوئی آدمی ساتھ لقمہ دینے والا نہیں بیٹھا کہ حضرت یوں بھی ہوسکتا ہے، امام مالکؒ بھی اسی طرح، امام احمد بن حنبلؒ بھی اسی طرح، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے پاس ہر فن کے امام بیٹھے ہوئے ہیں لقمہ دینے کے لئے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں تین امام اتفاق کرلیں تو پھر اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ پوچھا گیا کہ حضرت وہ تین امام کون سے ہیں؟ فرمایا امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، اور امام محمدؒ کہ ان تینوں کا اگر اتفاق ہو جائے تو پھر کیا بات ہو جاتی؟ فرمایا کہ سب سے پہلے معنی کی بحث ہوتی ہے تو امام محمدؒ بلا مقابلہ لغت کے بہت بڑے امام ہیں، اور قاضی ابو یوسفؒ حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ اجتہاد کے بہت بڑے امام ہیں۔

یعنی معنی کے لئے لغت چاہئے تو یہاں لغت کا امام بیٹھا ہے، جو لغت کا سب سے بڑا امام ہے، اور قاضی ابو یوسفؒ محدثین کے امام ہیں، امام ابوحنیفہؒ مجتہد ہیں، یعنی بات سے بات نکالنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ تو فرمایا کہ جب یہ تینوں کسی مسئلہ پر اکٹھے ہو جائیں تو پھر اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ جب سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کسی مسئلہ میں

اکٹھے ہو جائیں تو پھر میں کسی اور طرف نہیں دیکھتا۔ کیونکہ سفیان ثوریؒ حدیث کے امام ہیں اور ابو حنیفہؒ اجتہاد کے امام ہیں، تو دونوں کا اتفاق ہو جائے تو معلوم ہوا کہ عقل اور نقل روایت اور درایت دونوں محقق طور پر سامنے آ گئی ہیں۔

امام وکیع ابن الجراحؒ جو سب صحاح ستہ والوں کے استاد ہیں، یہ جب حدیث پاک پڑھاتے تو قال قال رسول اللہ ﷺ کے بعد فرماتے کہ قال ابو حنیفہ کہ ابو حنیفہؒ نے اس حدیث سے فلاں مسئلہ نکالا ہے۔

ایک دن ایک آدمی نے کہا کہ آپ ہمیں قال رسول اللہ ﷺ لکھوایا کریں، قال ابو حنیفہؒ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ تو امام وکیعؒ نے فرمایا کہ حدیث وحی متلو نہیں ہے کہ اس کی صرف تلاوت سے ثواب ملے، جیسے قرآن کے معنی نہ بھی آتے ہوں تو تلاوت سے ثواب ملتا ہے، یہ تو وحی غیر متلو ہے، اس میں الفاظ مقصود ہی نہیں۔ اصل مطلب مقصود ہے، اور تم حدیث پڑھ کر لفظ یاد کر کے کیا کرو گے جب تک تمہیں اس کا مطلب نہ آیا۔ تو اس کا مطلب امام ابو حنیفہؒ سمجھاتے ہیں، تو اس نے کہا کہ اخطا ابو حنیفۃ ابو حنیفہؒ سے خطا ہوئی، امام وکیعؒ نے فرمایا کہ اس کو نکال دو، آئندہ یہاں نہ آیا کرے، پھر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ امام ابو حنیفہؒ سے خطا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ وہاں لقمہ دینے والے بیٹھے ہوتے تھے، جو اس خطا کو بتا سکتے تھے، اس کے بعد گر گر کر فرمایا کہ حدیث کے امام مسعر بن کدامؒ، امام ابو یوسفؒ جیسے بیٹھے ہوتے تھے، لغت کے امام، امام محمدؒ جیسے بیٹھے ہوتے تھے اور تصوف کے امام قاضی عیاضؒ جیسے بیٹھے ہوتے تھے۔ تو ہر فن کے وہاں امام بیٹھے ہوتے تھے، امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں تو اس لئے خطا ہو جاتی، لیکن یہ خطا پر اس کو چلنے نہیں دیتے تھے روک دیتے تھے، تو اس لئے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اور تحقیق کامل ترین تحقیق ہے۔

جتنے بھی باطل فرقے اٹھتے ہیں وہ قرآن حدیث کرتے پھرتے ہیں فقہ کا نام بھی نہیں لیتے، کیونکہ فقہاء نے مکمل تحقیق کر لی ہے، اور تحقیق کے تین خانے تھے، ثبوت کی تحقیق ہو، معنی کی تحقیق ہو اور رفع تعارض کی تحقیق ہو۔ تو یہ جو محدثین کا غیر مقلد نام لیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ

ان کو محدثین سے محبت ہے، بات اور ہے کہ محدثین نے ان کو ٹانگیں اڑانے کے لئے دو خانے خالی چھوڑ دئے تھے۔

اب حدیث بخاری سے لیں گے اور معنی اس میں اپنا ڈالیں گے، اور رفع تعارض میں جس کو وہ ترک کریں گے، یہ دوسری کو لے لیں گے۔ تو انہوں نے چونکہ ان محدثین نے دو خانے فقہاء کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ فقہاء سے اس لئے ہر باطل فرقہ کو دشمنی ہے کہ فقہاء نے کوئی خانہ ٹانگ اڑانے کے لئے خالی نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے ثبوت کی بھی تحقیق کر لی، دلالت کی بھی تحقیق کر لی، اور رفع تعارض کی بھی تحقیق کر لی۔

اس لئے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اس کے معنی کی تحقیق کرتا ہوں تو پھر میں دیکھتا ہوں کہ فقہاء اہل کوفہ کا اجماع اس مفہوم پر ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو ان میں چالیس وہ بھی شامل تھے، دوسرے بھی، تو پھر کہتے ہیں کہ میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ تو امام شافعیؒ کی تحقیق شخصی تحقیق ہے، امام مالکؒ کی تحقیق شخصی تحقیق ہے، امام احمدؒ کی تحقیق شخصی تحقیق ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق شورائی انداز کی ہے، اور اجتماعی تحقیق ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب دو حدیثیں آئیں میں تحقیق کرتا ہوں کہ حضرت ﷺ کا آخری عمل کون سا ہے؟

و یاخذ من آخر فعل النبی ﷺ.

خلاصہ کیا نکلا کہ تحقیق کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے، اور تینوں کی مکمل تحقیق فقہاء نے کی ہے، محدثین نے نہیں کی، جو محدثین کی طرف آپ کو لے جاتے ہیں ان کو محدثین سے پیار نہیں پیار اپنی نفسانیت سے ہے کہ وہاں ان کو دو خانے خالی نظر آتے ہیں وہاں وہ اپنی ٹانگ پھنسا سکتے ہیں۔ اور مجتہدین نے ٹانگ اڑانے کے لئے کوئی خالی جگہ نہیں چھوڑی، تو اس لئے یہ حضرت اس قسم کے محدثین کا نام لیتے ہیں۔

محدث اور مجتہد میں فرق۔

یہ فرق بھی سمجھیں کہ محدث اور مجتہد میں پہلا فرق کون سا ہے؟ کہ مجتہد مکمل تحقیق کرتا ہے،

محدث صرف جزوی تحقیق کرتا ہے کہ راوی ثقہ ہے یا نہیں؟

دوسرا فرق کیا ہے کہ مجتہد پورے مسئلے بتاتا ہے، محدث کبھی بھی پورے مسئلے نہیں بتائے گا۔ آپ فقہ کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب لے لیں، تعلیم الاسلام آپ کو نماز کی ساری شرطیں دو سطروں میں مل جائیں گی۔ نماز کے فرائض سارے مل جائیں گے۔ نماز کی ساری سنتیں مل جائیں گی۔ اور صحاح ستہ کھول کر بیٹھ جائیں تو آپ کو پوری سنتیں نہیں ملیں گی۔ نہ پوری شرطیں ملیں گی، تو ہمیں مکمل مسائل کی ضرورت ہے یا چند مسائل کی ضرورت ہے؟ مکمل مسائل کی ضرورت ہے۔

واقعہ۔

حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا کہ ایک دن ایک پروفیسر صاحب چار پانچ لڑکوں کو لے کر آ گئے وہ غیر مقلد تھا، تو لڑکے کچھ مقلد تھے اور کچھ غیر مقلد تھے، وہ اس لئے لے کر آتے ہیں کہ بات ہوگی تو یہ جو مقلد ہیں یہ بھی کچھ بگڑ جائیں گے۔ اتفاق سے میں بچہ کو تعلیم الاسلام پڑھا رہا تھا، بیٹھو بھائی بیٹھو۔ تو آ کر بیٹھنے سے پہلے کہتا ہے کہ فرق پہلے سمجھ لو کہ ہم مسئلہ بخاری سے لیتے ہیں یہ تعلیم الاسلام سے لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پروفیسر صاحب جھوٹ بولے بغیر آپ کا کھانا ہضم نہیں ہوتا؟ کہتا جی کیا لیتے ہیں آپ بخاری شریف سے، بخاری میں سب کچھ ہے، میں نے کہا کہ بخاری میں **کتــــاب الاذان** تقریباً نوے صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اور اس میں اذان نہیں ہے۔ آپ مجھے آذان نکال دیں، یہ دیکھو تعلیم الاسلام میں پوری آذان ہے۔

اب وہ لڑکے بھی بڑے پریشان ہوئے، میں نے عربی بخاری اس کو دیدی اور ترجمہ لڑکوں کو دے دیا کہ نکالو، دیکھتے رہے، پسینہ بہہ رہا ہے، میں نے کہا کہ جھوٹ بولتے ہو پہلے آذان دینی ہوتی ہے، بخاری میں وہی نہیں ہے۔ مل گئی جی مل گئی۔ کیا ملا؟ کہ آذان دوہری اور اقامت ایک مرتبہ، میں نے کہا کہ کس کو دوہرا کرنا ہے، اذان کو دو دفعہ کہنا ہے، اذان اذان، اور اقامت کو ایک دفعہ کہنا ہے، اقامت۔ کہتا ہے نہیں جی۔ کلمات اذان دو مرتبہ کہنے ہیں، میں نے کہا کہ وہ کلمات سناؤ، بخاری میں کیا ہیں حدیثیں نکال کر، خاموش۔

میں نے کہا کہ دیکھو **کتاب الجنائز** بخاری میں ہے، کہا جی ہے، میں نے کہا کہ جنازہ کا طریقہ نہیں لکھا، بخاری میں نکالو کہاں ہے۔ یہ تعلیم الاسلام میں تین سطروں میں طریقہ لکھا ہوا ہے، بچہ بھی آجائے تو میں کہوں گا پڑھ لو کیا ہے۔ اور بخاری میں جنازہ کا طریقہ نکال دیں۔ نکالنے لگے کافی دیر کے بعد کہنے لگے مل گیا جی، میں نے کہا چار مرتبہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ تو یہ نماز جنازہ ہو گیا یا نہیں؟ کہتے نہیں یہ پورا تو نہیں ہے۔ میں نے کہا ہم نے تو پورا پڑھنا ہے۔ صرف چار تکبیروں سے جنازہ تو نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ **کتاب العیدین** ہے بخاری میں؟ کہتا ہے جی ہاں ہے۔ میں نے کہا وہاں عید کا طریقہ نہیں ہے کہ کیسے پڑھنی ہے؟ اب بڑا پریشان ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ فقہاء نے ہمیں مکمل مسائل بتائے ہیں۔ محدثین نے نہیں بتلائے۔

تیسرا یہ کہ فقہاء نے جو مسائل بتائے وہ عملاً متواتر آرہے ہیں، اور محدثین کے لکھے ہوئے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو تواتر عملی کے خلاف ہیں، کیوں کہ یہ محدثین فقہاء کے بعد ہوئے۔ سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ ہوئے ان کے شاگرد امام مالکؒ ہیں، ان کے شاگرد امام شافعیؒ ہیں، ان کے شاگرد امام احمدؒ ہیں ان کے شاگرد امام بخاریؒ ہیں۔ تو اس لئے جو متواتر مسائل تھے وہ آئمہ مجتہدین نے لے لئے، اور جو عمل میں متواتر نہیں تھے وہ محدثین نے اکٹھے کئے کہ کہیں یہ لوگوں کو بھول ہی نہ جائیں۔

پوری امت کا عمل بیٹھ کر پیشاب کرنے پر ہے فقہاء نے یہ لکھ دیا، امام بخاریؒ نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث بخاری میں لکھی ہی نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ اگر وہ نہ بھی لکھتے تو امت کو یہ بھولتی نہ۔ کیونکہ سب کا عمل ہے اور اگر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی حدیث ذکر نہ کرتے تو وہ آج تک ہمیں بھول چکی ہوتی۔ خود بخاریؒ سے پتہ چلتا ہے کہ اسی دور میں بھول چکی تھی۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ یہ لوگوں کو پتا نہیں ہے، میں نے ہی دیکھا ہے حضور ﷺ کو پیشاب کرتے ہوئے۔

ایسا کیوں کیا؟ اس میں محدثین اور شارحین کا اختلاف ہے کہ بیہقی کی ایک روایت ہے

کہ آپ کی پنڈلی پر زخم تھا اس وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔ لیکن وہ روایت صحیح نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، لیکن فقہاء یہ کہتے ہیں کہ نفس جواز کے لئے یہ کیا کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو اس طرح کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر چھوٹے چھوٹے سوئی کے ناکے کے برابر پیشاب وغیرہ کے چھینٹے پڑ جائیں تو اس سے چیز نجس نہیں ہوتی۔ کیونکہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اس قسم کے چھینٹوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ تو انہوں نے اس سے یہ مسئلہ لیا ہے۔

اب فقہاء نے یہی لکھا کہ جوتے اتار کر نماز پڑھنی چاہئے۔ اب اگر اس کو امام بخاری نہ بھی لکھیں تو بھی یہ بات امت کو بھول نہیں سکتی، کیونکہ سب کا عمل ہے، لیکن وہ جوتے پہن کر نماز پڑھنے والی حدیث لائے ہیں۔

تو اس لئے تین فرق بیان کئے ہیں کہ فقہاء نے پورے مسائل بیان کئے ہیں اور محدثین نے پورے نہیں بتائے۔ مجتہدین پوری تحقیق کرتے ہیں اور محدثین جزوی تحقیق کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ مجتہدین نے جو مسائل بتائے وہ ان کے مقلدین کے ذریعے سے عملاً متواتر چلتے آرہے ہیں۔ شافعی ملکوں میں شافعی اعمال متواتر ہیں، حنفی ملکوں میں حنفی اعمال متواتر ہیں، مالکی علاقوں میں مالکی اعمال متواتر ہیں، اس میں کوئی بحث کی ضرورت نہیں ہے، تواتر کے ساتھ چلے آرہے ہیں، اور محدثین کے مسائل متواتر نہیں ہیں، تو اس لئے ہمیں فقہاء کے ہی سپرد کیا گیا ہے۔ تو مکمل تحقیق ان حضرات کی ہے۔

موٹی باتیں عرض کر دیں اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں وجہ ترجیح بھی بیان کر دی۔ پھر ایک اور خصوصیت جو امام ابوحنیفہؒ میں تھی کہ باقی تینوں امام عرب میں پیدا ہوئے ہیں، عرب میں اس زمانے میں پرائمری سکول بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے عرب میں عقلی مسائل اور اعتراضات وغیرہ کوئی نہ کرتا تھا۔ حضرت امام صاحبؒ کوفہ میں پیدا ہوئے ہیں، انکا مدرسہ کوفہ میں تھا عجم کے سارے لوگ یہاں پڑھنے آتے تھے، تو یونانی فلسفہ کے اعتراضات وہاں شروع ہو جاتے تھے، یہ

کوفہ نیکیوں اور بدیوں کا مرکز بن گیا تھا، اب جو کوفہ کے مخالف لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایسے شرارتی لوگ تھے وہ شرارتی کون تھے؟ صحابہ تھے؟ تابعین تھے؟ تبع تابعین تھے؟ نعوذ باللہ نہیں۔ یہ کوفہ شہر حضرت عمرؓ نے بسایا تھا حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا، کس لئے بسایا تھا؟ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ اتنا بڑا شہر کس لئے آباد کررہے ہیں؟ تو فرمایا کہ دو کاموں کے لئے ایک تو یہ کہ یہ عظیم چھاؤنی ہو تاکہ عجم کو یہیں سے فتح کیا جاسکے، اور دوسرا اس لئے کہ یہاں ایک عظیم یونیورسٹی ہو کہ یہیں سے دین اسلام دنیا میں پھیلایا جاسکے۔ اس چھاؤنی کے انچارج حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بنایا گیا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اس مدرسہ کے پرنسپل وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے چار سندیں عطا فرمائی تھیں۔ ایک قرآن کی، بخاری شریف میں بھی ہے کہ اگر قرآن سیکھنا ہے تو چار سے سیکھو، ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام ہے۔ دوسری حدیث مسند احمد میں ہے کہ جو حدیث تمہیں عبداللہ بن مسعودؓ بیان کریں اس کو دانتوں سے مظبوط پکڑ لو۔ کیونکہ یہ فقیہ صحابی تھے یہ منسوخ حدیث روایت ہی نہیں کرتے تھے، وہ روایت کرتے تھے جس میں عمل جاری رہا ہو، اور تیسری فقہ کی سند کہ یہ میری امت کا فقیہ ہے، چوتھی سند یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی مشورے کے بغیر خلیفہ بنانا چاہوں تو عبداللہ بن مسعودؓ میں پوری پوری صلاحیت ہے۔ ان کو وہاں کا پرنسپل بنا کر بھیجا۔ اور ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے خط لکھا جو تذکرۃ الحفاظ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے حالات میں درج ہے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اے کوفہ والو عبداللہ بن مسعودؓ کی مجھے تمہاری نسبت زیادہ ضرورت تھی، تاکہ میں ہر بات میں ان سے مشورہ کرسکوں۔ لیکن چونکہ میرے دل کی خواہش ہے کہ یہ مدرسہ اتنا اہم ہو کہ یہاں سے پوری دنیا میں دین پھیلانا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے اوپر تمہیں ترجیح دے کر ان کو بھیج رہا ہوں۔ تم ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا۔ اب انہوں نے فائدہ اٹھایا یا نہیں؟

تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد جب حضرت علیؓ کوفہ پہنچے تو آپ

نے دیکھا کہ ہر گھر دین کا مدرسہ بنا ہوا ہے، **اصحاب ابن مسعود ﷺ سرج اهل الكوفة** ابن مسعود کے ساتھی کوفہ کے چراغ ہیں۔ اور حضرت علی ﷺ کے منہ سے بے ساختہ یہ دعا نکلی کہ اے اللہ عبداللہ بن مسعود ﷺ کو قبر کو اسی طرح نور سے بھر دے جس طرح اس نے کوفہ کے ہر ہر گھر کو دین سے بھر دیا۔

جب مدینہ منورہ میں سات فقیہ تھے اس وقت کوفہ میں چار سو فقیہ تھے۔ لیکن یہ فوجی چھاؤنی تھی تو یہیں سارے علاقوں کے فاتح تھے۔ اب جو لونڈیاں غلام پکڑے جاتے وہ ان کے حصہ میں آتے تو سب قسم کے کافر بھی لونڈی غلام کی شکل میں یہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ جتنی بھی کفر کی قسمیں تھیں وہ ساری یہاں آ گئی۔ جہاں مقابلہ ہوتا ہے وہاں تحقیق بھی زیادہ ہوتی ہے۔

واقعہ۔

حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا کہ پاکستان بننے سے پہلے ہم قرآن پاک پڑھ رہے تھے، استاد صاحب سے سبق پڑھتے تھے، تو اوکاڑہ میں ایک سکھ تھا جو چیئرمین تھا، اس کی بیٹی کی شادی تھی، اب جب چیئرمین صاحب کی بیٹی کی بارات آئی تو اس گلی سے باجے بجاتے ہوئے آئی جو مسجد کے سامنے تھی تو مسلمانوں کے صرف پانچ گھر تھے، وہ ڈنڈے لے کر کھڑے ہو گئے کہ ہم اپنی مسجد کی بے حرمتی نہیں ہونے دیں گے، یہاں باجے نہیں بجنے دیں گے، وہ بھی لڑنے کے لئے تیار ہو گئے، پولیس بھی آ گئی تو چیئرمین کو پتا چلا تو چیئرمین آیا، اس نے کہا کہ تم کیوں لڑتے ہو دوسری گلی ہے اس گلی سے آ جاؤ۔ تو پھر وہ اس گلی سے گزرے۔

جب مقابلہ ہوتا ہے تو پھر اتنا جذبہ اور جوش ہوتا ہے، اور اب سکھ چلے گئے ہیں اب مسجد کی دکانوں میں ریڈیو، ٹی وی چلتے ہیں یا نہیں؟ چلتے ہیں۔ ہم مسلمان خود چلاتے ہیں اور اس وقت کہتے تھے کہ نہیں نہیں یہ مسجد ہے اس کا احترام ضروری ہے۔

تو یہ مقابلہ بھی ایک عجیب چیز ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ یہاں ہر قسم کے کافر آ گئے۔ انہوں نے ہر قسم کے اعتراضات اسلام پر کئے، جو وہ کر سکتے تھے۔ تو امام صاحب کو اسو جہ سے ہر قسم کے

اعتراضات کے جوابات تلاش کرنے پڑے، عقلی اعتراضات بھی اسلام پر کرتے تھے، تو باقی امام صرف نقلی ثبوت پیش کرتے تھے، امام صاحب کی کوشش تھی کہ عقل کے مطابق بھی دین کے مسئلے کو ثابت کیا جائے۔ اس لئے امام صاحب نقل کے ساتھ عقل کے دلائل کو بھی بیان کرتے، تو جو حاسدین تھے انہوں نے سے اس طرح پھیلایا کہ امام ابو حنیفہؒ سارا کام عقل سے لے لیتا ہے، رائے سے لیتا ہے۔ حالانکہ وہ عقل کو کتاب وسنت کی تائید میں پیش کرتے تھے۔

واقعہ۔

بھٹو تحریک میں ایک مہینہ جیل میں رہا، جب میں جیل میں تھا تو وہاں درس میں دیتا تھا، فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کا درس، ظہر کے بعد حدیث کا عصر کے بعد ہم والی بال کھیلتے تھے، اور مغرب کے بعد فقہ کا، عشاء کے بعد تصوف کا درس دیتا تھا۔ تو مودودیوں کو اس کا زیادہ غصہ تھا، ان کے ساتھ طالب علم آئے ہوئے تھے تو ایک ہفتہ صرف بسم اللہ پر درس چلا، اب وہ سمجھتے ہیں کہ تفہیم القرآن سے باہر دنیا میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ مجھے دوسرے تیسرے دن پوچھنے لگے کہ آپ نے تفہیم القرآن پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ یہ اتنے مسائل کہاں سے لے آتے ہیں؟ میں نے کہا تفہیم القرآن میں کوئی علم نہیں ہے، علم ہمارے علماء کے پاس ہے۔

اب انہوں نے سوچا کہ یہ لڑکے متاثر ہو رہے ہیں اور یہ ہم سے کٹ جائیں گے، تو اب میرے دوسری طرف جو آدمی تھا وہ اس کے پاس لڑکوں کو بھیج دیتے، وہ لڑکوں کو لے کر بیٹھ جاتا، وہ باتیں ان سے کرتے اور سنانی مجھے مقصود ہوتی تھیں کہ بس جی دیکھو ہم جیل میں پڑے ہوئے ہیں، یہ مفتی محمود کی غلطی ہے، اگر وہ بھٹو سے اتحاد نہ کرتے تو آج ہمیں یہ دن جیل میں نصیب نہ ہوتے۔ علماء کی غلطیوں کی سزا ہم بھگت رہے ہیں، علماء کے خلاف وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے اور ساتھ یہ کہتے کہ مودودی صاحب نے یہ کیا، یہ کیا، کتابیں لکھی۔

پہلے دن میں نے سوچا کہ اگر میں ان کو روکوں گا تو بات یہ ہوگی کہ بچے تھے جی، پھر کیا ہوا، دوسرے دن پھر انہوں نے یہ کیا، مجھے اور یقین ہو گیا کہ یہ صرف مجھے سنانے آتے ہیں،

تیسرے دن جب آئے تو میں نے کہا دیکھو دو دن میں نے تمہاری باتیں سنی ہیں، میری اصطلاح میں یہ میری بے غیرتی تھی، تمہاری اصطلاح میں رواداری تھی۔ آج تمہیں میری باتیں سننی پڑیں گی۔

میں نے کہا کہ آپ مولانا مودودی کا نام بار بار لیتے ہیں انہوں نے دین کو کیا دیا ہے؟ اس کی ساری کتابیں آدمی سامنے رکھ کر وضو نہیں کر سکتا، ایک رکھ دو تو نماز نہیں پڑھ سکتا، کہتے جی انہوں نے فلسفہ دیا ہے، میں نے کہا کہ قیامت کے دن نماز پوچھی جائے گی اس کا فلسفہ کسی نے نہیں پوچھنا۔ کتنے نمازی ہیں جو دین کا فلسفہ نہیں جانتے مگر نماز پڑھ رہے ہیں، اللہ کا حکم پورا کر رہے ہیں، کہا جی انہوں نے بہت عقلی دلائل دیئے ہیں۔ میں نے کہا یہی اس کی گمراہی ہے۔ عقلی دلائل ہمارے علماء بھی دیتے ہیں لیکن کتاب وسنت کی تائید میں۔ اس نے عقل کو آگے کر دیا ہے اور کتاب وسنت کو پیچھے کر دیا ہے۔ عقلی باتیں لکھتا جاتا ہے کہیں بیس پچیس صفحات کے بعد ایک آدھ حدیث آجاتی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ اس کی بات صحیح ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مودودی کی تائید میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا کہ میں سکول کا آدمی ہوں، اگر مجھے ٹھوکر نہ لگتی تو میں یقیناً مودودی ہوتا۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس دور کی سب سے بڑی بیماری عقل پرستی ہے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی بات عقل میں آئے تو مانیں گے، عقل میں تو چوڑھے چمار کی بات آجائے تو وہ بھی مانتے ہیں۔ پھر نبی ﷺ کا مقام کیا رہا۔ پھر تو اپنی عقل کو مانا نبی ﷺ کو تو نہ مانا۔

میں یہ سوچا کرتا تھا کہ حضرت تھانویؒ کا چونکہ سکولوں کالجوں سے واسطہ نہیں پڑا اس لئے حضرتؒ نے یہ فرما دیا، ورنہ سکولوں کالجوں کے لڑکوں میں عقلی دلائل بہت کامیاب رہتے ہیں۔ میرے ذہن میں بھی یہ بات تھی۔

پتوکی میں عیسائیوں سے مناظرہ ہوا حلال حرام کے مسئلہ پر، میں نے بڑا زور مارا کہ یہ جو

غذائیں ہیں ان میں کچھ غذائیں خشک ہیں، کچھ تر ہیں، کچھ گرم ہیں، کچھ سرد ہیں، گرم غذا کھانے سے جسم میں گرمی پیدا ہوتی ہے، خشک غذا کھانے سے خشکی پیدا ہوتی ہے، سرد غذا کھانے سے مزاج میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے، اسی طرح کچھ غذاؤں میں نورانیت ہوتی ہے اور کچھ میں ظلمانیت ہوتی ہے۔ حلال چیزوں کے استعمال سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور حرام چیزوں سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، اس کی مثال میں نے دی کہ جیسے خنزیر ہے یہ ایسا بے حیا اور بے غیرت جانور ہے کہ ماں پر بھی جفتی کر جاتا ہے، اس لئے خنزیر خوار قومیں پرلے درجے کی بدکار ہیں۔ میں نے یہ دلیل بڑے زبردست انداز میں دی، پچاس ساٹھ آدمی بیٹھے پادری کا نام تھا فتح دین۔ اس نے کہا مولانا نے دلیل بیان کی ہے کہ خنزیر بڑا بے حیا جانور ہے ماں پر بھی جفتی کر جاتا ہے، اس لئے حرام ہے، اور اس کو کھانے سے بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔ سامنے ایک بکری اور اس کا بچہ باندھا ہوا تھا، اس نے کہا یہ بکری ہے یہ اس کا بچہ ہے، اس مسلمان سے میں نے خریدا ہے۔ اس نے بچے کو چھوڑا تو وہ ماں پر جفتی کر گیا۔ اس نے کہا اب بتاؤ یہ حلال ہے یا حرام۔

اس دن مجھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی قدر معلوم ہوئی، کہ عقلی دلائل جتنے بھی ہوں آخر ان کا کوئی نہ کوئی توڑ نکل آتا ہے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ لیل تو میری ٹوٹ گئی، پھر میں نے اصل دلیل جوتھی بیان کی۔ جس طرح ہماری جو ملکیت ہے اس میں ہمیں اختیار ہے کہ ہم جس چیز کے استعمال کی کسی کو اجازت دیں گے وہ اس کے لئے حلال ہے۔ اور جس کی اجازت نہیں دیں گے وہ حرام ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو کامل اختیار ہے وہ جس چیز کے استعمال اجازت دیں گے ہم اس کو حلال کہیں گے اور جس چیز کے استعمال سے منع فرما دیں گے ہم اس کو حرام کہیں گے۔ اس کے ساتھ میں نے مثال دی کہ بہن اور بیوی ان کا جسم ایک ہی قسم کا ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک کو ہمارے لئے حلال کر دیا اور دوسری کو حرام کر دیا۔

اس سے میں مناظرہ تو جیت گیا لیکن میرا ذہن بدل گیا کہ عقلی دلائل جو ہیں وہ واقعی کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اس سے پہلے مجھے مودودی کی کتابیں اچھی لگتی تھیں، پھر مجھے پتا چلا کہ ان میں

اصل عیب اور بیماری کیا ہے۔ کہ یہاں صرف عقل ہی عقل ہے اور اگر کوئی آیت یا حدیث ہے تو اپنی عقل کی تائید میں ہے۔ اور ہمارے علماء اگر کوئی عقلی دلیل بیان کرتے ہیں تو وہ کتاب وسنت کو اصل رکھتے ہیں اور اس کی تائید میں عقلی دلیل بیان کرتے ہیں تاکہ بات سمجھ میں آجائے۔

کوفہ میں چونکہ سارے فتنے اکٹھے ہوگئے تھے، ہر قسم کا کفر ہر طرف سے غلاموں کی شکل میں آگیا تھا، وہ اعتراضات کرتے تھے، اعتراض کے وقت انسان بہت زیادہ تحقیق کرتا ہے۔ غیر مقلد عالم مولوی اسمعیل سلفی کے فتاویٰ فتاویٰ سلفیہ کے نام سے ایک جلد میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس میں اس نے یہ لکھا ہے کہ کوفہ میں غلاموں اور لونڈیوں کی شکل میں ہر برائی پہنچ چکی تھی۔ ہر کفریہ عقیدہ وہاں جاچکا تھا، ہر کفریہ گندگی وہاں پہنچ چکی تھی، وہاں ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے کوئی ایسا آدمی چاہئے تھا جو ہر فتنہ کا سرکوٹ سکتا ہو، تو اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہؒ کو اتنا ذہن دیا تھا کہ وہ ہر فتنہ کا قلع قمع کرسکتے تھے۔ یہ اس نے خود تسلیم کیا ہے۔ اگر امام ابوحنیفہؒ وہاں نہ ہوتے تو ان غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت وہاں کے لوگوں کے دین کو برباد کرکے رکھ دیتی۔

میں نے آپ کے سامنے امام صاحب کی تحقیق کے بارے میں عرض کیا کہ ان کی تحقیق کامل ہے پورے مسائل ہیں عملاً متواتر ہے، اور اس میں تحقیق کی تینوں باتیں آگئی ہیں۔ اور ان تینوں میں ہم امتیوں کے محتاج ہیں۔ جو غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہمیں امتیوں کی کوئی ضرورت نہیں وہ بھی لیتے امتیوں سے ہی ہیں۔

ہمارے ملتان میں استاد ہیں حضرت مولانا یٰسین صابر صاحب ان کی مسجد کے چار نوجوان لشکر طیبہ میں چلے گئے۔ بلکہ لشکر نجس میں۔ وہاں وہ تین مہینے لگا کر آئے اور آتے ہی جہاد شروع کردیا کہ حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ ماں باپ کو کہیں کہ تمہارا دین ہی نہیں ہے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو نماز پڑھتے ہی پیٹنا شروع کردیں کہ تمہاری نماز غلط ہے۔ ہم غلط نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔ مسجد میں روز لڑائی کرتے تھے، تو مولانا نے فرمایا کہ اگر میں نے کہا تو یہ ضد کریں گے ایک پروفیسر صاحب کو کہا کہ آپ انہیں بہلا پھسلا کر امین کے پاس لے جائیں۔ وہ پروفیسر صاحب

ان میں سے تین کو لے کر آ گئے۔

مجھے پہلے بتایا جا چکا تھا وہ تینوں آئے تو میں نے ان سے صاف بات کر دی کہ اگر تو تم سمجھنے کے لئے آئے ہو میں پھر بھی تیار ہوں اگر تم بجائے سمجھنے کے مجھے سمجھانے آئے ہو تو میں سمجھنے کے لئے بھی تیار ہوں۔ اس لئے پہلے طے ہو جائے کہ آپ سمجھے کے لئے آئے ہیں یا سمجھانے کے لئے۔ انہوں نے کہا ہم سمجھنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے کہا اگر تم سمجھنے کے لئے آئے ہو تو تمہیں میری بات ماننی ہو گی مریض جب طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ طبیب کی مرضی پر چلتا ہے تم نے وہاں ان کو تین مہینے دیئے میں تین گھنٹے بھی نہیں مانگتا صرف ایک گھنٹہ، اس میں جو کچھ میں کہوں وہ تم نے کرنا ہے، میں نے کتاب حدیث اور اہل حدیث ان کو دی اور رفع یدین کا باب نکال کر دے دیا کہ اسے اچھی طرح سے پڑھ لو وہ پڑھتے رہے، میں اپنا کام کرتا رہا۔ اب میں انہیں دیکھ بھی رہا تھا وہ آپس میں ایک دوسرے کو کہنیاں ماریں اور کہیں کہ یار وہ تو تین مہینے جھوٹ ہی بولتے رہے کہ ان کے پاس حدیث نہیں ہے۔ حدیث تو ان کے پاس بہت ہے۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے کہا اگر کوئی بات پوچھنی ہے تو پوچھ لو۔ انہوں نے کہا ہم نے ایک ہی بات پوچھنی ہے کہ یہ کتاب کہاں سے ملتی ہے ہمیں منگوا دو، میں نے کتاب منگوا دی کہنے لگے بس ہماری تسلی ہو گئی۔

اب ان کو بڑا دکھ ہوا کہ یہ تین اکٹھے ہی چلے گئے اور ایک ہی ہمارے پاس رہ گیا ہے، اب اس کے پیچھے لگ گئے کہ تو نے وہاں نہیں جانا۔ یہ تین اس کے پیچھے لگے رہے کہ لانا ہے، اب انہوں نے کہا جا تو سہی لیکن امین کی بات نہ سننا، وہ تینوں اس کو لے کر آ گئے آتے ہی اس نے کہا میں نے آپ کی بات نہیں سننی۔ میں سوال کروں گا۔ میں نے کہا آپ کریں سوال۔ کہنے لگا کہ سب سے پہلے مسئلہ کہاں سے لینا چاہیئے؟ میں تو آخر ان کا طبیب ہوں مجھے پتا چل جاتا ہے کہ مریض کس بحرانی کیفیت میں بول رہا ہے۔ میں نے کہا سب سے پہلے مسئلہ بہشتی زیور سے لینا چاہیئے، اس پر وہ اچھلا کودا، کافر ہیں یہ سارے، ساری دنیا مسئلہ قرآن سے لیتی ہے۔ اب وہ

ابٹھائیں لیکن وہ اچھلے کہ اب میں نے اس کے پاس بیٹھنا ہی نہیں۔ میں نے اشارہ کیا کہ جانے تو نہ دینا لیکن تڑپ لینے دو۔ اب وہ بٹھائیں یہ کہے میں نہیں بیٹھتا یہ تو کافر ہے۔ خیر انہوں نے کھینچ کھینچ کر بٹھایا۔ پھر میں نے کہا کہ میں معذرت کرتا ہوں لیکن کیا کروں عادت پڑ گئی ہے سچ بات منہ سے نکل ہی جاتی ہے۔ اس پر وہ پھر بھڑ گیا کہ یہ سچ ہے؟ میں نے کہا کہ بات تو سچی یہی ہے۔ یہ کیسے سچی ہے؟ پہلا نمبر قرآن کا ہے۔ میں نے کہا وہ مجتہد کے لئے ہے تیرے لئے نہیں ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ مجتہد کے لئے ہے میرے لئے نہیں۔ میں نے کہا بیٹھو۔ میں نے کہا تو نماز پڑھتا ہے؟ جی ہاں۔ میں نے کہا تو التحیات میں بیٹھتا ہے اور التحیات کی بجائے بھول کر سورۃ فاتحہ پڑھ لی، کیا آدمی نماز میں بھول جاتا ہے یا نہیں؟ بھول جاتا ہے۔ میں نے کہا یہ مسئلہ تجھے پیش آ گیا ہے یہ ہے ترجمہ والا قرآن اس سے نکالو مسئلہ۔ تو کتنے عرصے میں ترجمہ قرآن پڑھے گا؟ پھر کتنے عرصے میں تو صحاح ستہ پڑھے گا؟ مسئلہ وہاں پھر بھی نہیں ملے گا، نہ قرآن میں ملے گا۔ مسئلہ آخر بہشتی زیور سے ہی ملنا ہے۔ کہتا ہے میں کیوں پڑھوں قرآن، میں نے کہا اور کون پڑھے گا۔ مولوی سے پوچھوں گا۔ میں نے کہا یہ بھی تو مولوی نے ہی لکھا ہے۔ یہ اور کس نے لکھا ہے؟ یہ لکھنے والا بھی مولوی ہی ہے، ہاں البتہ فرق یہ ہوگا کہ اگر ہمارے مولوی سے مسئلہ پوچھے گا تو وہ بہشتی زیور سے دیکھے گا تو کہے گا کہ یہ بہشتی زیور میں ہے۔ لیکن اگر تو غیر مقلد مولوی سے مسئلہ پوچھے گا اور اس کو تو کہے گا کہ کہاں سے لیا ہے۔ وہ لے گا تو بہشتی زیور سے ہی، لیکن تجھے کیا بتائے گا کہ میں نے یہ بخاری سے مسئلہ لیا ہے۔ اب تو نے کون سی بخاری پڑھنی ہے تو خوش ہو جائے گا کہ مولوی صاحب نے بخاری سے مسئلہ بتایا ہے اور یہ بہشتی زیور سے مسئلہ بتاتے ہیں۔ حالانکہ اس نے بھی بہشتی زیور سے ہی مسئلہ بتایا ہے۔ لیکن اسے پتا ہے کہ اگر میں بہشتی زیور کا نام لوں گا یہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ بخاری شریف میں ہے۔ میں نے کہا یہ مسئلہ یاد رکھیں اور ان سے پوچھ کر بتانا۔

پھر میں نے کہا بات سمجھنے کی کوشش کریں ایک آدمی یہاں آ جاتا ہے کہتا ہے میں عیسائی

ہوں میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، آپ نے مسلمان کر لیا اس کا نام رحمت مسیح تھا آپ نے رحمت اللہ رکھ دیا۔ اب مسلمان ہونے کے بعد سب سے پہلے اس پر نماز فرض ہوگی۔ آپ اس کو قرآن ترجمے والا دے دیں کہ اس سے نماز کی شرطیں خود تلاش کر لینا۔ خواہ چھ مہینے لگیں یا سال لگے یا دو سال لگیں، مجھے تجھ سے کوئی ڈر نہیں ہے، میں اسے یہی تعلیم الاسلام یا بہشتی زیور دوں گا کہ یہ نماز کی شرطیں پڑھ لو یہ نماز کے فرائض پڑھ لو اور نماز پڑھ لو۔ میں نے کہا وہ تو نو مسلم ہے تجھے کتنا عرصہ ہو گیا ہے نماز پڑھتے ہوئے، کہنے لگا آٹھ سال میں نے کہا کہ تو ہی ذرا نماز کی شرائط قرآن سے نکال دے مجھے۔ کہتا ہے مجھے تو نہیں مل رہیں۔

میں نے کہا تو جو کہتا تھا کہ سب کے لئے پہلا نمبر قرآن کا ہے، کہنے لگا نہیں جی سب کے لئے پہلا نمبر قرآن کا نہیں۔ مولویوں سے پوچھ لینا چاہئے۔ میں نے کہا امام اعظم ابو حنیفہؒ سارے مولویوں کے مجتہد ہیں۔ اگر ان سے پوچھ لیں تو کیا حرج ہے، اب وہ کچھ ڈھیلا ہوا۔ اگر آئمہ حضرات یہ شرائط نہ لکھ جاتے تو میں آپ کو کمرے میں بند کر دیتا ہوں یہ ساری کتابیں آپ کو دے دیتا ہوں آپ دس سال میں بھی نماز کی مکمل شرائط نکال کر مجھے نہیں دے سکتے۔ تو ہمیں ان لوگوں کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ انہوں نے ہمیں پکی پکائی روٹی دے دی۔

اب انکی بھی کوئی شرائط ہیں تو جو کتابیں ان کے بڑوں نواب صدیق حسن خان اور وحید الزمان نے لکھی تھی ان میں یہ شرطیں لکھتے تھے لیکن لکھتے تھے شافعیوں سے چوری کر کے، ضد ان کی حنفیوں سے ہے۔ اب جب ہم نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ یہ شرائط حدیث میں دکھائیں اب ان کے دو گروہ ہو گئے ہیں جو انکے مناظرین ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ ہم کسی قسم کی کوئی شرائط نہیں مانتے۔ اس لئے اب میں سوال بھی اس انداز سے لکھا کرتا ہوں کہ صلوٰۃ الرسول لے لیتا ہوں۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، پندرہ مولوی صاحبان کی تصدیقات ہیں۔ آپ فرض کا لفظ ہمیں حدیث میں دکھا دیں۔

نمبر۲۔ جب تم نے مان لیا کہ کچھ چیزیں فرض ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سارے فرائض کا

حساب لینا ہے یہ بھی بتائیں کہ دو رکعت نماز میں کل فرائض کتنے ہیں۔ اب یہ اس کا جواب نہیں دیتے۔

ایک دو مناظروں میں اس کا جواب دیا کہ یہ فقہاء کی خرافات ہیں۔ جو یہ کہیں گے کوئی چیز فرض یا واجب ہے اور وہ حدیث میں نہ ہو وہ بے ایمان ہے۔ میں نے بخاری شریف نکال کر آگے رکھ دی۔ باب ہے **ایجاب التکبیر** تحریمہ کے فرض ہونے کا باب نسائی میں ہے باب **فرض التکبیر** میں نے کہا لکھ دو یہ دونوں بے ایمان ہیں۔ اب یہ بڑی مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں۔

بستی کدراں ہے محمود کوٹ ضلع مظفر گڑھ کے پاس، وہاں ہم گئے تو وہاں مولانا محمد احمد صاحب نے بتایا کہ وہ پوری نماز پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم آئیں گے لیکن ایک احتیاط کی بات یہ کرنا کہ یہ تجربہ کی بات ہے کہ اس دن کے جلسہ کی منظوری ضرور لے لینا۔ وہ کہنے لگے جلسہ کرنا ہے؟ میں نے کہا ضرورت پڑی تو کر لیں گے ورنہ نہ کریں گے۔ اگر تم نے نہ لی تو وہ لے لیں گے ایک دن میں دو جلسے تو ہو نہیں سکتے ایک گاؤں میں۔ اب وہ پولیس کو اطلاع دیں گے کہ یہ ہمارا جلسہ خراب کرنے آئے ہیں۔ تو پولیس ہمیں اندر نہیں جانے دے گی۔ کہنے لگے وہ گڑبڑ نہیں کریں گے۔

خیر انہوں نے میری بات نہ مانی چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا انہوں نے ایک ہفتہ پہلے اپنے جلسہ کی منظوری لے لی اور تین دن پہلے درخواست دے دی کہ ہم نے جلسہ کی منظوری لی ہے ہم جلسہ کرنا چاہتے ہیں اور حنفی ہمارا جلسہ خراب کرنا چاہتے ہیں۔ اب حنفیوں کا داخلہ بند ہو گیا۔

ہم محمود کوٹ پہنچ گئے، میں نے کہا چلنا تو چاہئے تاکہ لوگوں کے سامنے پولیس ہمیں نکالے۔ ہم جا کر بیٹھ گئے۔ خیر ہمیں پولیس نے کچھ نہیں کہا، کیونکہ اگر ہم کوئی مناظرہ وغیرہ کرتے تو تب پولیس والے ہمیں کچھ کہتے۔ اب وہ آدھ گھنٹہ انتظار کرتے رہے کہ پولیس خود ان کو چھیڑے گی۔ ہمیں انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ تو غیر مقلدوں نے سوچا کہ کسی طرح مناظرے کا شور کیا جائے پھر پولیس انہیں اٹھائے گی۔ اب وہ آگئے کہ یہاں لکھ دو کہ ہم مناظرہ کرنے آئے

ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ ہم نماز سیکھنے آئے ہیں۔ آپ ہمیں مکمل نماز اپنے وعدے کے مطابق صرف قرآن وحدیث سے سکھا دیں۔

اب ہم نے تو مناظرے کا تو لفظ ہی نہیں لکھا تھا۔ وہ لے گئے پولیس نے کوئی ایکشن نہ لیا۔ پھر لے آئے کہ صرف فاتحہ پر مناظرہ ہوگا۔ صرف فاتحہ پر۔ میں نے کہا لکھ دیں کہ حنفیوں کی باقی ساری نماز صحیح ہے، صرف فاتحہ کا مسئلہ غلط ہے پھر صرف اسی پر مناظرہ کرلیں گے۔۔ اور اس میں بھی ہم عام فہم انداز رکھیں گے جس کو بچے اوران پڑھ بھی سمجھ لیں۔ وہ کیا کہ جھگڑا ہے مقتدی کی نماز کے بارے میں اور نبی اقدس ﷺ نے اپنی زندگی کی آخری نماز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے مقتدی بن کر پڑھی ہے۔ اس میں اگر آپ ثابت کر دیں گے کہ حضرت پاک ﷺ نے اپنی آخری نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے فاتحہ پڑھی ہے، ہم پڑھنی شروع کر دیں گے۔ اور اگر اس میں آپ ثابت کر سکے تو پھر ہم نہیں پڑھیں گے۔

جب میں نے یہ بات کی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ تو کام مشکل ہو جائے گا۔ کہنے لگے ہم نہیں لکھ کر دیتے۔ تمہاری نماز جو ہے وہ استنجا سے لے کر سلام تک ساری غلط ہے۔ میں نے کہا کہ ہم اسی لئے آئے ہیں پہلے ہمارا استنجا کرواؤ، پھر ہمیں ساری نماز سکھاؤ۔ ہم تو آئے ہی اس لئے ہیں کہ ساری سکھا دو۔

تھانیدار بیٹھا تھا۔ میں نے کہا آپ نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے میں اگر صرف اتنی بات پوچھ لوں کہ استنجا فرض کب ہوتا ہے واجب کب ہوتا ہے، سنت کب ہوتا ہے۔ تو تمہیں یہ بھی پتا نہیں ہے۔

اب وہ سمجھ گیا کہنے لگا ہم کسی چیز کو فرض، واجب، سنت نہیں مانتے یہ سب خرافات ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے غیر مقلد کہتے ہیں کہ سورت فاتحہ پڑھنی فرض ہے، کہنے لگا بکواس کرتے ہیں، میں نے کہا غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ رکوع کے وقت رفع یدین سنت ہے، کہنے لگا، جھوٹ بولتے ہیں۔ اب یہ سب کچھ ٹیپ بھی ہو رہا تھا اور تھانیدار بیٹھا ہنس رہا تھا۔ میں نے کہا کچھ لوگ

کہتے ہیں اونچی آمین سنت ہے، کہنے لگا، بکواس ہے۔ میں نے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں آٹھ تراویح سنت ہے۔ کہنے لگا، بالکل جھوٹ ہے۔

تھانیدار ہنس رہا ہے، ہنستا ہنستا کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا مولوی صاحب میں صبح سے یہاں بیٹھا ہوں اور یہ آپس میں جو باتیں کر رہے تھے میں نے ساری سنی ہیں۔ لوگ کہتے تھے یہ غیر مقلد امین سے ڈرتے بہت ہیں، میں سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں کس بات سے ڈرتے ہیں، اب پتا چل گیا کہ جو چیز آپ کے آنے سے پہلے فرض تھی اب فرض نہیں رہی، جو چیز آپ کے آنے سے پہلے سنت تھی اب وہ سنت نہیں رہی، واقعی یہ بہت ڈرتے ہیں۔

پھر تھانیدار نے کھڑے ہو کر کہا کہ دیکھو بھائی بات یہ ہے کہ میں بھی نماز پڑھتا ہوں مسائل کی مجھے بھی ضرورت ہے، تو آپ قرآن وحدیث سے بات کریں، تاکہ کچھ ہم بھی سن لیں۔ اب انہوں نے بلایا تو تھا کہ پولیس روکے اب وہ خود سننے کے لئے تیار ہو گئے۔ اب غیر مقلدین کے لئے موت بن گئی یہ بات کہ یہ بھی مناظرہ سنیں گے۔

اس نے کہا مقلد کو حق ہی نہیں قرآن وحدیث پیش کرنے کا۔

اما المقلد فمستنده قول مجتهده.

مسلم الثبوت اٹھا کر دور کھڑا ہے اور شور مچا رہا ہے کہ مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہوتا ہے۔ یہ قرآن وحدیث پیش نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا اگر یہ لفظ یہاں ہوں کہ مقلد قرآن وحدیث پیش نہیں کرسکتا تو میں ایک ہزار روپے انعام دوں گا۔

تھانیدار دیکھ رہا تھا، میں نے کہا اگلی عبارت پڑھ وہ نہ پڑھے میں نے کہا میں زبانی پڑھتا ہوں میرے پاس کتاب بھی نہیں ہے۔

لا ظنه ولا ظنه

نہ مجتہد کا ظن قابل اعتماد ہے، بلکہ اسکا اسکا فتویٰ قابل اعتماد ہے نہ مقلد کا ظن قابل اعتماد ہے۔ تو یہاں مجتہد کے قول کے مقابلے میں اپنے ظن کی نفی ہے، نہ کہ قرآن وحدیث کی نفی ہے۔

ایک مطلب قرآن وحدیث کا مجتہد نے بتایا ہے ایک مقلد کو سمجھ میں آیا ہے تو وہ اپنی بات کو نہیں لے گا، اس کی بات دلیل نہیں ہوگی دلیل مجتہد کی بات ہوگی اس کا قول ہوگا۔ میں نے کہا یہاں مجتہد کا قول قرآن وحدیث کے مقابلے میں نہیں ظن کے مقابلے میں ہے۔ تھانیدار کہنے لگا یہاں قرآن وحدیث کا لفظ نہیں ہے؟ میں نے کہا بالکل نہیں ہے۔ اس نے کہا کتاب لا کر دکھاؤ اب وہ کتاب لے کر بھاگنے لگا، تھانیدار نے دو سپاہیوں کو کہا کہ اس کو پکڑ کر لاؤ۔ وہ اس کو پکڑ کر لے آئے جب دیکھا کہ قریب پہنچنے لگا ہے، تو پیچھے سے دو مولوی آئے اور اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر بھاگ گئے۔ میں نے کہا تھانیدار صاحب اس کو کس لئے بلایا ہے؟ جی حوالہ دیکھنا ہے، میں نے کہا حوالہ کس سے دیکھنا ہے؟ کہنے لگا کہ کتاب کہاں ہے؟ میں نے کہا کتاب وہ لے کر بھاگ رہے ہیں۔

یہ عجیب لوگ ہیں۔ اب وہ کھڑا مسجد کے کونے میں ہی تھا، تھانیدار کہنے لگا یہ مسجد کے اندر کھڑے ہو کر جھوٹ بول رہا تھا۔ میں نے کہا ان کی مسجدیں ہوتی ہی جھوٹ بولنے کے لئے ہوتی ہیں، اور کسی کام کے لئے نہیں ہوتیں۔ تھانیدار کہنے لگا کہ یہ تو مناظرہ نہیں کریں گے۔ میں نے کہا مناظرہ کیا کرنا ہے وہ تو کتابیں لے کر بھاگ رہے ہیں۔ نماز ہم نے سیکھنی ہے وہ ہمیں سکھا دیں۔ کہنے لگا یہ نہیں سکھاتے، میں نے کہا آپ سیکھ لیں۔ اب وہ کہیں کہ مناظرہ ہوگا مناظرہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی میں کسی ایک آدمی کو بغیر مناظرے کے بھی نماز سکھائی تھی یا نہیں، یا وہ ہر نماز مناظرے سے ہی سکھاتے تھے؟ ہمیں بھی آپ بغیر مناظرے کے سکھا دیں۔

تھانیدار کہنے لگا کہ یہ یہاں قابو نہیں آتے عدالت میں ان کو قابو کرنا چاہئے۔ میں نے کہا عدالت کے فیصلے میرے پاس ہیں۔ تھانیدار کہنے لگا عدالت کا فیصلہ ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ فیصل آباد کی عدالت میں ہماری قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر بحث ہوئی اور جج نے فیصلہ لکھا کہ حنفیوں نے جو حدیث پڑھی ہے وہ بالکل صحیح ہے، امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے، جو لوگ یہ کہتے ہیں

کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی وہ ملک میں فتنہ ڈالتے ہیں۔حکومت کو بھی ان پر کڑی نگرانی کرنی چاہیئے اور عوام کو بھی ان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیئے۔اس نے فیصلہ مانگا میں نے نکال کر دکھا دیا۔اس پر تھانیدار صاحب نے کہا اب پھر مناظروں کی کیا ضرورت ہے۔میں نے کہا یہ لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں اس لئے ہمیں بھی میدان میں آنا پڑتا ہے۔

غیر مقلدیت مرزا کی ڈگر پر۔

دھوکہ۔

غیر مقلدین عام طور پر اشتہارات میں دھوکہ دیتے ہیں کہ فرمائشی دلائل مانگتے ہیں، جیسے مرزا قادیانی نے چیلنج کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آسمان کا لفظ دکھا دو۔میں بیس ہزار روپے انعام دوں گا۔حالانکہ ان کی اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ سے یہ ثابت ہے تواریخ اور احادیث سے جن نبیوں کا آسمان پر جانا ثابت ہے ان میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔اب جب وہ آسمان پر جانا بھی مانتا ہے اترنا بھی مانتا ہے، تو چیلنج کس لئے کرتا ہے۔اب غیر مقلد بھی مرزا کے طریقے پر چلتے ہیں کہ اپنی طرف سے ایک لفظ بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ لفظ دکھا دو۔

آدابِ مناظرہ:

چند باتیں ایسی ہیں جن کو پیش نظر رکھنا مناظر کیلئے ضروری ہیں۔ان باتوں کو امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔

۱۔پہلی بات یہ ہے کہ مناظر پر واجب ہے کہ وہ کلام میں (مخل بالمقصود) اختصار سے بچے تا کہ وہ (اختصار) بات کے سمجھنے میں خلل نہ ڈالے۔

۲۔وہ (فضول) بات کو لمبا کرنے سے بچے تا کہ طوالت تنگدلی تک نہ پہنچا دے۔

۳۔نادر اور غیر مانوس الاستعمال الفاظ استعمال نہ کرے۔

۴۔ایسے جملے استعمال نہ کرے جو دو معانی کا احتمال رکھتے ہوں جب کہ اس میں معین مراد پر کوئی

قرینہ نہ ہو۔

۵۔ایسی بات سے بچے جو مقصود میں داخل نہیں ہے تا کہ کلام ضبط سے خارج نہ ہو جائے اور تا کہ مطلوب سے بعد لازم نہ آئے بلکہ مقصد کی بات ہی کرے تا کہ مطلوب جلدی حاصل ہو جائے۔

۶۔فضول نہ ہنسے اور نہ ہی بلا مقصد آواز بلند کرے اور مناظرہ کے وقت بے وقوفوں جیسا کلام نہ کرے اس لئے کہ بے شک وہ جاہل لوگوں کی صفات اور عادات میں سے ہے۔اس لئے کہ وہ ایسی چیزوں کی وجہ سے اپنی جہالت کو چھپاتے ہیں۔

۷۔ایسے آدمی سے مناظرہ کرنے سے بچے جو ہیبت ناک ہو (یعنی اس پر اس کا رعب ہو) قابل احترام ہو (کہ اس کو اس کا انتہائی احترام ہو کہ اس کے سامنے بات نہ کر سکتا ہو) کیونکہ مدمقابل کا رعب اور اس کا احترام بسا اوقات اس کی دقت نظر کو اور اس کے ذہن کی تیزی کو دور کرتا ہے۔

۸۔مدمقابل کو حقیر خیال نہ کرے تا کہ اس کی وجہ سے اس سے کوئی کمزور کلام صادر نہ ہو جائے اس کی وجہ سے کمزور آدمی اس پر غالب آ سکتا ہے۔

۹۔مناظر کے لئے لازم ہے کہ مدمقابل کو تھوڑے ہی وقت میں خاموش کرا دینے کا ارادہ نہ کرے اس لئے کہ بے شک کبھی جلد بازی کی وجہ سے اس سے کمزور قسم کے ایسے مقدمات صادر ہو جاتے ہیں جو کہ مدمقابل کے غلبہ کو واجب کر دیتے ہیں۔

۱۰۔مناظرہ کے وقت امراء کی طرح تکیہ لگا کر نہ بیٹھے بلکہ فقراء کی طرح بیٹھے اس لئے کہ یہ حالت ذہن کو مجتمع رکھتی ہے اور انتشار سے بچاتی ہے۔

۱۱۔شدت بھوک کے ساتھ مناظرہ نہ کرے اور نہ ہی کثرت پیاس کی حالت میں اس لیے کہ ان حالتوں میں غصہ جلدی آ جاتا ہے۔

۱۲۔انتہائی پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں بھی مناظرہ نہ کرے اس لئے کہ اس سے طبیعت میں سستی پیدا ہوتی ہے اور ذہن کی ذہانت بجھ جاتی ہے اور یہ چیزیں فائدہ کی بجائے نقصان کا باعث بن سکتی ہیں (رشیدیہ) تمت بالخیر